٧٨٦

بعونہٖ تعالیٰ

تجلیاتِ ناصریہ

المعروف

ذکرِ پاکاں

مدحت و حالات والیٔ جالندھر شہر

امام العارفین، قدوۃ السالکین، زبدۃ الکاملین خواجۂ خواجگان

حضرت خواجہ امام ناصر الدین چشتی قدس سرہٗ العزیز

طالبِ دعا فقیر پر تقصیر

محمد طفیل ناصری نقشبندی مجددی چشتی صابری عفی عنہٗ

بار دوم ترمیم شدہ

سنہ طباعت : ۱۴۰۰ھ / ۱۹۸۰ء

مقام طباعت : ظفر پرنٹرز ۲۰۱ سرکلر روڈ لاہور

تعداد طباعت : پانچ صد

قیمت فی جلد : ۱۰ روپے

ناشر : محمد طفیل ناصری 7-5-125 چاہ شیخاں
پیر غازی روڈ - اچھرہ - لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

انتساب

اس تذکرہ کو میں جناب مخدومی خلیفہ محمد صدیق صاحب ناصری چشتی صابری مدظلہ العالی (سابق سجادہ نشین درگاہ حضرت خواجہ امام ناصر الدین چشتی قدس سرہ) و خلیفہ مجاز حضرت مولانا خواجہ نواب الدین صاحب چشتی صابری رحمۃ اللہ علیہ کے نام نامی سے منسوب کرتا ہوں۔

(طفیل ناصری)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف

دولتِ دنیا کے بدلے سیرِ جنت کے بجائے — آپ کا در آپ کی ذاتِ گرامی چاہیئے
کاش ہو جائے اُنہی کے رو برو تکمیلِ شوق — اُن کے در پر اُن کے مستوں کی سلامی چاہیئے

زیرِ نظر تذکرہ (ذکرِ پاکاں) جن بزرگانِ دین کے حالات سے مزین ہے۔ اُن میں میری سرکار ناصرِ عالم پناہ حضرت خواجہ امام ناصر الدین چشتی قدس سرہٗ (جالندھر شہر) کے حالات سرِ فہرست ہیں۔ حضور امام پاکؒ کی ذات منبع فیض و کرم اور معدنِ جود و سخا ہے حضرت ممدوحؒ ہی کی ذاتِ پاک تھی جس نے سب سے پہلے کفرستانِ ہند کے خطہ پنجاب میں اللہ کا نام بلند کیا۔ اور آپ کی روحانیت اور فیضان سے یہاں علوم و معارف کی شمعیں روشن ہوئیں۔

اور اُن بزرگانِ دین کے حالات بھی شاملِ تذکرہ ہیں جنہوں نے اپنے دور میں اس درگاہ پاک سے اکتسابِ روحانی فرما کر اس خطہ میں رشد و ہدایت کے چشمے جاری کئے۔ اِن میں خصوصاً پیر و مرشد حضرت خواجہ مولانا نواب الدین صاحبؒ چشتی صابری کا ذکرِ خیر بھی کیا گیا ہے۔ اِن برگزیدہ ہستیوں کی یادیں ہمارے لئے سرمایۂ حیات اور سعادتِ اُخروی کا باعث ہیں

دورِ حاضرہ میں ان نفوسِ قدسیہ خصوصاً حضرت خواجہ امام ناصر الدین صاحبؒ کے بارہ میں تواریخی شواہد کا ملنا از حد دشوار ہے۔ کیونکہ ان بزرگوں نے تیسری صدی ہجری میں اس خطہ کو اپنے انوار سے منور کیا۔ اس لئے اتنے بعید زمانہ کے حالات محفوظ نہ رہ سکے۔

بہر حال عزیزم محمد طفیل ناصری نے اِن بزرگوں کے حالات منضبط کرنے میں بڑی کاوش کی ہے۔ اور جس قدر حالات اِمکانی وسائل سے مِل سکے ہیں بطور یادداشت اِن بزرگوں کے حضور نذرِ عقیدت کے طور پیش کرنے کی سعی کی ہے۔

یہ کتاب تاریخی دستاویز کے طور پر نہیں لکھی گئی۔ اور نہ ہی یہ سوانحعمری کا درجہ رکھتی ہے۔ کیونکہ اس کے لئے تاریخی ماخذ اور کتب میسر

مُستند حوالوں کا ہونا ضروری ہے - جو بدقسمتی سے اسوقت بآسانی دستیاب نہیں ہیں - اور نہ ہی ہمارے پاس تحقیق کے وسائل ہیں - جو کچھ بھی لکھا گیا ہے یہ محض چند یادداشتیں ہیں جو اپنی موجودہ اور آنیوالی نسلوں کے لئے محفوظ کرنے کی غرض سے قلمبند کی گئی ہیں - اس اُمید پر کہ شاید مستقبل میں کوئی صاحبِ علم صحیح اور مُستند واقعات کی تحقیق کی توفیق پا سکے -

اِس لحاظ سے عزیزم محمد طفیل ناصری کی کاوش قابلِ ستائش ہے - دُعا ہے کہ اللہ کریم جلّ شانہٗ مُتلاشیانِ حق وصداقت کیلئے اس تذکرہ کو رُشد و ہدایت اور بزرگانِ دین سے محبت و عقیدت کا سرچشمہ بنائے - آمین!

(مورخہ ۲۰ ۷/۸۰) خلیفہ محمد صدیق ناصری

10-S-145 لہری شاہ پارک پیر غازی روڈ اچھرہ - لاہور

۷۸۶

پیش لفظ

مقدمہ

اِس فقیرِ حقیر کی دیرینہ تمنّا تھی (اور احباب کا اصرار بھی) کہ اپنے وطنِ مالوف جالندھر شہر اور اُن برگزیدہ مردانِ خدا، خصوصاً والیٔ جالندھر اِمام الاولیاء قدوۃ العارفین زُبدۃ الکاملین خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ اِمام ناصر الدّین چشتی قدّس سرّہٗ العزیز، جنہوں نے اِس خطّہ کو اپنے رُوحانی فیوض و برکات سے سیراب کیا، کے حالات قلمبند کروں - کیونکہ وطنِ مالوف کی محبت جزوِ ایمان ہے - تو بزرگانِ دین کی یاد سرمایۂ حیات اور سعادتِ اُخروی کا باعث ہے - میری اِس آرزو کا عکس "ذکرِ پاکاں" کی صُورت میں شائع ہو چکا ہے - یہ کتاب اہلِ دل اور اصحابِ ذوق نے بیحد پسند کی - اور ہاتھوں ہاتھ فروخت ہوئی +

چونکہ پہلے ایڈیشن میں حضرت خواجہ علّامہ مولانا نواب الدّین صاحب چشتی صابری قدّس سرّہٗ کے مختصر حالات دیئے جا سکے تھے - اِسلئے تشنگی باقی رہی - اب اہلِ سلسلہ اور ذوقِ سلیم رکھنے والے احباب نے آپؒ کے بارہ میں مزید عجیب و غریب حالات فراہم کئے ہیں جو رُوحانیت میں نادر و نایاب اور جہادِ آزادی اور احیائے دین کی تحریکوں میں بلند مقام رکھتے ہیں - اس نئے ایڈیشن میں شامل کیے جا رہے ہیں -

اس زمانہ میں جبکہ عوام کا مزاج خُداشناسی اور رُوحانی ترویج کی بجائے دُنیوی جاہ طلبی اور اِلحاد و زندقہ کی طرف مائل ہے - لوگوں نے اپنے دلوں کو دُنیوی رذائل اور آلائشوں - اور طمعِ جاہ و زر میں پھنس کر زنگ آلود کر لیا ہے - دُنیوی آسائشوں کے حصول میں مسلسل اِنہماک اور ظاہری وضع قطع اور آرائش و زیبائش کے شوق و آرزوؤں نے باطنی حُسن و خوبیوں کو دُھندلا دیا ہے - ان کی نظریں ظاہری نمود و نمائش اور مال و منال کی طرف ہی لگی رہتی ہیں - اور اُخروی سعادتوں کی طرف سے چشم پوشی کی جاتی ہے - موجودہ نصابِ تعلیم بھی زیادہ تر دُنیوی ترقی اور ارتقاء کے منازل کیطرف رہنمائی کرتا ہے - مگر اِس میں حقیقی اور خالص رُوحانی اور اُخروی اقدار اور تحقیق کی طرف صحیح توجہ نہیں دی جاتی - اور تزکیۂ نفس کی تربیت کا فقدان ہے - اِسلئے یہ لوگ (جن کی توجہ صرف دُنیوی اغراض اور مادّی فوائد ہی کیطرف مبذول رہتی ہے) بزرگانِ دین اور اولیائے کرام کے

...نا آشنا ہوتے جارہے ہیں۔ اور اہل اللہ کے سوانح اور حالات کو قصہ کہانیاں کہکر ان کی عظمت اور بزرگی کا تمسخر اڑایا جاتا ہے۔ ارکانِ ایمان۔ قیامت۔ حشر و نشر۔ حیات بعد از موت اور بعثت بعد از ممات سے انکار کیا جاتا ہے۔ یہ جاہل (بظاہر تعلیم یافتہ) اور گستاخ لوگ قصصِ قرآنی اور انبیاء علیہم السلام کے احوال و افعال پر بھی نکتہ چینی اور طعنہ زنی کرنے سے نہیں چوکتے (معاذ اللہ) عوام کالانعام تو ایک طرف۔ علمائے ظاہر کا ایک طبقہ (جن کے سینے نورِ باطن سے خالی ہیں۔ اور قلوب ذوقِ آگہی اور عرفانِ ذات سے نا آشنا ہیں) تصوف اور راہِ طریقت کو گمراہی اور پیری مریدی کو بدعت قرار دیتا ہے۔ اہل اللہ کے جذبہ و احوال اور خوارق عادات (کرامات) کا مضحکہ اڑاتا ہے۔ اور گستاخانہ طرزِ عمل اپنائے ہوئے ہے۔

اِس لئے اصلاحِ احوال کی غرض سے اِن پاک لوگوں کے احوال و درجات کے بارہ میں چند سطور گوش گذار کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ نیز قرآن و حدیث۔ ایثارِ خلفاء اور اہل اللہ کے تذکروں سے چند معارف و عجائبات بیان کئے جاتے ہیں کہ اس گروہ بلند کی محبت سے محروم لوگ صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق پا سکیں۔ اور اِن مردانِ خدا کے مقامات اور عظمت کو پہچانیں۔ نیز آدابِ مرشد سے واقفیت پائیں اور راہِ طریقت کی افادیت سے بہرہ ور ہوں۔ وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ ٭

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ہ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ ہ

روزانہ پانچوقت کی نمازوں میں مندرجہ ذیل آیاتِ قرآنی کی تلاوت (بطور دعا) کی جاتی ہے

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ	(اے اللہ) ہمیں سیدھے راستہ پر چلنے کی ہدایت فر(ما) اُن لوگوں کا راستہ جن پر تُونے اِنعام کیا ہے۔

اِن اِنعام یافتہ لوگوں کا قرآن کریم میں یوں تعین کیا گیا ہے :-

مِنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ہ	اِن (انعام یافتہ لوگوں میں) انبیاء۔ صدیق۔ شہداء اور صالحین ہیں۔

ہمارے زیر بحث اس مقدمہ میں صالحین ہی کی جماعت ہے۔ جسے قرآن کریم میں

اولیاء اللہ (اللہ کے دوست) کے نام سے پکارا گیا ہے۔

(۱) ولایت کے ثبوت اور اس کی ماہیت کے بیان میں امام المتقین۔ زبدۃ العارفین سید علی ہجویری حضرت داتا گنج بخش صاحب قدس سرہٗ العزیز کشف المحجوب میں فرماتے ہیں :-

"تمام مشائخ ولایت کے اثبات میں ایک دوسرے سے متفق ہیں۔۔۔۔ ولی کے معنی ہیں خدا کا سچا دوست اور عاشق۔ جو اس کی اطاعت سے ذرہ بھر سرتابی نہیں کرتا۔ پس کلام اللہ میں ولایت کا اظہار اللہ تعالیٰ کی جانب سے بندوں کے حق میں بھی کیا گیا ہے اور بندوں کی جانب سے خدا کے حق میں بھی۔ جیسا کہ فرمایا :-

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ	اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا دوست ہے۔ جو انہیں ظلمت (گمراہی) سے نکالکر روشنی (ہدایت) میں لاتا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ کو اپنے دوستوں اور محبوبوں (اولیاء اللہ) کی رعایت و اعانت ہر وقت مقصود ہوتی ہے۔ اور وہ اُن کی دعا کو کبھی رد نہیں کرتا۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"بہت سے میلے کچیلے کپڑوں والے اور پراگندہ بالوں والے اگر کسی معاملہ میں قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ اِس قسم کو ضرور پورا فرما دے گا۔"

اے طالبِ صادق ! ولایت کا لفظ خلقِ خدا میں مستعمل ہے۔ اور اسیطرح مومنین "ولی" برگزیدہ ذات و صفات کے قائل ہیں۔ اور کتاب و سُنت کے صدق و جواز پر شاہد ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :-

اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ہ	تحقیق خدا کے سچے دوستوں پر نہ کبھی خوف طاری ہوتا ہے اور نہ وہ کبھی غمزدہ ہوتے ہیں۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ :-

"اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ جس شخص نے میرے ولی کو تکلیف دی یا اس کی حق تلفی اور دل آزاری کی۔ تو اُس نے میرے خلاف گویا محاذ قائم کیا۔ اور اس کے ساتھ جنگ کرنا مجھ پر واجب ہوگیا۔"

اور اس سے مراد یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء کو دوستی اور رعایت سے مخصوص کیا گیا ہے۔ اور وہ اس ملک کے والی ہیں۔ اور انہیں خدا نے اپنی صفات کا مظہر بنایا ہے۔ اور طرح طرح کی کرامتوں سے مخصوص کیا ہے

پھر فرماتے ہیں۔ "اور بالخصوص اِن لوگوں کو جہان کا والی بنایا جنہوں نے حدیث نبوی کا اتباع کیا۔ اِن برگزیدہ ہستیوں نے نفس کی متابعت سے احتراز کیا۔ تا آنکہ آسمان سے اُن کے قدوم کی برکت سے بارانِ رحمت نازل ہوتی ہے۔ اور زمین سے اُن کے احوالِ باطن کی صفائی کے باعث طرح طرح کے پھل پیدا ہوتے ہیں۔ اور مسلمان ان کی برکات سے کفار پر فتح و غلبہ حاصل کرتے ہیں۔"

ولی کی کرامت کے ثبوت میں حضرت داتا صاحب فرماتے ہیں:-

"ایک سچے ولی سے کرامت کا ظہور بالکل ممکن اور جائز ہے۔ اور اہلِ سنت والجماعت اس عقیدہ پر متفق ہیں۔ اور اولیاء اللہ سے اظہارِ کرامت عقلی طور پر بھی محال نہیں۔ کیونکہ یہ قوت بھی جو ولیوں کی بنا پر خرق العادت کے ظہور پر قدرت رکھتی ہے۔ اور اسے خدا کی امداد و اعانت حاصل ہے۔ اور کرامت ولی کی صداقت کا ثبوت ہوا کرتی ہے۔ اور اس کا ظہور کسی کاذب یعنی مصنوعی ولی سے ممکن نہیں۔ ...... اور ایک گروہ اہلسنت کا کہنا ہے۔ کہ ولی سے کرامت تو درست ہے۔ لیکن معجزہ کی حد تک نہیں۔ مثلاً دعاؤں کا قبول ہو جانا۔ اچھی اور نیک عادت سے سعادتمند اور مؤمن لوگوں کا مستفید ہونا۔ اور پھر ولی کی بددعا سے کافر اور منافق لوگوں کا تباہ و برباد ہو جانا۔ اور اسی طرح فرد و تمند خلق خدا کی مرادیں حاصل ہو جانا۔ یہ سب چیزیں از قسم کرامات ہیں۔ کیونکہ اگر یہ کہا جائے کہ اولیاء اللہ کا گروہ امتیازی روحانی قوتوں کا حامل نہیں اور اسے خدا کی طرف سے نصرت و امداد حاصل نہیں۔ تو یہ خود گمراہی اور گستاخی ہے۔ اور اگر یہ کہو کہ ایک ولی کے ہاتھوں سے کرامت کا ظہور نبوت کا بطلان ہے۔ اور نبیوں کی تخصیص کے منافی ہے۔ تو یہ بھی ایک غلط اور بے بنیاد عقیدہ ہے۔ اس لئے کہ کرامت کا درجہ ولی کے ساتھ خاص ہے۔"

(کشف المحجوب۔ اسباب ولایت اور کرامت کے ثبوت میں)

(۲) قطب الاقطاب۔ غوث زمان۔ امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرھندی فاروقی قدس سرہٗ العزیز (مکتوب ۲۰۵ جلد دوم میں جو خواجہ مھدی علی کشمیری کی طرف صادر فرمایا) اِس گروہِ بلند (اولیاء اللہ) کی محبت کی ترغیب میں فرماتے ہیں:-

"آپ کا صحیفہ شریفہ جو کمال محبت و اخلاص سے صادر فرمایا تھا۔ مع ھدیہ اور تحفوں کے پہنچا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس گروہ کی محبت پر استقامت عطا فرمائے۔ اور قیامت کو اِنہی کے ساتھ

فعلے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا ہم نشین بدبخت نہیں ہوتا۔ اور ان کا ہمنشین حبیب محروم نہیں ہوتا۔

ھُمْ جُلَسَاءُ اللّٰہِ اِذَا رُؤُوا ذُکِرَ اللّٰہُ۔	یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ہمنشین ہیں۔ کہ اِن کے دیکھنے سے خدا یاد آجاتا ہے۔

یہ وہ لوگ ہیں جس نے اِن کو پہچانا۔ اُس نے اللہ تعالیٰ کو پا لیا۔ اِن کی نظر دوا ہے۔ اور ان کا کلام شفاء۔ اور ان کی صحبت سراپا نور و ضیاء۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جس نے ان کے ظاہر کو دیکھا وہ محروم و نا امید ہوا۔ اور جس نے اِن کے باطن کو دیکھا بزرگ ہو گیا۔ اور نجات و خلاصی پا گیا۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے۔ کہ الٰہی یہ کیا ہے جو تو نے اپنے دوستوں (اولیاء اللہ) کو عطا کیا ہے کہ جس نے ان کو پہچانا اُس نے تجھے پا لیا۔ اور جب تک تجھے نہ پایا۔ اِن کو نہ پہچانا۔ یعنی اِن کا پہچاننا۔ اور تیرا پانا ایک دوسرے سے الگ نہیں۔"

مکتوب ۱۶۵ جلد اوّل میں دنیا اور اہلِ دنیا کی مذمت کے ضمن میں گروہِ اولیاء کی بابت فرماتے ہیں:-

"اے فرزند! ہم فقراء کو دنیادار دولتمندوں سے کیا نسبت۔ کہ اُن کے نیک و بد کی نسبت گفتگو کریں شرعی نصیحتیں اِس بارہ میں پوری اور کامل طور پر وارد ہوئی ہیں۔

فَلِلّٰہِ الْحُجَّۃُ الْبَالِغَۃُ	کامل دلیل اللہ ہی کے پاس ہے

لیکن جب اس فرزند نے از روئے توبہ کے فقراء کی طرف رجوع کی تھی۔ اسی نسبت کے سبب اکثر اوقات دلی توجہ اس فرزند کے حال پر ہی رہتی ہے۔ اور وہی توجہ اس گفتگو کا باعث ہوئی ہے۔ اے فرزند جان لے کہ پہلی انابت جمعیت دلوں کی صحبت میسر حاصل ہونے کے باعث اگر چہ کچھ فائدہ نہ دیا ہوگا۔ لیکن اس فرزند کے جواہر استعداد کے نفیس ہونے کی گواہی دیتی ہے۔ اُمید ہے کہ حق تعالیٰ اس انابت کی برکت سے آخر اپنی مرضیات کی توفیق عطا کرے گا۔ اور اہلِ نجات میں سے بنا دے گا۔

بہر حال اس گروہ (اولیاء) کی صحبت کا رشتہ ہاتھ سے نہ دیں۔ اور ان لوگوں کے آگے التجا اور عاجزی کرتے رہیں۔ اور منتظر رہیں۔ کہ حق تعالیٰ اس گروہ کی محبت کے طفیل اپنی محبت سے مشرف فرمائے۔ اور پوری طرح اپنی طرف کھینچ لے۔ اور ان جھگڑوں سے بالکل آزاد کر دے۔"

مکتوب ۱۹۸ جلد اوّل میں فقراء کی محبت اور ان کی طرف توجہ کی ترغیب میں مرزا بدیع الزماں کی طرف لکھتے ہیں:-

"آپ کا شریف اور لطیف خط صادر ہوا۔ الحمد للہ کہ اس کے مضمون سے فقراء کی محبت اور اُن کی طرف توجہ کا حال معلوم ہوا۔ جو سرمایۂ آخرت ہے۔ کیونکہ یہی لوگ اللہ کے ہمنشین ہیں۔ اور

جن کا ہم نشین بدبخت نہیں ہوتا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقرائے مہاجرین کے طفیل اللہ تعالیٰ سے فتح کی طلب کرتے تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِنہی کے حق میں فرمایا ہے

رُبَّ اَشْعَثَ مَدْفُوْعٍ بِالْاَبْوَابِ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ ۔	بہت سے ایسے پریشان ہیں۔ جو دروازے سے ہٹائے ہوئے ہیں۔ اگر قسم کھائیں تو البتہ پورا کر دے اُسکو اللہ تعالیٰ۔"

مکتوب ۲۴ جلد دوم۔ خوارق وکرامات اور گروہ اولیاء کی عظمت کے بارہ میں میر نعمان کیطرف صادر فرمایا ہے۔

"اِس کے علاوہ ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ مرید رشید اور طالب مستعد ہر گھڑی سلوکِ طریق میں اپنے پیر سے خوارق وکرامات محسوس کرتا ہے[1]۔ اور معاملہ غیبی میں ہر دم اس سے مدد لیتا ہے۔ دوسرے لوگوں کی نسبت خوارق کا ظاہر ہونا ضروری نہیں۔ لیکن مریدوں کی نسبت کرامات ہی کرامات[1] اور خوارق ہی خوارق ہیں۔ مرید کسطرح پیر کے خوارق کو محسوس نہ کرے جبکہ پیر نے مُردہ دلوں کو زندہ کر دیا ہے۔ اور مشاہدہ اور مکاشفہ تک پہنچا دیا ہے۔ عوام کے نزدیک بدنوں کا زندہ کرنا عظیم الشان ہے۔ اور خواص کے نزدیک قلب و رُوح کا زندہ کرنا اعلیٰ درجہ کا بُرہان ہے۔

خواجہ محمد پارسا[2] قدس سرہٗ "رسالہ قدسیہ" میں فرماتے ہیں کہ جسد کا زندہ کرنا چونکہ اکثر لوگوں کے نزدیک بڑا اعتبار ہے۔ اِسلئے اہل اللہ اس کی طرف سے مُنہ پھیر کر رُوح و قلب کو زندہ کرنے میں مشغول ہوتے ہیں۔ واقعی جسدی زندگی قلبی و رُوحانی زندگی کے مقابلہ میں چھلکے ہوئے

۱۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ العزیز فرماتے ہیں۔ کہ اربابِ ارشاد کیلئے یہ کرامت ضروری ہے کہ مریدانِ رشید کو ایک عالم سے دُوسرے عالم میں لے جائے اور ایک حال سے دُوسرے حال پر اُس کا گذر کرائے۔ سعادتمند مرید ہر دم اپنے پیر سے کرامات وخوارق عادات کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے۔ اور اپنے میں اس کے تصرفات کا معائنہ کرتا ہے۔ اولیاء اللہ کیلئے ضروری نہیں ہے کہ عامہ خلق اللہ پر اظہارِ خوارق کریں۔ بلکہ معاملۂ ولایت پوشیدہ رکھنے کے لائق ہے

اَوْلِیَائِیْ تَحْتَ قِبَائِیْ لَا یَعْرِفُھُمْ غَیْرِیْ ۔	میرے اولیاء میری قبا کے نیچے ہیں۔ کوئی اُن کو میرے سوا نہیں پہچان سکتا۔

(حضرات القدس دفتر دوم "حضرت ہشتم")

۲۔ حضرت خواجہ علاؤ الدین عطار قدس سرہٗ حضرت خواجۂ بزرگ حضرت بہاؤ الدین بخاری نقشبند قدس سرہٗ الانور کے حالات میں نقل کرتے ہیں۔ کہ جب خواجہ محمد پارسا قدس سرہٗ حضرت خواجۂ بزرگ کی خدمت میں بیعت کے لئے گئے۔ تو جب خواجۂ بزرگ نے آپکو اجازت مرید ہونے کی دی۔ تو آپ کے بارہ میں فرمایا۔ کہ تم جو کچھ ہوگے وہی ہوگا۔ اور جس کسی پر اپنا اثر ڈالوگے وہ متاثر ہو جائیگا۔ اور دوسرے وقت یہ فرمایا۔ کہ جو کچھ خواجہ پارسا کہے گا حق سبحانہٗ تعالیٰ وہی کریگا۔ نیز خواجۂ بزرگ قدس سرہٗ نے انکے بارہ میں فرمایا کہ ہمارے ظہور سے مقصود خواجہ محمد پارسا کا وجود ہے۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ حضرت نے اسطرح سے فرمایا کہ مقصود ہمارے وجود سے خواجہ پارسا کا ظہور ہے۔ نیز نقل کیا ہے کہ ایک روز حضرت خواجۂ بزرگ قدس سرہٗ باغ میرزا کے حوض کے کنارہ پر (باقی اگلے صفحہ حاشیہ میں)

گویا ہے کر کٹ کی طرح ہے۔ اور اسکی طرف نظر کرنا عبث و بیفائدہ ہے۔ کیونکہ جسدی زندگی چند روزہ زندگی کا باعث ہے۔ اور رُوحانی اور قلبی زندگی دائمی حیات کا موجب ہے۔

بلکہ ہم کہتے ہیں کہ درحقیقت اہل اللہ کا وجود ہی کرامت ہے۔ اور خلق کو خدا تعالیٰ کیطرف دعوت کرنا اللہ تعالیٰ کی رحمتوں میں سے ایک رحمت ہے۔ اور مُردہ دلوں کو زندہ کرنا اللہ تعالیٰ کی آیات میں سے آیتِ عظمیٰ ہے۔ یہی لوگ (یعنی اولیاء اللہ) اہلِ زمین کا امن اور غنیمتِ روزگار ہیں۔

بِھِمْ یُرْزَقُوْنَ وَبِھِمْ یُمْطَرُوْنَ	اِن ہی کے طفیل لوگوں کو رزق ملتا ہے۔ اور اِنہی کے طفیل بارش ہوتی ہے۔

اِنہی کی شان میں وارد ہے۔ اِن کا کلام دوا ہے۔ اور اِن کی نظر شفا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ہم نشین ہیں۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جن کا ہم نشین بدبخت نہیں ہوتا۔ اور اِن کا دوست رحمتِ حق سے نا اُمید نہیں ہوتا۔"

(مکتوباتِ مجدد الف ثانیؒ)

(۳) حضرت علامہ مولانا بدر الدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ (جو حضرت مجدد الف ثانی کے خلفائے عظام میں صاحبِ رتبہ اور قریبی اصحاب سے ہیں اور حضرت مجددؒ کی خدمت میں سترہ ۱۷ سال تک رہے) اپنی مشہور ومعروف تصنیف "حضرات القدس" کی تمہید میں ضرورتِ شیخ اور مسترشدین کے جواز اور خوارق کے بارہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"حمد اور نعت کے بعد اہلِ بصیرت کے دلوں پر ظاہر ہو۔ کہ حضرت حق سبحانہٗ تعالیٰ قرآن مجید فرقانِ حمید میں ارشاد فرماتا ہے:۔

وَابْتَغُوْٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ ۔	خدا کے ملنے کیواسطے وسیلہ اختیار کرو۔

نیز ارشاد ہے:۔

وَقُلْ ھٰذِہٖ سَبِیْلِیْٓ اَدْعُوْٓا اِلَی اللّٰہِ عَلٰی بَصِیْرَۃٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ	(کہہ دے اے محمدؐ!) یہ میرا خدا کا راستہ ہے۔ میں اپنے آپکو اور انکو جو میرے پیرو ہیں راہِ بصیرت (ھدایت) کیطرف بلاتا ہوں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱) تشریف فرما ہوئے تو دیکھا کہ خواجہ محمد پارسا قدس سرہٗ پانی میں پاؤں لٹکائے ہوئے مراقبہ میں مشغول ہیں۔ اور بے خود ہیں۔ حضرت خواجۂ بزرگ نے فوراً لنگی باندھی اور پانی میں تشریف لے گئے۔ اور اپنے چہرہ کو اُن کے پاؤں کی پشت پر رکھ کر فرمانے لگے۔ کہ اے خدا اِن پاؤں کی حرمت میں بہاؤ الدین پر رحم فرما۔

(حضرات القدس دفتر اوّل صفحہ ۱۷۹-۱۸۰)

اور آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:-

مَنْ لَا شَیْخَ لَہٗ لَا دِیْنَ لَہٗ	جس کا کوئی پیر نہ ہو وہ بے دین ہے۔

اور نیز ارشاد فرمایا:- کہ

مَنْ لَا شَیْخَ لَہٗ فَشَیْخُہٗ اِبْلِیْسُ	جس کا کوئی پیر نہ ہو۔ اُس کا پیر شیطان ہے۔

پس راہِ خدا کیلئے ایسے پیر کی بیحد ضرورت ہے۔ جو خدائے بزرگ و برتر کی راہ کیطرف رہبری فرمائے۔ اور خدا کی طرف جانیوالے کو راستہ دکھلائے۔ اور اُس پیر کے سلسلہ کی اسناد آنحضرت صلعم تک متصل ہو۔ اور وہ حضرت حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباعِ کامل سے آراستہ ہو۔ ہر سالک کیلئے یہ امر بھی ارکانِ طریقت ہے۔ کہ سلسلۂ اسناد کا علم اپنے پیر سے تا بہ آنحضرت صلعم حاصل کرے۔ طریقت کے اصول میں سے یہ بات بھی ہے۔ کہ مرید اپنے پیرانِ سلسلہ کے طرز اور طریقے اور حالات اور اُن کے اقوال اور مقام اور کراحتوں سے واقفیت حاصل کرے۔ تاکہ وہ اُن نعمتوں سے جو آنحضرت صلعم کی سرکار سے عطا ہوں درجہ بدرجہ پیران کے توسط سے مستفیض ہو سکے۔ کیونکہ سلسلہ یعنی زنجیر کی یہ خاصیت ہے۔ کہ اُسکے ایک سِرے کی حرکت دوسرے سِرے تک پہنچتی ہے۔

مُرید صادق کو چاہیئے کہ مناجات کیوقت قلبی حضور سے اور التجا اور عاجزی کے ساتھ اپنے سلسلہ کے بزرگوں کو نام بنام یاد کرے اور ہر ایک ظاہری اور باطنی مشکل اور مصیبت میں اُن کو اپنا شفیع گردانے اور اُن کے وسیلہ اور واسطہ سے اپنی مُراد مانگے تاکہ جلد قبولیت ہو۔

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ العزیز فرماتے ہیں کہ مُرید کیلئے پیروں کا کلام پڑھنے اور لکھنے اور سُننے میں بیشمار فوائد ہیں جن کی کوئی حد اور انتہا نہیں ہے۔ ان کا کلام اُن کیواسطے ایک لشکر ہے خدائے عزوجل کے لشکروں میں سے۔ جب مُرید سب کی طرف سے ناامید ہو کر خدا کے لشکر سے قوی دِل ہو جاتا ہے اور اپنے کام میں اچھی طرح مشغول ہو جاتا ہے۔ اور اسکو انبساط شرح صدر حاصل ہوتا ہے۔ اور غرور اور خود پسندی سے پاک ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مخاطب کر کے فرماتا ہے:-

وَکُلًّا نَّقُصُّ عَلَیْکَ مِنْ اَنْبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِہٖ فُؤَادَکَ	ہم تم سے نبیوں کے حالات بیان کرتے ہیں تاکہ اس سے تمہارے دل کو جمعیت بخشیں۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

تَنَزَّلُ الرَّحْمَۃُ عِنْدَ ذِکْرِ الصّٰلِحِیْنَ۔ صالحین کے ذکر کیوقت رحمت نازل ہوتی ہے۔

چنانچہ اس امر پر اُمتِ محمدیہ کا اجماع ہے کہ تفسیر و حدیث کے بعد بزرگانِ دین کے ارشادات اور حکماء کے اقوال بہترین کلام ہے۔

منقول ہے۔ کہ جو شخص صوفیائے کرام کے حالات اور ارشادات اور اُن کے مقامات اور اپنے پیرانِ سلسلہ کی کراحتیں لکھے تو ہر ایک حرف کے بدلے ستر ستر نیکیاں اس کے اعمالنامہ میں لکھی جاتی ہیں۔

حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہٗ کے حالات میں لکھا ہے۔ کہ آپ فرماتے ہیں کہ "پیر کون ہے؟ پیر وہ شخص ہے کہ رسولِ خدا صلعم کو جو چیز ناپسند تھیں وہ اُسمیں بھی نہ ہوں۔ اور آنحضرت صلعم کی مقبول باتیں اُسمیں موجود ہوں۔ بلکہ اُس کا وجود اُسکی تمام خواہشیں اُس سے گم ہو جائیں اور اُسکی ذات ایسا آئینہ ہو جائے جسمیں سوائے اوصاف و اخلاقِ نبوی صلعم کے اور کچھ نہ رہے۔ اس مقام میں اوصافِ نبویہ سے موصوف ہونیکی وجہ سے تصرف حق سُبحانہٗ کا مظہر ہو جاتا ہے۔ اور تصرفِ الٰہی سے طالبوں کے باطنوں میں تصرف کرتا ہے۔ اور مرضی سے بالکل خالی ہو کر مرضئِ حق پر پورے طور سے ٹھہرا رہتا ہے۔

حضرت خواجہ عبید اللہ احرار علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں کہ مُرید وہ ہے کہ ارادت کی تاثیر سے اُس کا وجود سوختہ ہو جائے۔ اور اُس کی کوئی آرزو باقی نہ رہے۔ اور دل کے آئینہ کی بصیرت میں اپنے پیر کا جمال دیکھکر اپنی توجہ کا مُنہ اور تمام جہات سے پھیر لیتا ہے۔ اور اُسکا قبلۂ جمال پیر ہو جاتا ہے۔ اور پیر کی بندگی میں آزادی سے فارغ ہو کر نیاز اور تواضع کا سر سوائے پیر کے آستانہ اور کہیں نہیں ڈالتا۔ بلکہ نیستی کا خط اپنے وجود کی پیشانی پر کھینچ دیتا ہے۔ اور وجود غیر کے شعور کے تفرقہ سے رہائی پاتا ہے۔

آپ رح فرماتے ہیں کہ کسی درویش کی تصویر دیوار پر کھینچی جائے تو اُس دیوار کے پاس سے ادب سے گذرے۔

نیز فرماتے ہیں کہ جو شخص اولیاء اللہ کی صحبت میں آئے اُس کو چاہیئے کہ اپنے کو نہایت مُفلس و محتاج ظاہر کرے تاکہ اُن کو اُس پر رحم آئے۔

حضرت علامہ بدر الدین سرہندی رح سر حلقۂ خواجگانِ نقشبندیہ قطب الاقطاب غوث زماں حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند بخاری قدس سرہٗ العزیز کے حالات میں صفت تکوین بارہ میں لکھتے ہیں۔

"بخارا میں جسوقت آپؒ حضرت مولانا زین الدینؒ کی ملاقات کیلئے تشریف لیگئے۔ تو صبح کی نماز کے بعد مولانا اورادِ جہریہ میں مشغول تھے۔ اور خواجہؒ بھی آکر بیٹھ گئے۔ مولانا نے فرمایا کہ "اے خواجہ! ہمارا نقش بھی باندھو۔ یعنی ہمارے حال پر توجہ کر دو" حضرت خواجہؒ نے بطور تواضع کے جواب دیا۔ "کہ ہم خود نقش بننے کیلئے آئے ہیں"۔ اسکے بعد مولانا آپکو اپنے مکان پر لائے اور آپکی ضیافت کی۔ اور دونوں کی باہم بڑی صحبت رہی۔ تین دن آپؒ نے اُن (مولانا) پر توجہ دی۔ غالباً اُسی روز سے آپکا نام نقشبند ہوا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ چونکہ آپکی پہلی ہی صحبت میں ماسویٰ کا نقش سالک کے دل سے مٹ جاتا تھا۔ اسلئے آپؒ نقشبند کے لقب سے مشہور ہوئے۔ اور چونکہ نقشبند، صورت دہندہ اور پیدا کنندہ کے معنی میں بھی آیا ہے۔ اسلئے کہ جسوقت صفتِ تکوین آپکو عنایت ہوئی۔ ممکن ہے کہ خطاب نقشبند بھی بارگاہِ ربّ العزت سے آپؒ کو سرفراز ہوا ہو۔ چنانچہ حضرت خواجہ قدس سرہٗ نے اس امر کیطرف اشارہ فرمایا ہے کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام کا قول جو اس آیت میں وارد ہوا ہے۔ کہ :-

رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی
قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰی
وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ۔

اے ربّ دکھا دے مجھکو کہ تو مُردہ کو کیونکر زندہ کرتا ہے
(اللہ تعالیٰ نے) فرمایا کہ کیا تو بھی ایمان نہیں لایا۔ حضرت ابراھیمؑ نے کہا کہ میں ایمان تو لایا ہوں۔ مگر دیکھنا چاہتا ہوں تاکہ میرا قلب مطمئن ہو جائے۔

مُراد اس اطمینانِ قلب سے یہ ہے کہ حضرت ابراھیمؑ مظہرِ صفتِ احیاء و تکوین ہونا چاہتے تھے۔

اور حضرت غوث الثقلین شیخ سید عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ العزیز نے اپنی کتاب "مفتوح الغیب" میں بعد ذکر فنا کے جو احوالِ اولیاء و ابدال کی انتہا ہے۔ فرمایا ہے۔ کہ

ثُمَّ یُرَدُّ اِلَیْہِ التَّکْوِیْنُ
فَیُکَوِّنُ مَا یَحْتَاجُ اِلَیْہِ
بِاِذْنِ اللّٰہِ۔

پھر اُس پر صفتِ تکوین وارد ہوتی ہے پس پیدا کرتا ہے جس چیز کو چاہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بعض کتابوں (صحفِ انبیاءؑ) میں فرمایا ہے :-

یَا ابْنَ اٰدَمَ اَنَا اللّٰہُ الَّذِیْ
اے آدم کی اولاد میں خدا ہوں۔ میرے سوا کوئی

لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا اَقُوْلُ لِشَیْءٍ
کُنْ فَیَکُوْنُ
معبود نہیں۔ جب میں کسی چیز کو کہتا ہوں کہ "ہو جا" تو وہ ہو جاتی ہے۔

(واَنْتَ) اِنِّیْ اَجْعَلُکَ اَنْ تَقُوْلَ
لِشَیْءٍ کُنْ فَیَکُوْنُ۔
(یعنی) میں تجھ کو ایسا بنا دینا چاہتا ہوں کہ جب تو کسی چیز کیواسطے "ہو جا" کہے۔ تو وہ ہو جائے۔

اکابر اولیاء اللہ کے قرار دادہ امور میں سے یہ بات بھی ہے کہ بعض عارفوں کو اس امر کی قدرت دیگئی ہے کہ وہ جو چاہتے پیدا کر دیتے ہیں۔ مگر عارف کے پیدا کئے ہوئے اور خدا کے پیدا کئے ہوئے میں یہ فرق ہے۔ کہ عارف کا پیدا کیا ہوا عالمِ شہادت میں اسوقت تک باقی رہتا ہے جب تک کہ عارف کی توجہ عالمِ مثال یا عالمِ شہادت میں اُس کے ساتھ باقی رہتی ہے اور جب توجہ جدا ہوتی ہے۔ تو وہ موجود فوراً معدوم ہو جاتا ہے۔ [1]

حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ سے زندہ کرنے اور مارنے اور پیدا کرنے کی خوارق اور کرامتیں بہت سی واقع ہوئی تھیں۔ (حضرات القدس حصہ اوّل)

[1] - اس مسئلہ پر امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ نے بھی بحث کی ہے چنانچہ وہ مکتوب ۱۳۴ جلد دوم میں وجودِ حسی و وھمی کی بحث میں فرماتے ہیں :-

"اور یہ جو میں نے کہا ہے کہ حق تعالیٰ نے اسکو مرتبۂ حس و وھم میں پیدا کیا۔ یعنی اشیا کو اس مرتبۂ حس و وھم میں ایجاد کیا ہے۔ کہ اس مرتبہ کیلئے حس و وھم کے سوا کوئی حصول و ثبوت نہیں۔ جس طرح شعبدہ باز غیر واقع چیزوں کو واقع ظاہر کر کے اور ایک چیز کی دس چیزیں دکھلائے۔ اِن دس چیزوں کا حصول و ثبوت وھم و حس کے سوا نہیں۔ اگر حق تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ سے ثبات و استقرار بخشیں۔ اور سرعتِ زوال اور خلل سے محفوظ ہو جائیں۔ تو نفسِ امری ہو جائیں گے۔ . . . . . . پس وہ دس چیزیں نفسِ امر میں ہیں بھی۔ اور نہیں بھی۔ لیکن دو اعتبار سے۔ اگر ایک مرتبہ حس و وھم سے قطع نظر ہو جائے تو نہیں ہیں۔ اور حس و وھم کے لحاظ سے ہیں۔ قصہ مشہور ہے۔ کہ ھندوستان کے کسی شہر میں شعبدہ بازوں نے بادشاہ کے حضور میں شعبدہ بازی شروع کی۔ اور طلسم و شعبدہ سے آموں کے درختوں کا باغ ظاہر کیا۔ حتیٰ کہ وہ درخت اسی اثناء میں بڑے بڑے درخت ہو گئے اور ان کو پھل لگ گیا۔ اور اھلِ مجلس نے ان پھلوں کو کھایا بھی۔ اُسوقت بادشاہ نے حکم دیا کہ شعبدہ بازوں کو قتل کر دیں۔ کیونکہ اس نے سنا ہوا تھا۔ کہ شعبدہ کے ظاہر ہونے کے بعد اگر شعبدہ بازوں کو ختم کر دیں۔ تو وہ شعبدہ حق تعالیٰ کی قدرت سے اپنے حال پر رہتا ہے۔ الغرض جب ان شعبدہ بازوں کو قتل کر دیا گیا تو وہ آم کے درخت حق تعالیٰ کی قدرت سے اسی طرح موجود رہے۔ . . . . میں نے سُنا ہے کہ وہ درخت ابتک بھی موجود ہیں اور لوگ ان کے میووں کو کھاتے ہیں۔ وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ (اللہ تعالیٰ سے یہ بات مشکل نہیں)"
(مکتوباتِ مجدد الف ثانیؒ)

قرآنِ کریم میں شداد بادشاہ کے بنائے ہوئے "باغِ ارم" کا قصہ بھی اسی قبیل سے ہے۔

اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ الَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُھَا فِی الْبِلَادِ
(باغ) ارم بڑے بڑے ستونوں والا کہ اس کی مثل روئے زمین پر کہیں نہیں بنایا گیا۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۴) سید الاولیاء محی الدین ابو العباس حضرت سید احمد کبیر رفاعی قدس سرہ العزیز اپنی تصنیف "برہان المؤید" میں اولیاء اللہ کی عظمت اور ان کی صحبت کی ترغیب میں فرماتے ہیں:

اَللّٰہُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْکِتَابَ وَہُوَ یَتَوَلَّی الصّٰلِحِیْنَ ۔	اللہ وہ ہے جس نے یہ کتاب (قرآن کریم) نازل کی اور وہی اپنے نیک بندوں (اولیاء اللہ) کی مدد کرتا ہے

اور اللہ تعالیٰ نیک بندوں کے کاموں کا بھی سرپرست ہے اور ان کے منادی (مبلغ و نائب) کے کاموں کا بھی۔ اور ان کے مرنے کے بعد بھی۔ خواہ اُن کو علم ہو نہ ہو۔

صحبتِ اولیاء کی تاکید میں فرماتے ہیں۔ کہ "اولیاء اللہ (کے دامن) سے چمٹ جاؤ۔"

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ہُمْ یَحْزَنُوْنَ	سنو! اولیاء اللہ پر نہ کوئی خطرہ ہے۔ اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

اولیاء اللہ وہ ہیں جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔ ولی وہ ہے جو اللہ سے محبت رکھتا ہے۔ اس پر ایمان رکھتا اور تقویٰ کا کاربند ہو۔ پس جس کو اللہ سے محبت ہو۔ اُس سے دشمنی نہ کرو۔ بعض آسمانی کتابوں میں ہے:۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

مَنْ اٰذٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ ۔	جو میرے کسی ولی کو ایذا دے گا۔ میری طرف سے اُس کو اعلانِ جنگ ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کیلئے (جب وہ ذلیل کئے جائیں۔ یا اُن کو ایذا دی جائے) بہت غیرت کرتے ہیں۔ ان کی خاطر ایذا دینے والوں سے انتقام لیتے ہیں اور جو ان سے محبت کرے اللہ تعالیٰ اپنے اولیائے کرام کیلئے اُس کی حفاظت کرتے ہیں۔ اور جو ان کی (اولیاء کی) پناہ میں آجاتا ہے۔ اُس کی مدد فرماتے ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ اس آیت کے مخاطب اولیاء ہی ہیں:۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴) لکھا ہے کہ جب باغ ارم پوری شان و شوکت کیساتھ مکمل ہو گیا۔ تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے شداد کی روح قبض کر لی گئی۔ باغِ ارم اللہ کی نشانیوں میں سے آج تک موجود ہے مگر لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ بعض مقربین نے اسے دیکھا بھی ہے۔ (مولف)

عربی کی مشہور کتاب "ابریز" میں اسی قسم کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک عارف ایک مقام سے گذرا۔ اس کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ یہاں ایک شہر ہو۔ جس میں اللہ کی عبادت ہوتی ہو۔ اس پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے انسانی صورت میں فرشتے اُترے۔ شہر کو حکم ملا تو موجود ہو گیا۔ جب عارف کا پھر اس مقام سے گذر ہوا۔ تو اُس نے شہر والوں کو اللہ کی عبادت میں مشغول پایا۔ عارف نے اللہ کی تعریف کی۔ اس عارف کی زندگی میں وہ شہر قائم رہا۔ مگر جب وہ عارف فوت ہو گیا۔ تو شہر بھی معدوم ہو گیا۔ (مولف)

نَحْنُ اَوْلِیَآؤُکُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ ۔	(فرشتے ان سے کہیں گے) ہم تمہارے رفیق تھے دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی رفیق ہیں۔

اولیاء کی محبت کو اپنے اوپر لازم کر لو۔ ان کا قرب حاصل کرو۔ ان کی وجہ سے تم کو برکت حاصل ہوگی ان کے ساتھ ہو جاؤ۔ یہی اللہ کی جماعت ہے۔ اور سن لو! اللہ ہی کی جماعت کامیاب ہے۔

<u>اولیاء اللہ کے درجات</u>:۔ پس اللہ نے انکو بلند درجہ اور قرب کا مرتبہ عطا فرمایا ہے۔ اور انہیں شک کرنے کی کچھ وجہ نہیں۔ کیونکہ قریب کا قریب، قریب ہوتا ہے۔ محبوب کے دوستوں کا دوست بھی محبوب ہوا کرتا ہے۔ پس یہ لوگ اپنے مشائخ کے محبوب اور مقرب ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ کے محبوب و مقرب ہیں۔ تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کے محبوب و مقرب ہیں۔ ان کا محبوب ان کے چاہنے والوں کا بھی محبوب ہے۔ اللہ کا بھی محبوب ہے۔ اس کی محبت کی برکت اس کو محبوبیت کے درجہ تک پہنچا دیتی ہے۔ پھر جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ ہو کر رہتا ہے۔ (یعنی محبوبیت کے درجہ تک پہنچنے کے بعد اللہ تعالیٰ جو نعمت چاہتے ہیں عطا فرماتے ہیں) (برہان المؤید)

---

(۵) غوث زماں حضرت سید عبد العزیز دباغ مغربی قدس سرہ العزیز کے حالات میں حضرت علامہ احمد بن مبارک سلجماسیؒ نے معارف و علوم لدنیہ کی مشہور عربی کتاب "ابریز" کے دیباچہ میں صوفیائے کرام کے بارہ میں عز الدین بن عبد السلامؒ (جو بڑے عالم گذرے ہیں اور سلطان العلماء کے خطاب سے مشہور تھے۔ یہ پہلے صوفیاء کے مخالف تھے۔ مگر بعد میں جب انہوں نے حضرت ابو الحسن شاذلیؒ کی بیعت کر لی تو ان کی فضیلت اور کمال کے معترف ہو گئے) لکھتے ہیں:

"فقراء کے طریقہ کے صحیح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ان سے کثرت کرامات ظاہر ہوتی ہے۔ بخلاف اس کے کسی فقیہ سے کوئی کرامت ظاہر ہوتی نہیں دیکھی۔ البتہ اگر وہ بھی فقراء کے طریقہ پر چلے تو ظاہر ہو سکتی ہے۔ جو لوگ فقراء کی کرامت کے منکر ہیں۔ وہ ان کی برکت سے بھی محروم رہتے ہیں۔ ہم نے ان لوگوں کو دیکھا جو ان کا طریقہ جانے بغیر ان پر اعتراض کرتے رہتے ہیں۔ کہ ان کے چہرے بے رونق ہوتے ہیں۔ اور ان پر غضب خداوندی اور راندہ ہونے کی علامت پائی جاتی ہے۔ جو اہل بصیرت سے پوشیدہ نہیں ہوتی۔ اور ایسے لوگوں کے علم سے کسی کو کچھ بھی نفع نہیں پہنچتا۔ بخلاف اُن لوگوں کے جو فقراء کے معتقد ہوتے ہیں۔ (کہ ان کے علم سے عوام کو فائدہ پہنچتا ہے)

اسی کتاب کے باب "روح" میں قوتِ سریان کے بارہ میں بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:-

"چھٹا جزو قوتِ سریان ہے۔ اور یہ اس طرح کہ حق تعالیٰ نے روح کو طاقت دی ہے کہ وہ اجرام کو پھاڑ کر ان میں داخل ہو جائے۔ چنانچہ یہ پہاڑوں پتھروں چٹانوں اور دیواروں کو پھاڑ کر ان میں گھس جاتی ہے۔ اور ان کے اندر جہاں چاہتی ہے چلتی پھرتی ہے۔ اور روح کسی ذات میں سکونت پذیر ہو کر اس سے محبت کرنے لگے اور اسے اپنا ساتھی بنا لے۔ تو روح اس قوت (قوتِ سریان) سے ذات کی مدد کرتی ہے۔ اور ذات وہی کام کرنے لگ جاتی ہے جو روح کرتی ہے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کا قصہ اسی قبیل سے ہے۔ کہ آپ کی قوم نے آپؑ کو گرفتار کرنا چاہا۔ تو آپ ان سے بھاگ کر درخت کے اندر گھس گئے۔ کیونکہ آپؑ کی روح نے بدن کو باہمی محبت کے سبب اجرام میں سرایت کرنے کی طاقت دی تھی۔ اس واسطے آپ کا جسم جرمِ درخت کو پھاڑ کر اس کے اندر گھس گیا۔

اور اسی قبیل سے ہیں اولیاء اللہ کے واقعات کہ وہ کسی جگہ بغیر دروازہ کھولے داخل ہو گئے۔ اور مکان کے اندر پائے گئے۔

اور اسی قبیل سے ہیں اولیاء اللہ کے واقعات کہ ایک قدم اٹھایا اور ایک پاؤں مشرق میں رکھا [1] دوسرا مغرب میں۔ کیونکہ جسم تو ایک لحظ میں اس ہوا کو پھاڑ کر نکل جانے کی طاقت نہیں رکھتا جو مشرق و مغرب کے درمیان میں ہے۔ اسلئے کہ ہوا اس کے جوڑوں کو توڑ ڈالے گی۔ اور اس کے اعضاء کو ریزہ ریزہ کر دے گی۔ لیکن روح نے قوتِ سریان سے جسم کی مدد کر کے اسے اس فعل کرنے کے قابل بنا دیا۔

اس خزینۂ معارف "ابریز" میں لاتعداد اولیائے کرام کے محیر العقول حالات اور خوارق درج ہیں جن کا بیان کرنا انتہائی طوالت کا باعث ہوگا۔ اسلئے اسی پر کفایت کرتا ہوں۔

(خزینۂ معارف ترجمہ ابریز)

اولیائے کرام کے فضائل اور احوال ایک ایسا موضوع ہے کہ دفتر کے دفتر ختم ہو جائیں اور اس کا عشرِ عشیر بھی بیان نہ ہو سکے۔ اسلئے طوالت کے خوف سے اس بحث کو مختصر کرتا ہوں۔ (مؤلف)

[1] اولیائے کرام کے تذکروں میں منقول ہے کہ اغواث و اقطاب کو خدائے تعالیٰ نے قدرت عطا کی ہے کہ وہ ایک ہی ساعت میں کئی جگہوں میں موجود ہوتے ہیں۔ اور ابدال کئی ہزار میل کا فاصلہ چند ساعتوں میں طے کر لیتے ہیں بعونہٖ تعالیٰ (مؤلف)

حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے "مثنوی شریف" میں کہ "ہست قرآن در زبانِ پہلوی" کا درجہ رکھتی ہے بیشتر مقاماتِ اولیائے کرام کی شان۔ ان کے مدارج و فضائل اور ان کی صحبت کے فوائد بیان کئے ہیں۔ مثنوی شریف سے چند اشعار پیش کئے جاتے ہیں۔

مولانا فرماتے ہیں:-

(۱) ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا — او نشیند در حضورِ اولیاء

(جو لوگ قربِ خداوندی کے خواہاں ہوں۔ وہ اولیاء اللہ کی صحبت اختیار کریں)

(۲) یک زمانہ صحبتِ با اولیاء — بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

(اولیاء اللہ کی صحبت میں ایک ساعت کی حاضری سو سال کی بے ریا عبادت سے بہتر ہے)

(۳) اولیاء را ہست قدرت از الٰہ — تیر جستہ باز گردانند ز راہ

(اولیاء اللہ کو خدائے تعالیٰ نے یہ قدرت دی ہے کہ وہ کمان سے نکلے ہوئے تیر کو راستہ سے فی الفور واپس لا سکتے ہیں۔ (یعنی تقدیرِ مبرم میں انہیں تصرف کی قدرت دی گئی ہے)

(۴) گفتۂ او گفتۂ اللہ بود — گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

(مردانِ خدا کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ اللہ تعالیٰ کی مرضی سے قبولیت پاتے ہیں)

(۵) عاشقاں را روزِ محشر با قیامت کار نیست — عاشقاں را جز تماشائے جمالِ یار نیست

(عاشقانِ خدا (اولیاء اللہ) قیامت میں صرف دیدارِ خداوندی کے طالب ہوں گے)

(۶) رستن از پردہ کہ شد بر جانِ تست — بعد ز پیر نہ از امکانِ تست

(موت کے بعد بھی پیر کی مدد کے بغیر رستگاری نہیں جیسا کہ زندگی میں مرشد کی مدد کے بغیر راہِ طریقت طے نہیں ہو سکتی)

(اوپر کے دونوں اشعار میں شبہ ہے کہ یہ مثنوی مولانا روم سے ہوں۔ مؤلف)

(۷) پیر کہ باشد شہِ کون و مکاں — خواجۂ او دو سندابۂ کن فکاں

(مرشد جو کہ طالب کیلئے) کون و مکاں میں تصرف رکھتا ہے۔ اس کا ہم نشین بھی صفتِ تکوین کی معرفت سے مستفیض ہوتا ہے)

(۸) قال را بگذار مردِ حال شو — پیش مردے کاملے پامال شو

(علمِ قال سے گزر کر صاحبِ حال بن۔ یہ مرتبہ مردِ کامل کی خدمت میں اپنے کو نیست اور پامال کرنے سے ملتا ہے)

(۹) چونکہ ذاتِ پیر را کردی قبول　　ہم خدا در ذاتش آمد ہم رسولؐ

(جب مُرید اپنے پیر کی متابعت میں قبولیت پا لیتا ہے۔ تو اُسے خدا اور رسولؐ کے قرب تک رسائی حاصل ہو جاتی ہے)

(۱۰) حُبِّ درویشاں کلیدِ جنّت است　　دُشمنِ ایشاں سزائے لعنت است

(اللہ والوں کی محبّت سعادتِ دارین ہے جبکہ اللہ کے ولی سے دُشمنی کرنیوالا سزاوارِ لعنت ہے یعنی خُسران دُنیا و آخرت کا سزاوار ہے)

(۱۱) ھر کہ عاشق شُد جمالِ ذاتِ اُو　　ھست سیّدِ جُملہ موجوداتِ اُو

(اولیاء اللہ کی شان بیان کیگئی ہے کہ جب وہ اپنے محبوبِ حقیقی کی محبت اور اُس کے جمال کے نظارہ میں مست ہو جاتا ہے۔ تو مخلوق و موجودات میں اُسے سرداری اور مختاری کا مقام حاصل ہوتا ہے)

جو لوگ دُنیوی آلودگیوں میں ملوّث۔ طمع زر اور خواہشات نفسانی میں جکڑے ہوئے جھوٹی شان و شوکت اور دُنیوی آسائشوں میں پڑ کر اُخروی سعادتوں سے غافل ہیں۔ اُنہیں سرزنش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

(۱۲) مالِ دُنیا خاکساراں را دھند　　عاقبت پرہیز گاراں را دھند

(۱۳) گر عمارت را بری بر آسماں　　عاقبت زیرِ زمیں گردی نہاں

(فائدہ)

یہ۔ قُطبِ عالم حضرت علّامہ مولانا نواب الدّین صاحب چشتی صابری قدس سرّہ العزیز کی تصنیف "پیغامِ حق" سے مقتبس کردہ اولیاء (جنہوں نے اپنے باطن کو فیضِ ربّانی کی روشنی سے منوّر کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی صفات کو اپنے باطن اور رُوح میں سمویا ہے) کے فیوض و برکات اور ان سے مستفیض ہونے کا متعدد جگہ ذکر کیا ہے۔ اور معارف و حقائق بیان کرتے ہوئے اس پر ایک طویل عالمانہ اور متکلمانہ بحث کی ہے۔ جس کی تفصیل آپ اس کتاب کے حصّہ دوم میں حضرت مولانا علیہ الرحمۃ کے حالات میں آپ کے حکیمانہ کلام میں مطالعہ کریں گے۔ نیز آپ نے ایمان بالغیب۔ حشر و نشر۔ قیامت اور بعثت بعد از ممات۔ اور ضرورتِ مُرشد اور آدابِ پیر کے بارہ میں بھی کلام کیا ہے۔ یہاں صرف چند جگہوں سے مختصر خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

مردانِ کامل آفتابِ ربّانی سے روشنی حاصل کرتے ہیں

ایک مقام پر فیضِ ربّانی کو سُورج کی روشنی سے مثال دیکر مولانا فرماتے ہیں۔

نیکی سے خدا کا قُرب اور بدی سے خدا کی دُوری اور بُعد حاصل ہوتا ہے۔ اور خدا کا قرب بقربِ مکانی نہیں۔ کیونکہ خدا مکان سے آزاد ہے۔ بلکہ خدا کا قُرب قربِ رُوحانی ہے۔ اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے آفتاب گو کتنا ہی دُور ہے۔ پر ہر ایک شے کو اس سُورج سے حسبِ استعداد قُرب اور بُعد ہے۔ کہ ہر شے کو سُورج سے فائدہ اور فیض پہنچ رہا ہے مثلاً جمادات نباتات حیوانات ہر ایک کو سُورج کا فیض پہنچ رہا ہے۔ کوئی اِس کے فیض سے محروم نہیں۔ مگر صاف آئینہ اور آتشی شیشہ تمام سے نرالے ہیں۔ اور چیزیں تو سُورج سے خود ہی روشن ہوتی ہیں۔ پر صاف شیشہ خُود بھی روشن ہوتا ہے اور اوروں کو بھی روشنی دیتا ہے اور آتشی شیشہ روشنی کے علاوہ سُورج سے حرارت کا فیض بھی حاصل کرتا ہے۔

ایسے ہی تمام مخلوقات کو خُدا کا فیضِ وجُود اور دیگر فیوض بھی حاصل ہیں۔ مگر مقرّب انسانوں کو علاوہ فیضِ وجُود اور دیگر فیوض کے ایک روشنی اور گرمی کا فیض بھی حاصل ہے۔ جیسے آئینہ جتنا بڑا اور صاف ہوگا اُتنا ہی فیض آفتاب سے حاصل کریگا۔ ایسے ہی جتنا کوئی انسان صاف باطن ہوگا اور گناہ کے زنگ سے مصفّا ہوگا۔ اُتنا ہی فیض اُسکو خُدا تعالیٰ سے حاصل ہوگا۔ اُتنا ہی قُرب اُس کو حاصل ہوگا۔ اور جیسے آئینہ سُورج سے فیض حاصل کر کے اپنے سامنے کے اندھیرے کو دُور کر دیتا ہے۔ ایسے ہی مردِ ربّانی جو اپنے باطن کی صفائی کی وجہ سے فیضِ ربّانی سے منوّر ہے۔ اپنے سامنے آنیوالے کے باطنوں پر روشنی کر دے گا۔ اور جیسے آئینہ جتنا سُورج کے سامنے ہو اُتنا ہی روشن ہوتا ہے۔ ایسے ہی اس کامل مرد اور مقرّبِ الٰہی کے سامنے جتنا کوئی ہوگا۔ اُتنی ہی روشنی اُس سے حاصل کرے گا۔

اور اگر کوئی چیز مصفّا آئینے اور سُورج کے مقابل منوّر شدہ آئینہ کے پیچھے لگی رہے۔ تو منوّر نہ ہوگی۔ کیونکہ طریقہ استفادہ تو یہ تھا۔ کہ وہ اُس منوّر آئینہ کے سامنے آتی اور اُس کا عکس اس پر پڑتا۔ لیکن اُس نے وہ طریقہ اختیار نہ کیا۔ لہٰذا روشنی سے محروم رہ گئی۔ ایسے ہی جو لوگ رُوحانی اور صاف باطن لوگوں کے خواہ قریبی رشتہ دار ہوں یا اُن کے باپ یا بیٹے یا بیویاں ہوں۔ پر طریقہ استفادہ اختیار نہ کریں۔ وہ فیض سے محروم رہ جاتے ہیں۔

اور جیسے آفتاب تو ہر روز اپنا نور اور روشنی ہر ایک شے کو پہنچا رہا ہے۔ اسکے فیض کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا ہے۔ پر فائدہ وہی اٹھاتا ہے جو سامنے آتا ہے۔ اور گرمی اور روشنی اسی کو ملتی ہے جو طلب کرتا ہے۔ اور سامنے آتا ہے۔ ایسے ہی فیض ربانی کا حال ہے۔ اور جیسے ہر شے پر آفتاب کی روشنی اور حرارت پڑتی ہے۔ مگر جو روشنی مصفا آئینے اور آتشی شیشے کے ذریعے سے پڑتی ہے۔ اس کا فیض اور طرح کا ہوتا ہے۔ دیکھو سیاہ رنگ کے بال سر پر ہیں اور ننگے سر ہر روز ایک آدمی سورج کی دھوپ میں پھرتا ہے۔ پر اگر آتشی شیشے سے ہوکر اور اس کے وسیلے سے سورج کی روشنی سیاہ بالوں پر پڑے۔ تو آتشی شیشہ کے وسیلہ سے بالوں کو آگ لگ جائے۔ ایسے ہی وہ لوگ جن کے باطن میں روشنی اور حرارت موجود ہے ان کا یہی حال ہے۔ اگر وہ نظر کرم کریں تو ایک نگاہ میں طالب صادق کا بیڑا پار کر دیں۔ اور تمام عمر کے گناہ جلا کر خاک کر دیں۔

میں یہ بیان کر رہا تھا کہ روحانی اور صاف باطن لوگوں سے فیض حاصل کرنا ایک خاص طریق پر مبنی ہے اور ان کا فیض حسب استعداد مستفیض کو پہنچتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص چولھے میں آگ جلائے اور اس پر توا رکھ دے۔ آگ کی روشنی سے توا گرم ہو جائے۔ پھر توے پر روٹی ڈال دے۔ وہ پک جائے اور بعد روٹی پر گھی رکھ کر روٹی تر کر دی جائے۔ تو اول آگ کا فیض توے نے حاصل کیا۔ پھر روٹی نے اور بعد گھی نے۔ اگر توے کی جگہ روٹی آگ پر رکھ دی جاتی تو جل کر راکھ ہو جاتی۔ اور روٹی کی جگہ گھی رکھ دیا جاتا تو وہ جل کر دھواں ہو جاتا۔ تو ظاہر ہے کہ توے میں استعداد ہے کہ وہ بغیر وسیلے کے آگ سے گرمی لے سکتا ہے۔ مگر روٹی توے کے وسیلے کی محتاج ہے اور پھر گھی توے اور روٹی دو وسیلوں کا محتاج ہے۔ ایسا ہی ہر ایک شخص حسب طاقت اور ظرفیت روحانیوں اور کاملوں سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ جتنا کمال مقرب انسانوں میں ہو۔ اتنی استعداد طالب میں چاہئے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جتنا انسان مقرب بارگاہ ہوتا ہے۔ اتنا ہی عوام سے مخفی ہوتا ہے۔ غرض تقرب سے قرب مکانی مراد نہیں۔ بلکہ قرب روحانی مراد ہے۔ دیکھو جس شخص سے کوئی تعلق نہ ہو وہ خواہ قریب ہی ہو۔ مگر حقیقت میں بعید ہے۔ اور جس شخص سے کوئی تعلق ہو وہ خواہ کتنا ہی دور ہو وہ قریب ہے۔ اور قرب سے قرب روحانی مراد ہے نہ کہ قرب جسمانی۔ کیونکہ جسم اور مکان سے تو خدا پاک ہے۔ اور خدا کا مقرب وہی ہوگا جو خدا کے احکام کا پابند ہوگا۔ اور پابندی احکام میں ضروری ہے کہ وہ خدا کے اخلاق کا ایک مظہر ہو۔

حضرت مولانا اسمائے الٰہیہ کی تفسیر میں اسم "الباعث" کی شرح میں درجات ولایت و نبوت بعثت بعد از موت۔ اخروی زندگی اور ایمان بالغیب کے بیان میں فرماتے ہیں:۔

"وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا۔ یعنی خدا قرآن میں فرماتا ہے کہ اے پیارے محمد! ان تمام فرما دیجئے کہ میرا غرا یوں فرماتا ہے۔ کہ اے لوگو! خدا نے تم کو کئی طرح و طور میں بنایا ہے۔ پھر کسی شخص میں ولایت کی خاصیت کا ظاہر ہونا بھی ایک جدا پیدائش ہے۔ اس کے بعد نبوت کی خاصیت کا ظاہر ہونا ایک اور ہی جداگانہ پیدائش ہے۔ اور ایک طرح کا بعث ہے۔ اللہ تعالیٰ باعث الرسل ہے۔ جیسے کہ باعث یوم النشور بھی ہے اور جس طرح شیر خوار بچہ کو تمیز حاصل کرنے سے پیشتر اسکی حقیقت کا سمجھنا مشکل ہے۔ اسطرح تمیز والے کو عقل حاصل کرنے سے پہلے اسکی حقیقت اور اسکے عجائبات کا جاننا دشوار ہے۔ اسی طرح عقل کی منزل میں ولایت اور نبوت کا سمجھنا مشکل ہے۔ کیونکہ ولایت پیدائش عقل کے اوپر ایک خاص طور کا کمال ہے۔

چونکہ لوگوں کا یہ طبعی خاصہ ہے کہ جو مرتبہ ان کو خود حاصل نہ ہو۔ وہ اسے تسلیم نہیں کرتے حتیٰ کہ ہر شخص کسی امر کو ماننے یا سچ سمجھنے کیلئے تیار نہیں۔ تاوقتیکہ اسکو دیکھ نہ لے۔ اور خود حاصل نہ کر لے کبھی بھی اور غائب باتوں پر یقین نہیں کرتا۔ اسلئے طبعاً لوگ ولایت اور نبوت اور ان کے عجائبات بلکہ انکی اصلیت سے منکر ہوتے ہیں۔ اور دوسری پیدائش اور آخرت کی زندگی کو نہیں مانتے۔ کیونکہ ابتک انہوں نے ان امور کو کبھی اور برتا نہیں ہے۔ اگر صرف تمیز کے درجہ تک پہنچنے والے کے سامنے عالم عقل اور اس کے عجائبات کا نقشہ پیش کریں تو وہ اسکو ماننے کیلئے کبھی تیار نہ ہوگا۔ پس جو شخص غیر حاصل شے پر ایمان لائے اس نے گویا غیب پر ایمان لایا۔ اور یہی تمام سعادتوں کی کنجی ہے۔

تو آخرت کی پیدائش تو بہت ہی بعید ہے۔ یہ تمام پیدائشیں ایک ہی ذات کے مختلف اطوار اور اس کے لئے مراتب کمال طے کرنے کے زینے ہیں یہانتکہ وہ اس بارگاہ احدیت کا قرب حاصل کرتا ہے۔ جہاں تمام کمالات کی انتہا ہے اور جو شخص نشاۃ یعنی پیدائش اور بعثت کے معنی نہیں جانتا۔ وہ اسم "الباعث" کے معنی نہیں سمجھ سکتا۔

"بعث" کی حقیقت کا مطلب یہ ہے۔ مردوں کو دوسری پیدائش میں پیدا کر کے زندہ کرنا۔ اور جہل سب سے بڑی موت ہے اور علم سب سے پاکیزہ زندگی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ خدا نے قرآن کریم میں اہل علم کو زندہ اور جاہلوں کو مردہ فرمایا ہے۔ جو شخص کسی دوسرے انسان کو جہل سے علم تک ترقی دیتا ہے گویا وہ اس کو موت سے نئی پیدائش میں لا کر پاکیزہ زندگی بخشتا ہے۔ اور یہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے وارث علماء (اولیاء) کا کام ہے۔ پس اگر بندہ لوگوں کو علم پڑھائے اور سیدھی راہ دکھائے تو گویا ان کو زندہ کرتا ہے اس کام کو جیسا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کر کے دکھایا ایسا کوئی نہیں دکھا سکتا۔ اسی لئے آپ خاتم النبیین ہیں آپ نے گمراہوں کی ایسا رہنمائی کیا اور وہ علوم کے دروازے کھولدیئے کہ تمام جاہل اور نادان لوگوں کو ہدایت اور زندگی روحانی حاصل ہو گئی"

ضرورتِ پیر و مرشد اور آدابِ پیر کے ضمن میں مولانا فرماتے ہیں :-

" اور نیز خدا کی محبت خاص کیلئے پیر و مرشد کی ضرورت ہے - جو خدا کا راستہ تبلائے - کیونکہ سوائے پیر و مرشد کے معاملہ مشکل ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا تھا کہ تو نے میرے لئے بھی کسی سے دوستی کی ہے - سایۂ عرش میں سات آدمی قیامت کو ہوں گے اُن میں ایک وہ شخص ہو گا جس نے خاص خدا کی محبت کیلئے کسی سے دنیا میں حلو بنایا ہوا تھا۔ قیامت کو خدا کی جناب سے یہ ارشاد ہو گا کہ صرف میرے لئے محبت کرنیوالے کہاں ہیں ؟ مجھے اپنے جلال کی قسم آج میں اُن کو اپنے سایہ میں رکھوں گا -

یہاں اتنا بتلانا ضروری ہے کہ پیر و مرشد انسان کیلئے ضروری ہے - اور انسان کو چاہیئے کہ تن من دھن اپنے مرشد پر قربان کر چھوڑے - اور پیر و مرشد کے کسی فعل پر اعتراض نہ کرے - بلکہ جو بات سمجھ سے بالا ہو اسکو حسنِ ظن سے قبول کرے اور دل میں ہرگز چون و چرا نہ کرے - اور اس کے خلاف کوئی کام نہ کرے - نہ ہی اپنی رائے اُس کے سامنے پیش کرے - قیامت میں لوگوں کے مدارج بہت بڑے ہوں گے جنہوں نے محض خدا کیلئے محبت کی - اور قیامت میں سب تعلقات ٹوٹ جائیں گے مگر اُن لوگوں کے جنہوں نے خدا کیلئے دنیا میں تعلقات بنائے تھے -

اور نیز پیر و مرشد کی برکت سے دنیوی اور اخروی بلائیں ٹلتی ہیں اور خوشتیں دور ہو جاتی ہیں اور جو جو گناہ اور برائیاں وہ کرتا ہے - بعض دُعا سے اور بعض اُسکی خدمت کرنے سے اور اُس کے کلماتِ طیبات کی وجہ سے اور بعض نیک کاموں کی وجہ سے اُن سے دُور ہو جاتی ہیں اور وہ مُرید کے لئے ایک قلعہ اور حصار ہے -

پانچوں وقت کی نمازوں میں اس امر پر زور دیا جاتا ہے - کہ نیک بندوں (اولیاء اللہ) کی معیت اور ان کی خدمات کی زیارت اور ان کا ذکر طلب کرو - غرض خدا کے نیک بندوں کی غلامی ہر دو جہان کی بہتری کا اعظم سبب ہے - اور اس سے محرومی حرمان و خسرانِ دو جہاں ہے - الحاصل ہر ایک انسان کو پیر و مرشد کی ضرورت ہے - پھر اسکی تمام عمر پیر و مرشد کی غلامی میں گذرنی چاہیئے - کوئی ارادہ دلی اور کوئی خیال اور کوئی بات زبانی اور کوئی کام وغیرہ پیر و مرشد کی رضا کے خلاف نہ کرے - ورنہ برباد و خراب ہو گا۔

اس کتاب کے حصہ دوم میں حضرت خواجہ مولانا نواب الدین صاحب چشتی صابری قدس سرہٗ کے حالات میں نیز آپ کی تصنیف "پیغام حق" میں طالبین اور متلاشیانِ حق کے استفادہ کیلئے بہترین مواد اور فوائد ہیں -

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی اور اپنے حبیب پاک ﷺ اور صدیقین اور شہداء اور صالحین کی محبت اور عقیدت کی توفیق اور اُن کے راستہ پر چلنے کی ہمت عطا فرمائے کہ یہی صراطِ مستقیم ہے - اور اہل اللہ سے بد اعتقادی اور بغض کی راہ سے بچائے کہ یہ راندۂ درگاہ شیطانِ لعین کا راستہ ہے - آمین !

(طفیل ناصری عفی عنہ)

دیباچہ

جالندھر شہر (مشرقی پنجاب بھارت) لاہور اور ملتان کی طرح ایک قدیمی شہر ہے - اور اِسے تاریخ میں ایک نمایاں حیثیت حاصل رہی ہے - یہ شہر ہر دور میں جہاں سلاطین و بادشاہوں اور مشاہیر کا رہگذر رہا ہے - وہاں بزرگانِ دین اور اربابِ کمال کا مسکن و مستقر بھی رہا ہے -

لاہور میں حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری قدس اللہ سرہ العزیز کے ورودِ مسعود سے قریباً ڈیڑھ دو صدی پیشتر جالندھر شہر کے اُفق پر ایک آفتابِ علم و عرفان طلوع ہوا جس کی ضیا پاشیوں سے یہ خطہ بقعۂ نور بن گیا۔ کفر کی تاریکیاں چھٹ گئیں اور باطل کی قوتیں سرنگوں ہو گئیں - یہ ذاتِ پاک حضرت خواجہ امام ناصر الدین چشتی ہی کی تھی - آپ نے اس کفرستان میں اللہ کا نام بلند کیا - اور آپ کی توجہ اور فیضان سے تعمیرِ سیرت و کردار کا آغاز ہوا - آپ کی خانقاہ اُن طالبانِ حق اور مردانِ خدا کے لئے ایک درسگاہ تھی - جن سے اِس خطہ میں علوم و معارف کی شمعیں روشن ہوئیں اور فیوض و برکات کے چشمے جاری ہوئے جو اس علاقہ کے تشنگان کو سیراب کرتے رہے۔ اس تذکرہ میں اِن ہی مردانِ حق میں سے چند برگزیدہ ہستیوں کے مختصر حالات یادگار کے طور پر درج کئے گئے ہیں -

حصہ اول :- میں حضرت خواجہ امام ناصر الدین صاحب چشتی قدس سرہٗ کے حالات تحریر کئے گئے ہیں - حضرت امام پاک تیسری صدی ہجری میں جالندھر تشریف لائے - آپ تبع تابعین میں سے بیان کئے جاتے ہیں - آپ اپنے وقت کے شیخ الشیوخ ہادی اور امام تھے -

حضرت مولانا نواب الدین صاحب نے اپنی تصنیف "پیغام حق" کے مقدمہ صفحہ ۵۵۷ پر ہادی اور امام کے مقامات کی شرح یوں بیان فرمائی ہے :-

" ایسے پاک لوگ جن میں انجذابِ عالم اور قلوبِ بنی آدم کی کشش کا زیادہ مادہ ہو اُن کو ہادی کہتے ہیں - اور جن کو ملت و مذہب کی اصلاح کے علوم اور ان کے زندہ کرنے کے طریقے سکھائے جاتے ہیں اُن کو امام کہتے ہیں " - (اِس سے حضرت امام ناصر الدین کے اعلیٰ و ارفع درجات کا پتہ چلتا ہے)

شومئی قسمت سے امتدادِ زمانہ کیساتھ حضرت امام صاحبؒ کے حالاتِ زندگی محفوظ نہ رہ سکے اور حملہ کوالف کی حامل کتب دستاویزات جو کتب خانہ ناصریہؒ درگاہ شریف میں موجود تھیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ سکھوں کے عہدِ حکومت میں لوٹ مار اور آتش زدگی کی نذر ہو گئیں۔ جو چند رسائل بچ سکے اور جو حالات ہر زمانہ کی بزرگ ہستیوں کی وساطت سے سینہ بسینہ چلے آ رہے تھے اِنہی کی یاد داشت پر یہ تذکرہ مرتب کیا گیا ہے۔ بدقسمتی سے یہ مسودات بھی تقسیم ہند و پاک کے دوران فسادات کیوجہ سے ساتھ نہ لائے جا سکے جو چند تحریریں اور رسائل ساتھ لائے جا سکے وہ بہت مختصر ہیں۔

یہ فقیرِ حقیر بچپن ہی سے (بوجہ قربت سجادگان درگاہ عالیہ) حضرت بابا عمر بخش صاحبؒ (سجادہ نشین درگاہ حضرت امام موصوفؒ) کے زیرِ کفالت رہا ہے۔ اپنے زمانہ طالبعلمی میں میں نے بابا جیؒ کی تحویل میں چند مخطوطات۔ دستاویزاتِ شاہی اور سلاطینِ سلف اور مغلیہ بادشاہوں کے سربمہر فرامین مطالعہ کئے۔ افسوس کہ یہ دستاویزات انخلاء کیوقت ساتھ نہ لائی جا سکیں

اِس کے علاوہ جناب ماسٹر رحیم بخش صاحبؒ (سجادہ نشین درگاہ امام موصوفؒ) کی صحبتِ خاص کا بھی اس عاجز کو شرف حاصل رہا ہے۔ ماسٹر رحیم بخش صاحب کا شمار اہلِ دل اور صاحب ذوق حضرات میں ہوتا تھا۔ آپ کا حلقہ اثر و ارادت بڑا وسیع تھا۔ راقم الحروف کو بچپن اور طالبعلمی کے زمانہ ہی سے آپکی ہم جلیسی کا شرف حاصل رہا ہے۔ آپ کی صحبت میں رہنے والے بیشمار اہل علم و فضل لوگوں کی یادیں وابستہ ہیں۔ اور بعد حضرت خلیفہ محمد صدیق صاحب ناصری مدظلہٗ کے سایۂ عاطفت و شفقت میں رہا۔ اور بوجہ نسبتِ دامادی بھی وہ آجتک مجھے بیحد عزیز رکھتے ہیں۔ اِن سے بھی مجھے کافی روایات کی تصدیق ہوئی ہے۔ جن کی بنا پر حضرت امام صاحبؒ کے حالات احاطۂ تحریر میں لانے کی توفیق ملی ہے۔

حضرت خواجہ اِمام ناصر الدین صاحب چشتی قدس سرہٗ کے حالات میں چند متاخرین اولیائے عظام اور اربابِ کمال کا تذکرہ بھی ہے جنہوں نے اِس درگاہ پاک سے اکتسابِ روحانی فرما کر اس علاقہ میں علم و بصیرت کے چشمے جاری فرمائے۔

حِصّہ دوم: میں حضرت علامہ مولانا نواب الدینؒ صاحب چشتی صابری قدس سرہٗ کے نادر احوال اور واقعاتِ عجیبہ و غریبہ جمع کئے گئے ہیں۔ آپ اس صدی کے شروع میں جالندھر تشریف لائے۔ اور درگاہِ پاک حضرت خواجہ اِمام ناصر الدین چشتیؒ سے بیشمار فیوض و برکات حاصل کر کے اس خطہ میں علوم و معارف کی شمعیں روشن کیں

انیسویں صدی عیسوی کے آخری پُرفتن زمانہ اور بیسویں صدی کے ہنگامہ پرور دور میں آپ نے جدّوجہد آزادی اور اعلائے اسلام کی تحریکوں میں جو مجاہدانہ خدمات انجام دیں وہ تاریخ برِّصغیر کا ایک زرّیں باب ہے۔ آپؒ ایک متبحرّ عالمِ دین۔ امام المتکلمین۔ فخر المناظرین صاحبِ وقت، ولیٔ کامل اور بلند پایہ درویش تھے۔

حضرت مولانا ممدوحؒ کے زیادہ تر حالاتِ زندگی اُن کے صاحبزادگان حضرت الحاج حافظ مظہر الدین چشتی صابری مدظلہٗ (راولپنڈی) اور قبلہ حضرت مولانا غلام ربانی صاحب چشتی صابری دامت فیوضہٗ (ملتان) کے علاوہ حضرت مولاناؒ کے پوتے جناب طارق محمود صاحب چشتی (ملتان) سے حاصل کئے گئے۔ خصوصاً جناب طارق محمود صاحب نے اس تذکرہ کی ترتیب و تدوین میں نمایاں حصّہ لیا ہے۔ آپ نے متعدد ثقہ اور مستند راویوں سے اپنے والد ماجد جناب صاحبزادہ مظفر حسن صاحب مدظلہٗ کی وساطت سے متعدد واقعات و حالات جمع کرنے میں بڑی کاوش کی ہے۔ اللہ تعالےٰ اس کے لئے اِنہیں جزائے خیر دے۔

افسوس کہ یہ تذکرہ کافی تاخیر سے لکھا جا رہا ہے۔ جبکہ حضرت مولاناؒ کے بیشتر بزرگ ساتھی اور ارادتمند اور قدیم اصحاب اس دُنیا سے پردہ کر چکے ہیں۔ اگر یہ تذکرہ آج سے تیس چالیس سال قبل لکھا جاتا۔ تو کئی دفتر بن جاتے۔

آخر میں حصّہ سوم میں عزیزم صوفی غنیمت علی ساحر صدیقی مرحوم، کا نعتیہ کلام پیش کیا گیا ہے۔

قارئینِ کرام سے استدعا ہے کہ اِس فقیر کی ہیچمدانی کے پیشِ نظر اِس رسالہ میں جو خامیاں نظر آئیں تو ازراہِ بندہ پروری درگذر فرمائیں۔ اور دُعا فرمائیں کہ میری اِس کاوش کو حق تعالیٰ کی جناب میں شرفِ قبولیت نصیب ہو۔ وَمَا توفیقی اِلاّ بِاللہ۔

(طفیلِ ناصری)

شومیِ قسمت سے امتدادِ زمانہ کیساتھ حضرت امام صاحب رح کے حالاتِ زندگی محفوظ نہ رہ سکے اور جملہ کوائف کی حامل کتب دستاویزات جو کتب خانہ ناصریہ رح درگاہ شریف میں موجود تھیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ سکھوں کے عہدِ حکومت میں لوٹ مار اور آتش زدگی کی نذر ہو گئیں۔ جو چند رسائل بچ سکے اور جو حالات ہر زمانہ کی بزرگ ہستیوں کی وساطت سے سینہ بسینہ چلے آ رہے تھے اِنہی کی یاد داشت پر یہ تذکرہ مرتب کیا گیا ہے۔ بد قسمتی سے یہ مسودات بھی تقسیم ہند و پاک کے دوران فسادات کی وجہ سے ساتھ نہ لائے جا سکے جو چند تحریریں اور رسائل ساتھ لائے جا سکے وہ بہت مختصر ہیں۔

یہ فقیرِ حقیر بچپن ہی سے (بوجہ قربت سجادگان درگاہ عالیہ) حضرت بابا عمر بخش صاحب رح (سجادہ نشین درگاہ حضرت امام موصوف رح) کے زیرِ کفالت رہا ہے۔ اپنے زمانہ طالبعلمی میں میں نے بابا جی رح کی حویلی میں چند مخطوطات۔ دستاویزاتِ شاہی اور سلاطینِ سلف اور مغلیہ بادشاہوں کے سر بمہر فرامین مطالعہ کئے۔ افسوس کہ یہ دستاویزات انخلاء کیوقت ساتھ نہ لائی جا سکیں

اِس کے علاوہ جناب ماسٹر رحیم بخش صاحب رح (سجادہ نشین درگاہ امام موصوف رح) کی صحبتِ خاص کا بھی اس عاجز کو شرف حاصل رہا ہے۔ ماسٹر رحیم بخش صاحب کا شمار اہلِ دِل اور صاحب ذوق حضرات میں ہوتا تھا۔ آپ کا حلقہ اثر و ارادت بڑا وسیع تھا۔ راقم الحروف کو بچپن اور طالبعلمی کے زمانہ ہی سے آپکی ہم جلیسی کا شرف حاصل رہا ہے۔ آپ کی صحبت میں رہنے والے بیشمار اہل علم و فضل لوگوں کی یادیں وابستہ ہیں۔ اور بعد حضرت خلیفہ محمد صدیق صاحب ناصری مدظلہ کے سایۂ عاطفت و شفقت میں رہا۔ اور بوجہ نسبتِ دامادی بھی وہ آجتک مجھے بحد عزیز رکھتے ہیں۔ اِن سے بھی مجھے کافی روایات کی تصدیق ہوئی ہے۔ جن کی بِنا پر حضرت امام صاحب رح کے حالات احاطۂ تحریر میں لانے کی توفیق ملی ہے۔

حضرت خواجہ اِمام ناصر الدین صاحب چشتی قدس سرہٗ کے حالات میں چند متاخرین اولیائے عظام اور اربابِ کمال کا تذکرہ بھی ہے جنہوں نے اِس درگاہ پاک سے اکتسابِ روحانی فرما کر اس علاقہ میں علم و بصیرت کے چشمے جاری فرمائے۔

حِصّہ دوم: میں حضرت علامہ مولانا نواب الدین صاحب چشتی صابری قدس سرہٗ کے نادر احوال اور واقعاتِ عجیبہ و غریبہ جمع کئے گئے ہیں۔ آپ اس صدی کے شروع میں جالندھر تشریف لائے۔ اور درگاہِ پاک حضرت خواجہ اِمام ناصر الدین چشتی رح سے بیشمار فیوض و برکات حاصل کر کے اُس خطّہ میں علوم و معارف کی شمعیں روشن کیں انیسویں صدی عیسوی کے آخری پرُفتن زمانہ اور بیسویں صدی کے ہنگامہ پرور دور میں آپ نے جد و جہد آزادی اور احیائے اِسلام کی تحریکوں میں جو مجاہدانہ خدمات انجام دیں وہ تاریخِ برِ صغیر کا ایک زریں باب ہے۔ آپ رح ایک متبحر عالمِ دین۔ امام المتکلمین۔ فخر المناظرین۔ صاحبِ وقت، ولئ کامل اور بلند پایہ درویش تھے۔

حضرت مولانا ممدوح رح کے زیادہ تر حالاتِ زندگی اُن کے صاحبزادگان حضرت الحاج حافظ مظہر الدین چشتی صابری مدظلہٗ (راولپنڈی) اور قبلہ حضرت مولانا غلام ربانی صاحب چشتی صابری دامت فیوضہٗ (ملتان) کے علاوہ حضرت مولانا رح کے پوتے جناب طارق محمود صاحب چشتی (ملتان) سے حاصل کئے گئے۔ خصوصاً جناب طارق محمود صاحب نے اس تذکرہ کی ترتیب و تدوین میں نمایاں حصّہ لیا ہے۔ آپ نے متعدد ثقہ اور مستند راویوں سے اپنے والد ماجد جناب صاحبزادہ مظفر حسن صاحب مدظلہٗ کی وساطت سے متعدد واقعات و حالات جمع کرنے میں بڑی کاوش کی ہے۔ اللہ تعالےٰ اس کے لئے اِنہیں جزائے خیر دے۔

افسوس کہ یہ تذکرہ کافی تاخیر سے لکھا جا رہا ہے۔ جبکہ حضرت مولانا رح کے بیشتر بزرگ ساتھی اور ارادتمند اور قدیم اصحاب اس دُنیا سے پردہ کر چکے ہیں۔ اگر یہ تذکرہ آج سے تیس چالیس سال قبل لکھا جاتا۔ تو کئی دفتر بن جاتے۔

آخر میں حصّہ سوم میں عزیزم صوفی غنیمت علی ساحر صدیقی مرحوم) کا نعتیہ کلام پیش کیا گیا ہے۔

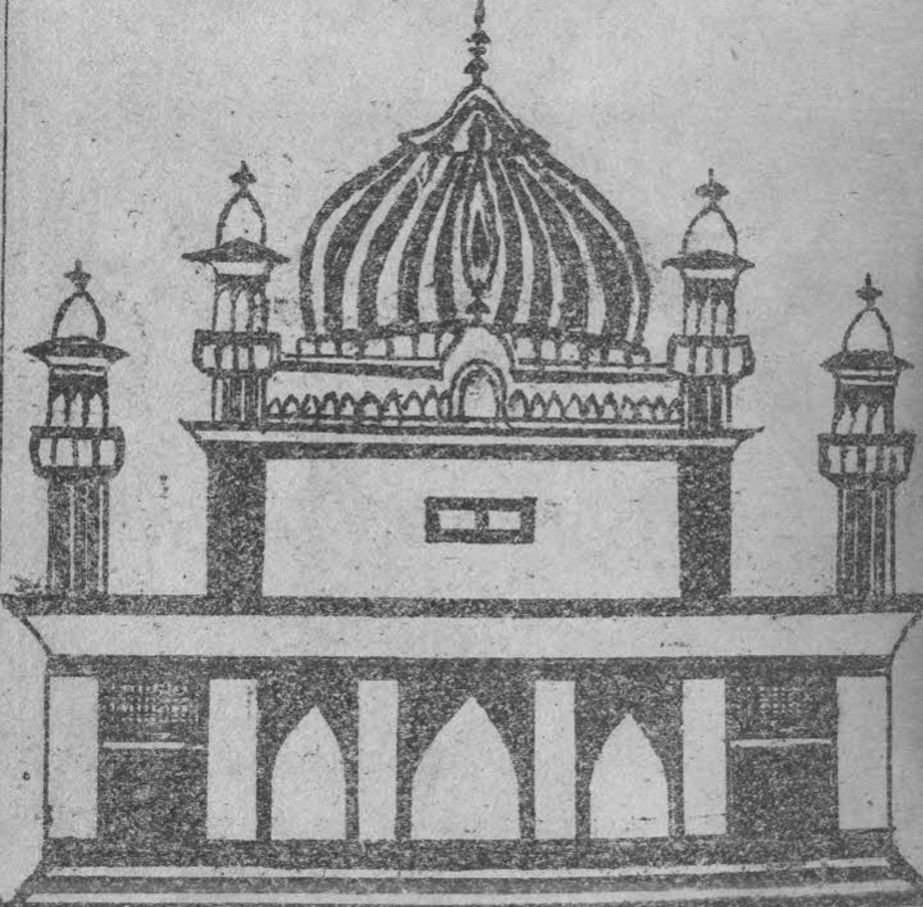
قارئینِ کرام سے استدعا ہے کہ اِس فقیر کی ہیچمدانی کے پیشِ نظر اس رسالہ میں جو خامیاں نظر آئیں تو ازرہِ بندہ پروری درگذر فرمائیں۔ اور دُعا فرمائیں کہ میری اِس کاوش کو حق تعالیٰ کی جناب میں شرفِ قبولیت نصیب ہو۔ وَمَا توفیقی اِلّا باللہ۔

(طفیل ناصری)

شبیہہ روضۂ اقدس

حضرت خواجہ اِمام ناصِر الدّین صاحب چشتی جالندھر شہر

قَدَّسَ اللّٰہُ سِرَّہٗ العزیز



دربارگاہ شاہ جہاں ناصر زمن
آئینہ قدسیان و سجود شش ہمیبرند

(حصّہ اوّل)

مُشتمل بر حالات و مناقب

اِمام الاولیأ۔ قُدوۃُ السّالکین۔ زبدۃ الکامِلین خواجۂ خواجگان

حضرت خواجہ اِمام ناصِر الدّین چشتی جالندھری

قدّس اللّٰہ سرّہٗ العزیز

(و دیگر متاخرین اولیائے کرام جنہوں نے جالندھر شہر میں رشد و ہدایت کے چشمے جاری فرمائے)

بسمِ اللّٰہِ الرّحمٰنِ الرّحیم

امامِ مظہرِ حق پادشاہ ناصرِؒ دین!
حبیبِ خاصِ خدا نائبِ رسولِ امینؐ

سن و تاریخ

پیدائش و وفات

یادداشت سنِ تولّد قدوۃ العارفین زُبدۃ الکاملین
خواجہ امام ناصر الدّین زادھم اللہ شرفاً در سنِ ہجری
دو صد پنجاہ و دو سال بُود۔ کہ تولّد ایشاں ھفتدھم شدہ شہر
رمضان المُبارک۔ تولّد ایشاں در نخشب کہ الحال مشہور است بہ نقشب
۔۔۔ در سنہ سی صد و سی و چہارم بُود بتاریخ پانزدھم رجب المرجّب وفات
یافت۔ و عمر گرامی ایشاں ھشتاد و دو سال بُود۔
مدفنِ مبارک ایشاں در قصبہ جالندھر است کہ
بست دو آبہ موسُوم است۔
قُطب الاقطاب و غوث
المصدّقین است۔
رحمۃ اللّٰہ علیہ
قدس سرہٗ

بّرِ صغیرِ ہند میں

حضرت خواجہ امام ناصر الدّین چشتیؒ کی آمد

حضرت خواجہ امام ناصر الدّین قدس سرہٗ تیسری صدی ہجری کے اواخر میں برِّصغیر ہند میں ۲۵۲ھ
جیساکہ آپ کے ولادت نامہ سے ظاہر ہے۔ محمد بن قاسمؒ کی فتحِ سندھ کے بعد مسلمان سندھ اور پنجاب تک
اور کچھ یہاں آباد بھی ہو گئے۔ تاریخی شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے بعد مسلمان سلاطین نے بارہا ہندوستان پر
جہاد کی غرض سے یلغار کی۔ اور اسلامی لشکروں میں علمأ اور بزرگانِ دین بھی شامل ہوتے تھے۔ جو
تبلیغِ اسلام کا مقدّس فریضہ انجام دیتے تھے۔ یہ سلطان اسپتگین اور سلطان سبکتگین کا زمانہ تھا کہ حضرت
خواجہؒ کسی یلغار میں جالندھر (پنجاب۔ بھارت) میں وارد ہوئے۔ مشہور شاعر اور مصنّف جناب سیلاب عشرت جالندھری
نے ایک تاریخی ماخذ سے اپنی تصنیف "تصویرِ انقلاب" میں لکھا ہے:۔
"سلطان محمود[ع۱] سبکتگین کی افواجِ ظفر امواج میں اولیاء اللہ اور علمائے دینِ متین بھی ہوتے تھے۔
جن کو "لشکرِ دعا" کہا جاتا تھا۔ اِن کا کام تبلیغِ دینِ متین اور اعلائے کلمۃ اللہ ہوتا تھا۔ حضرت
امام ناصر الدّینؒ انہی نفوسِ قدسیہ میں سے ہیں جنہوں نے ہندوستان میں آکر تبلیغِ دین فرمائی۔ اور تمام
علاقہ کو اپنے چشمۂ فیض سے سیراب اور انوارِ ربّانیہ سے منوّر فرمایا۔ حضرت موصوفؒ سے
باری تعالیٰ نے یہی خدمت لی اور ھزاروں بندگانِ خدا آپؒ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ روضہ
مبارک جالندھر شہر میں مرجعِ خاص و عام ہے۔" (تصویرِ انقلاب)
حضرت خواجہ امامؒ انہی مجاہدین کے لشکر میں شامل تھے۔ آپ کے ساتھ آپ کے بھانجے حضرت ہاشم شہیدؒ

ع۱ = تاریخ پاک و ھند کے حوالہ جات سے ثابت ہے۔ کہ تیسری صدی ہجری کے آخری ربع میں افغانستان کی حکومت میں انتشار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسوقت کے ہمسایہ ملک ھند میں راجہ بھیم پال (جو کانگڑہ۔ سیالکوٹ۔ جالندھر اور ملتان تک کے علاقوں کا حکمران تھا۔ اور اِس سے پہلے کابل پر بھی حکومت کر چکا تھا) افغانستان کے علاقوں پر حملے اور لوٹ مار کیا کرتا تھا۔ امیر اسپتگین اور ناصر الدّین محمد سبکتگین نے غزنی پر اقتدار قائم کرتے ہی راجہ بھیم پال کیخلاف لشکر کشی کا آغاز کیا۔ یہ لگ بھگ ۹۲۲ء مطابق ۲۹۰ھ کا زمانہ تھا۔ امیر ناصر الدّین محمد سبکتگین کی قیادت میں عساکرِ اسلامیہ نے راجہ بھیم پال کی فوجوں سے کئی جنگیں لڑیں۔ قیاس غالب ہے۔ کہ انہی عساکر کے ساتھ حضرت خواجہ امام ناصر الدّین صاحبؒ جالندھر میں تشریف لائے۔ امیر سبکتگین نے راجہ بھیم پال کی سلطنت کے بیشتر علاقے فتح کر باجگذار بنا لیئے تھے۔

بھی تھے۔ (اِن کا مزار امام صاحبؒ کے روضۂ اقدس کے قریب بانساں والہ بازار جالندھر میں ہے) اِن کی بابت مشہور ہے کہ آپؒ میدانِ جہاد میں شہادت پا لینے کے بعد بھی باوجود کٹے ہوئے سر کے شمشیر بکف کفار سے لڑتے رہے۔ اِس یلغار کے بعد لشکرِ اسلام آگے بڑھ گیا۔ مگر حضرت امامؒ نے اپنا مستقر جالندھر میں ہی بنا لیا۔ اور تبلیغ اِسلام میں سرگرم ہو گئے۔ آپ کی خانقاہ سے ہزارہا کفار آپ کی رُوحانیت سے متاثر ہو کر بُت پرستی سے تائب ہوئے۔ اور حلقہ بگوشِ اِسلام ہوئے۔

ایک اور ماخذ سے آپؒ کے جالندھر شہر میں ورودِ مسعود کے حالات اِس طرح بیان کئے گئے ہیں۔

ایک بزرگ شاعر جناب محمد علی صاحب ساکن جالندھر شہر نے اپنی تصنیف "مجموعہ عشقِ محمدی" (مطبوعہ مکتبہ فقیر اللہ محمد دین تاجرانِ کُتب بازار شیخاں جالندھر شہر) میں آپؒ کی جالندھر میں آمد اور دیگر حالات قلمبند کئے ہیں۔ حالات بیان کرنے سے پہلے حضرت امام صاحبؒ کی شان میں منقبت لکھی ہے۔

سخی دربارِ سلطانی مہرباں شاہ ناصر دینؒ ۔۔۔ کرو مجھ پر مہربانی مہرباں شاہ ناصر دینؒ
قمر اور مہر ہیں روشن تمہارے رُوئے انور سے ۔۔۔ تیرا ہے نُورِ رحمانی مہرباں شاہ ناصر دینؒ

اگر ذرہ کو بھی چاہو تو کر دو مہر سا روشن
تُمہر پہ بھی مہربانی مہرباں شاہ ناصر دینؒ

اِس کے بعد روایت کی ہے۔ کہ جالندھر شہر میں ایک جوگی جالودھر نامی رہتا تھا۔ جو سحر و جادو میں کمال رکھتا تھا۔ اِس علاقہ کے راجہ[1] نے اپنے شہر میں ایک قلعہ بنوانے کا حکم دیا۔ جوگی نے یہ قلعہ ایک نواحی علاقہ میں بنوانا شروع کیا۔ مگر قدرتِ خداوندی سے دن کے وقت جتنی دیوار تیار ہوتی رات کو گر جاتی۔ راجہ نے جوگی سے اس کا سبب پُوچھا۔ تو جوگی نے کہا کہ کسی سیّد زادے کو دیوار میں زندہ چنوا دیا جائے تو دیوار نہیں گرے گی۔ چنانچہ گرد و نواح میں تلاش کرنے سے ایک سیّد گھرانہ مِل گیا۔ ایک سیّدانی کا اکلوتا لڑکا راجہ کے حکم سے دیوار میں زندہ چُنوا دیا گیا۔ وہ سیّدانی صاحبہ روضۂ اطہر حضرت رسالتمآب صلعم پر فریاد لیکر حاضر ہوئی۔ اور بصد الحاح و زاری مدد کے لئے التجا کی۔ روضۂ اقدس سے آواز آئی۔ کہ "ہم ناصر الدینؒ کو تیری مدد کیلئے بھیج رہے ہیں۔ وہ تجھے راستہ میں مِل جائیں گے۔" اور اس بڑھیا کو حضرت خواجہؒ کی شبیہہ بھی دکھائی گئی۔ چنانچہ حضرت امام صاحبؒ واپسی پر مائی صاحبہ کو راستہ میں مِل گئے۔ آپؒ نے اپنا تعارف کرا کے مائی صاحبہ سے فرمایا۔ کہ مجھے دربارِ نبوی صلعم سے تیری امداد کیلئے بھیجا گیا ہے۔

[1]: اِس علاقہ کا راجہ بھیم پال تھا۔ جو اُس وقت کانگڑہ۔ سیالکوٹ۔ جالندھر اور ملتان پر حکومت کرتا تھا۔

مائی صاحبہ کے دِل میں خیال آیا کہ حضرتؒ تو اکیلے ہیں اور اُدھر کفار کا جمِ غفیر ہے۔ آپ کیسے مقابلہ کر سکیں گے۔ خواجہؒ نے بذریعہ کشف مائی صاحبہ کے دل کا وسوسہ معلوم کر کے مائی صاحبہ کو اپنی آنکھیں بند کرنے کے لئے فرمایا۔ مائی صاحبہ نے تعمیلِ حکم کی تو دیکھا کہ ایک لشکرِ جرار حضرتؒ کے ساتھ ہے۔ وہ فرطِ عقیدت سے آپ کے قدموں میں گر گئی۔

حضرت خواجہؒ مائی صاحبہ کیساتھ جالندھر تشریف لائے۔ جہاں اِس وقت محلہ متولیان درگاہ حضرت امام ناصر الدینؒ کی مسجد ہے اس جگہ آپ نے قیام فرمایا۔ اور اپنا جھنڈا گاڑ دیا۔ ایک دن ایک گجری (گوالن) دُودھ لئے جا رہی تھی۔ آپ نے اُسے اپنے پاس بُلا کر فرمایا کہ "یہ دُودھ مجھے دیتی جاؤ"۔ گجری نے عرض کیا کہ "حضرت اِس نگری کا سارا دُودھ جوگی جلودھر کو دیا جاتا ہے۔ اگر نہ دیں تو مویشیوں کے تھنوں سے دُودھ کی بجائے خُون جاری ہونے لگ جاتا ہے۔" آپ نے گجری کو دو سونے کے سکے دیئے اور فرمایا۔ کہ "ہمیں صرف دُودھ دکھلا دو۔" گجری نے خُوش ہو کر دُودھ آپ کے سامنے رکھ دیا۔ حضرت خواجہؒ نے کلمۂ شہادت پڑھ کر انگشتِ شہادت سے دُودھ ہلایا۔ اور فرمایا کہ "اِسے جوگی کے پاس لے جا۔" گجری دُودھ اُٹھا کر جوگی کے پاس لے گئی۔

جوگی نے دُودھ پر سے ڈھکنا اُٹھایا تو دیکھا کہ سارا دُودھ خُون بن گیا ہے۔ جوگی بڑا غضبناک ہوا۔ اور گجری سے اس کا سبب پُوچھا۔ گجری نے حضرت خواجہؒ سے مُلاقات کا احوال سُنایا۔ جوگی نے اپنے ایک چیلے کو حکم دیا کہ آپ کو پکڑ کر لائے۔ چیلہ آپ کے پاس آیا اور جوگی کا حکم سُنایا۔ آپ نے چیلے کو اپنے پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ بیٹھ گیا تو پھر اُس میں اُٹھنے کی سکت نہ رہی۔ جوگی نے کچھ دیر انتظار کیا پھر دُوسرے چیلے کو حکم دیکر بھیجا کہ آپ کو زبردستی گھسیٹ لائے۔ دُوسرے چیلے کا بھی وہی حشر ہوا۔ جوگی نے یکے بعد دیگرے اپنے چیلے بھیجے۔ حتٰکہ اُس کے ۳۶۳ چیلے حضرت خواجہؒ کے پاس بُت بنے بیٹھے رہے۔ آخرکار جوگی خود سخت برہمی اور غُصّے کی حالت میں آپؒ کے پاس آیا۔ اور جوشِ غضب میں کہا کہ "میرے چیلے کیوں بٹھا رکھے ہیں؟" آپ نے فرمایا کہ "اگر تجھ میں ہمت ہے۔ تو انہیں اُٹھا کر لے جا۔" جوگی نے منتر پڑھ کر ہر چیلے کو پکڑ کر زور لگایا۔ مگر سب کو زمین نے جکڑ رکھا تھا۔ پھر جوگی نے آپ پر جادُو کے سارے کرتب آزمائے مگر آپؒ اطمینان سے بیٹھے رہے۔ آخرکار جوگی عاجز ہو کر آسمان کی طرف اُڑ کر بھاگا۔ آپ نے اپنی کھڑاؤں کو اشارہ کیا جوگی کے پیچھے

اُڑتیں اور جوگی کے سر پر لگتی رہیں - آخر ش ہوشیار پور کے قریب کوہ شوالک کی پہاڑیوں سے ٹکرا کر جوگی غائب ہو گیا - اس جگہ پر جوگی کی ٹکر اور آپ کی کھڑاؤں کے نشانات آج بھی موجود ہیں - جوگی کے سب چیلے آپؒ کی کرامت اور تبلیغ سے متأثر ہو کر مشرف باسلام ہوئے - اس شہر کا نام جوگی جلو دھر کے نام کی نسبت سے جالندھر موسوم ہوا۔" (مجموعہ عشقِ محمدی)

(حضرت خواجہؒ کے تصرف سے جوگی کا قلعہ غرق ہو گیا - خواجہؒ نے سیدزادے کی لاش دیوار سے نکلوا کر آپ کا مزار بنوایا - جو پیر غائبؒ کے نام سے مشہور ہوا - قلعہ کی زمین پر بعد میں مکانات تعمیر ہوئے - جو قلعہ محلہ کے نام سے معروف ہے - حضرت پیر غائبؒ کا مزار آج بھی مرجعِ خلائق ہے - مزار پر مریض نمک چڑھاتے ہیں اور صحتیاب ہوتے ہیں - مؤلف)

"مجموعہ عشقِ محمدی" میں مصنف مہر علی نے اپنا ایک خواب بھی بیان کیا ہے - کہ "میں نے دیکھا کہ حضرت خواجہؒ مسجد میں سبز پوشاک پہنے تشریف فرما ہیں - میں آپ کے قدموں میں گر پڑا - تو خواجہؒ نے فرمایا کہ "میری دعاؤں سے اللہ تعالیٰ نے جالندھر شہر کو وبائے ناگہانی اور آفتوں سے بچایا ہے - اور کئی دنوں کے زلزلوں سے جو یہ شہر غرق ہو جاتا تھا - اللہ تعالیٰ کے حکم سے میں نے اس کو سہارا دے رکھا ہے۔"

حضرت خواجہ امام پاکؒ ۹۲ سال کی عمر تک اپنی خانقاہ میں درس و تدریس اور تبلیغ اسلام فرماتے رہے - آپؒ کے اخلاقِ حسنہ اور مواعظ سے متأثر ہو کر ہزارہا کفار حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے - آپ کی ذات مرجعِ خلائق رہی اور بیشمار بندگانِ خدا فیض پا کر تبلیغ اسلام کیلئے دور دراز علاقوں تک پھیل گئے - اور رُشد و عرفان کے دروازے کھل گئے - اور چار دانگ عالم میں آپ کے نام کا ڈنکا بجنے لگا -

آپؒ حد درجہ خوش اخلاق اور سخی تھے - بادشاہانِ وقت کیطرف سے آپکی خانقاہ کے نام بیشمار جاگیریں اور زمینیں نذر ہوئیں - جو آپ نے بلاتخصیص خاص و عام مسلم و غیر مسلم لوگوں کو بخش دیں - آپ کے بعد بھی درگاہ شریف کے نام پر مختلف ادوار میں بادشاہوں اور سلاطین نے جاگیریں اور اراضی وقف کیں - جو آپ کے جانشینوں نے لوگوں میں بانٹ دیں - درگاہ شریف کے قرب و جوار میں نوہریے ذات کے ہندو رہتے تھے - وہ سجادگانِ درگاہ سے زمینیں مانگنے آتے - درگاہ شریف کے سجادگان نے انہیں زمینیں دیں - اُن نوہریوں کی اولادیں اب لاکھ پتی اور کروڑ پتی ہیں - بازار اور محلہ نوہریاں درگاہ شریف کے اِرد گرد واقع ہیں - نوہریے درگاہِ اقدس سے بے پناہ عقیدت رکھتے ہیں - پاکستان کے قیام کے بعد

جب فسادی درگاہ شریف کو مسمار کرنے آئے تو نوہریوں نے شدید مزاحمت کی - آج بھی یہ نوہریے درگاہ شریف میں چراغاں کرتے اور نذرانے چڑھاتے ہیں - درگاہ کی حفاظت اور دیکھ بھال کے لئے حکومتِ ہند کی طرف سے خادم مقرر کئے گئے ہیں -

خواجہ صاحبؒ کے وصال کے بیان میں

حضرت امام پاکؒ نے ۱۵ ر رجب ۳۳۲ھ میں بیاسی سال کی عمر میں وفات پائی - آپ اپنی خانقاہ کے حجرہ میں ہی دفن کر دیئے گئے - جہاں ایک عالی شان گنبد بنا ہوا ہے - روضہ اقدس کی عمارت اور گنبد سلاطین سلف کے زمانہ کی طرزِ تعمیر کا اعلیٰ نمونہ ہے - گنبد کی بلندی ۱۰۰ فٹ کے قریب ہے - گنبد کا اندرونی حصہ آیاتِ قرآنی اور بزرگانِ سلف کے فارسی اشعار بطرز نسخ و نستعلیق اور بیل بوٹے سے مزین ہے - تقسیم ہند سے چند سال پیشتر روضہ اقدس سے ملحقہ مسجد اور برآمدے جدید طرز میں تعمیر کئے گئے ہیں - جو درگاہ شریف کی عظمت و شان کو دوبالا کرتے ہیں -

قصہ کفن چور

کفن چور کی روایت اسی زمانہ سے معروف چلی آ رہی ہے - "مجموعہ عشقِ محمدی" میں مذکور ہے کہ "خواجہ صاحبؒ کے ایک نو مسلم مرید باوجود توبہ کے اپنے افعال ذمیمہ کو ترک نہ کر سکا - اسکی لالچی بیوی اُسے مُردوں کے کفن چرانے پر مجبور کرتی تھی - خواجہ صاحبؒ کی وفات پر اُس نے اپنے شوہر سے کہا کہ خواجہؒ کا کفن بڑا قیمتی ہے اسے چرا کر لائے - وہ بوجہ خوف آمادہ نہ ہوتا تھا - مگر بیوی کے مجبور کرنے پر جب کفن چرانے کی غرض سے اُس نے حضرتؒ کا مرقد مبارک کھولا - تو قدرتِ الٰہی سے آپؒ زندہ تھے - اور قبر میں آیاتِ قرآنی تلاوت فرما رہے تھے - چور لرزہ براندام ہو گیا - آپؒ کے استفسار پر اُس نے اپنی اس حرکتِ ذمیمہ کی وجہ بیان کی - آپ نے کفن کی قیمت اُسے پہلے ہی ادا کر دی تھی کہ وہ کفن نہ چرائے - وہ چور آپ کے قدم پر گر گیا اور سخت نادم ہوا - اور عرض کی کہ آپ اُسے معاف کر دیں کہ اس فعل پر اُس کی بیوی نے اُکسایا تھا ورنہ وہ آمادہ نہ تھا - خواجہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میں نے تیری خطا معاف کی - اب تو میرے پاس ہی رہ - تیری بیوی اس لائق نہیں کہ تو اُس کے ساتھ رہے - یہ واقعہ ۱۷ ر رجب المرجب کا ہے - خواجہؒ نے چور کو اپنے پہلو میں ہی لٹا لیا - کفن چور کا مرقد آپ کے مزار کے پہلو میں ہے - اُس نے یہ رتبہ پایا - کہ

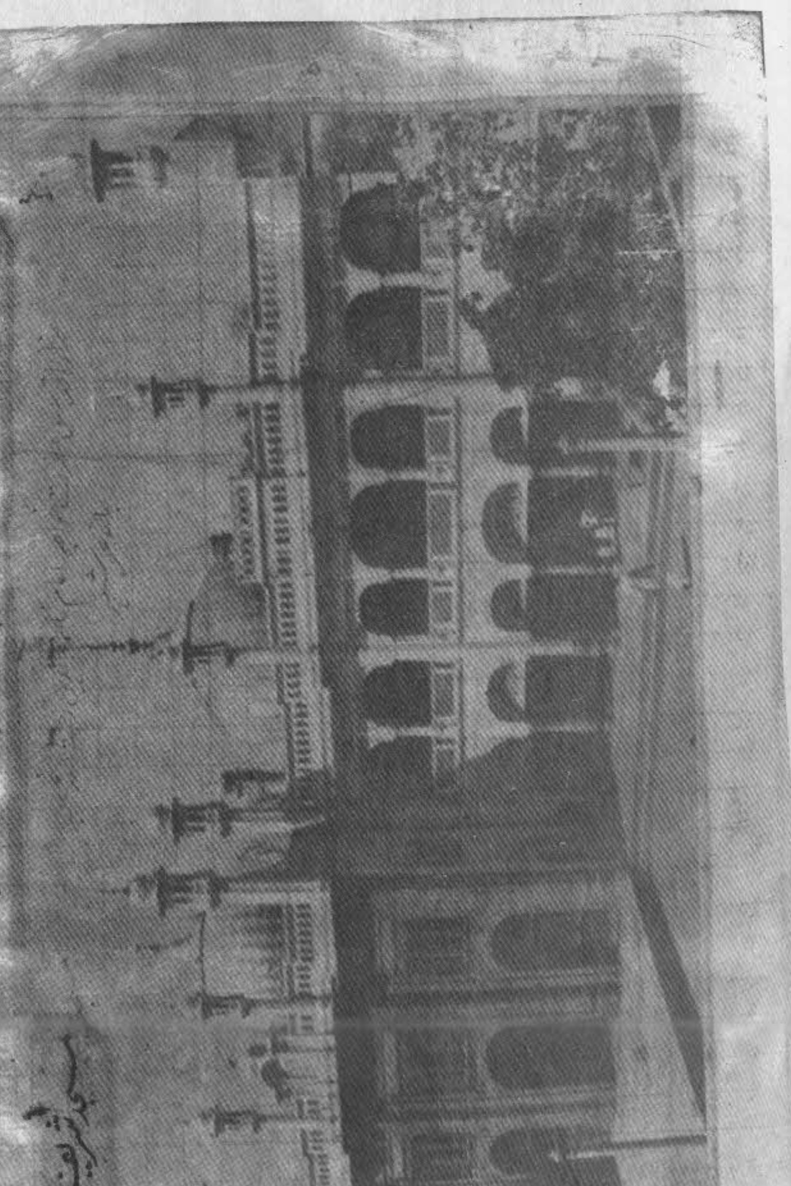
زائرین پہلے اُس کی قبر کو سلام کرتے ہیں ۔ مشہور ہے کہ "ایک نظر میں چور کو قطب بنا دیا" (اس روایت کی بنا پر حضرت امامؒ کی وفات ۱۷ رجب کو ہوئی ۔ اسلئے آپکا عرس ۱۵ سے ۱۷ رجب تک ہوتا ہے)

ایک روایت حضرت خواجہؒ کے وصال کے سلسلہ میں مولوی احمد علی صاحب آف ضلع جالندھر کا رہنے والا تھا ۔ اور پاکستان بننے کے بعد گوجرانوالہ میں ایک مسجد میں امام تھا کی وساطت سے ملی ہے مولوی احمد علی مرحوم نے ایک قدیم فارسی کتاب کے حوالہ سے روایت کیا تھا کہ "جب حضرت خواجہؒ کے وصال کا وقت قریب آیا ۔ تو حق تعالیٰ کیطرف سے ملک الموت کو ہدایت کی گئی کہ خواجہؒ کی رُوح کو قبض کرنے کیلئے آپکے پاس نہ جائے (کیونکہ یہ گستاخی ہوگی) بلکہ آپکی خانقاہ کے حجرہ کے دروازہ کے پایہ کے ساتھ کھڑا ہو جائے ۔ حضرت امام پاکؒ کی رُوح خود بخود اُس کے پاس پہنچ جائے گی ۔ چنانچہ ایسے ہی وقوع پذیر ہُوا" یہ واقعہ حضرت خواجہ علیہ الرحمتہ کے علوِ مرتبہ کی دلیل ہے ۔

درگاہِ اقدس کی تعمیرِ جدید اور عظمت و شان کے بیان میں

روضۂ اقدس کے آگے اندرونی صحن طویل و عریض ہے ۔ دائیں طرف حُجرہ چلّہ کشی حضرت باوا فرید الدین گنجشکر قدس سرّہٗ بنا ہوا ہے ۔ اسکے ساتھ ہی لنگر خانہ کی عمارت (گنج خانہ) ہے ۔ اس صحن کے آگے برآمدے ہیں اور آگے ایک وسیع میدان کے اختتام پر ڈیوڑھی ۔ بارہ دری اور مہمانوں کیلئے حجرے بنے ہوئے ہیں ۔ بیرونی صحن اور برآمدے کے بائیں جانب مسجد ہے جو بڑی وسیع ہے اور مسجد کے آگے ایک کنواں ہے ۔ جو "آسمانی کنواں" کے نام سے معروف ہے ۔ اس کنوئیں کا پانی بڑا شیریں ۔ شفاف اور برف کی طرح ٹھنڈا ہے عام طور پر بیمار اس پانی کو پینے سے صحتیاب ہو جاتے ہیں ۔ ڈیوڑھی کے باہر دو علم بلند و بالا نصب ہیں ۔ ان کی اُونچائی تقریباً ۱۵۰ فٹ ہے ۔

روضۂ اقدس کے علاوہ درگاہ شریف کی پُرانی عمارات ۔ برآمدے ۔ بارہ دری ۔ مسجد اور ڈیوڑھی کو وسیع کر کے (تقسیم ھند سے ۷ - ۸ سال قبل) جدید قسم کی ڈیوڑھی اور دیگر عمارات تعمیر کیگئی ہیں ۔ مسجد شریف اور برآمدوں میں توسیع کر کے دو منزلہ بنا دیا گیا ہے ۔ برآمدوں پر زائرین اور مسافروں کی رہائش کیلئے حجرے تعمیر کئے گئے ہیں ۔ پُرانی بارہ دری اور ڈیوڑھی کو ملا کر از سرِ نو بلند و بالا ڈیوڑھی معہ بارہ دری عالیشان طرز جدید پر تعمیر کیگئی ہے



روضۂ اقدس حضرت خواجہ امام ناصر الدین چشتی جالندھر شریف

جس کے بلند و بالا مینار تقریباً ۲۰۰ فٹ کی اونچائی تک جاتے ہیں۔ جدید طرز کی ڈیوڑھی آیات قرآنی سے منقش اعلیٰ سنگِ مرمر اور سنگِ سرخ سے تعمیر کی گئی ہے۔ ڈیوڑھی اور فلک شکوہ مینار درگاہ شریف کی عظمت کو دوبالا کرتے ہیں۔ بیرونی احاطہ کے دائیں جانب طویل و عریض برآمدے بنائے گئے ہیں۔

مزار اقدس کے چوگرد ایک شاندار کٹہرہ سنگِ مرمر کی جالیوں سے منقش ماسٹر رحیم بخش صاحب سجادہ نشین نے زرِ کثیر صرف کر کے تعمیر کرایا تھا (جو تقسیم ہند کے بعد فسادیوں نے منہدم کر دیا تھا۔ اور اب سرکاری خرچ سے دوبارہ اس کی بجائے ایک شاندار کٹہرہ بنایا گیا ہے)

درگاہ شریف کی عالی شان ڈیوڑھی، مسجد اور دیگر عمارات کی تعمیر جدید ماسٹر رحیم بخش مرحوم اور ملک عبدالشکور مرحوم (جو جالندھر میں مشہور آڑھت فرم تھے) کی ذاتی کاوشوں کا مرہونِ منت ہے جنہوں نے اپنا ذاتی زرکثیر بھی صرف کیا۔ جدید عمارات ان دونوں اصحاب کے ذوقِ سلیم اور نفاستِ طبع کی آئینہ دار ہیں۔

اس ضمن میں یہ بیان کرنا ضروری ہے۔ کہ درگاہ اقدس کی ڈیوڑھی کی تعمیرِ نو کے سلسلہ میں ماسٹر رحیم بخش صاحب کو حضرت خواجہ کی طرف سے خواب میں بشارت دی تھی کہ "میری ڈیوڑھی ازسرِ نو تعمیر کرائی جائے۔" ماسٹر صاحب نے اپنا ارادہ متولیان درگاہ پر ظاہر کیا تو بیشتر نے اس کی سخت مخالفت کی۔ دراصل وہ اسلئے گریزاں تھے کہ درگاہ کی آمدن تعمیر پر خرچ ہو گی تو وہ اپنا ذاتی خرچ کہاں سے فراہم کریں گے کہ اکثر کا گذارہ درگاہ کی آمدن پر تھا۔ مگر ماسٹر صاحب بضد رہے کہ وہ خرچ اپنی طرف سے فراہم کریں گے چاہے انہیں چندہ کرنے کیلئے لوگوں سے بھیک بھی کیوں نہ مانگنا پڑے۔ اسپر متولیان نے ایک کمیٹی مقرر کی جسمیں فیصلہ کیا گیا کہ کسی غیر متعلقہ شخص کو تعمیر کے سلسلہ میں منتظم مقرر کیا جائے۔ اور متفقہ طور پر ملک عبدالشکور صاحب کا نام تجویز کیا گیا۔ ملک صاحب کا بیان ہے کہ انہیں خواجہ صاحبؒ کی خواب میں زیارت ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ "ڈیوڑھی کی تعمیر کا کام تمہارے ذمہ کیا جاتا ہے۔" ملک صاحب اگرچہ غیر مقلد تھے اور بزرگوں کو نہیں مانتے تھے تاہم وہ آمادہ ہو گئے۔ کام شروع ہو گیا۔ تو روپے کی قلت ہونے لگی۔ تو ملک صاحب کو اپنی جیب سے بھی خرچ کرنا پڑا۔ آپ کا ارادہ متزلزل ہو گیا (کیونکہ ابھی تک کچھ متولیان بھی مخالفت کرتے تھے) تو پھر خواجہ صاحبؒ کی زیارت ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ "تم اپنے نقصان کی فکر نہ کرو۔ تم کو اس کا بھاری معاوضہ ملے گا۔" چنانچہ ایک زمین کے قطعہ کی خرید و فروخت سے ملک صاحب کو پچپن ہزار کا منافع ہوا۔ پھر خواب میں تیسری مرتبہ ملک صاحب کو زیارت ہوئی۔ خواجہؒ نے فرمایا کہ۔

"دیکھو ہم نے تمہارے نقصان کی تلافی کردی ہے"۔ اس کے بعد ملک صاحب کے ماسٹر صاحب تندھی سے تعمیر کے کام میں مصروف ہو گئے۔ نتیجۃً خواجہ صاحبؒ کے تصرف اور ان دونوں اصحاب کی کاوشوں سے نہ صرف ڈیوڑھی بلکہ مسجد شریف کی وسعت اور تعمیرِ نو اور درگاہ شریف کے برآمدے اور دیگر عمارات شاندار طریقہ سے تعمیر ہوئیں۔ (یہ واقعات خود ملک عبدالشکور صاحب مرحوم کی زبانی بیان کردہ ہیں)

درگاہ شریف کی عمارات کی شاندار تعمیرِ نو کے بعد درگاہ شریف پر بڑا عروج ہوا۔ اور عوام الناس دور دراز مقامات سے زیارت کیلئے آتے۔ دعائیں مانگتے اور بحکم الٰہی درگاہ اقدس سے اپنی جھولیاں مرادوں سے بھر کرلے جاتے۔ اس ضمن میں مشہور شاعر ذاکرؔ جالندھری نے حضرت امام پاکؒ کی شان میں مدح لکھی ہے:۔

درگاہِ ناصریؒ

درگاہِ ناصریؒ میں خالی جو آرہے ہیں — برکت سے اپنے دامن بھر بھر کے جارہے ہیں
رہتا ہے ان کے در پر میلہ بھکاریوں کا — عرفاں کے موتی بیٹھے ناصرؒ لٹا رہے ہیں
روشن ہوا جالندھر انہی کے نام سے ہے — نزدیک و دور والے سب فیض پا رہے ہیں
ان کی تو ہے شوکت۔ روضہ ہے رشکِ جنت — جس کے کلس سنہری دل کو لبھا رہے ہیں
اللہ رے ان کی شفقت اللہ رے مہربانی — لے چور کو بغل میں اپنی سلا رہے ہیں
دو علم گڑے ہیں در پر گنبد سجا ہے سر پہ — ڈیوڑھی پہ مثلِ اختر نگ جگمگا رہے ہیں
اونچے میناروں پہ یہ کالی جو دھاریاں ہیں — رحمت کے گویا بادل گھر گھر کے آرہے ہیں

ناقص خیال ذاکرؔ تو کیا سکے بیاں کر
بگڑے ہوؤں کی ناصرؒ بگڑی بنا رہے ہیں

——— (ذاکرؔ جالندھری)

ڈنکا امام ناصرالدینؒ جالندھریؒ

جناب مہر علی مہرؔ جالندھری نے مجموعہ "عشقِ محمدیؐ" میں درگاہ حضرت امامؒ کی شان میں مندرجہ منقبت لکھی ہے:۔

ہے ڈیوڑھی کیا عجب۔ ڈالی نشاں در پہ ہیں دو عالی
جالندھر شہر کے والی ہوا چرچا جالندھر میں
ادھر روضہ ہے نورانی ادھر مسجد ہے رحمانی
ادھر ہے چاہ آسمانی والا دیکھا جالندھر میں
ہزاروں اولیاء آویں زیارت کو جالندھر میں
عجب ہے باغ جنت کا بنا روضہ جالندھر میں
ہے جاری فیض ناصرؒ کا چلو اے طالبو تم بھی
جو مجمع عین عرفاں کا چلے دریا جالندھر میں
گویا دریا لاثانی جو برسے نورِ رحمانی
مہرؔ پر بھی مہربانی جو ہے رہتا جالندھر میں

انعقاد عرس مبارک حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ

عرس مبارک حضرت خواجہؒ سال میں دو مرتبہ ہوتا تھا۔ ایک مارچ کے مہینہ میں جو کہ میلہ کہلاتا تھا اور دوسرا عرس حضرت خواجہؒ کی یوم وفات پر ۱۵ اسے ۱۷ رجب تک ہوتا تھا۔

میلہ مارچ (یہ تقریب ماہ مارچ کے دوسرے عشرہ میں جمعرات سے آٹھ روز تک جاری رہتی تھی اسے "میلہ علم" بھی کہتے تھے۔ میلہ کی تاریخ مقرر کرنے کیلئے باقاعدہ رسم منعقد ہوتی تھی کہ جس میں جامع

یہ رسم سجادہ نشین درگاہِ عالیہ کیطرف سے کی جاتی جس میں تمام متوالی شریک ہوتے تھے۔ مٹھائی تقسیم کی جاتی اور نفیریوں اور شہنائیوں کی گونج میں یہ رسم ادا کی جاتی تھی۔ یہ جشنِ شادی کا سا سماں ہوتا تھا۔ اور ایک ماہ تک مندلی درگاہ شریف میں نقار خانہ بجتا رہتا۔

مقررہ تاریخ جمعرات کو عصر کے بعد رسمِ علم ادا کی جاتی۔ درگاہ شریف کی ڈیوڑھی کے سامنے دو علم (جھنڈے) بڑے بلند و بالا جن کی اونچائی تقریباً ۱۵۰ فٹ ہوتی تھی) نصب کئے جاتے۔ ان پر قیمتی غلاف اور پھریرے جو گوٹہ کناری سے منقش ہوتے چڑھائے جاتے تھے۔

اس میلہ میں آٹھ روز تک زائرین کا بڑا ہجوم ہوتا تھا۔ گرد و نواح سے ہزاروں کی تعداد میں لوگ میلہ دیکھنے آتے۔ چڑھاوے اور نذرانے پیش کرتے اور اپنے دامن مرادوں سے بھر کر جاتے اہلِ ھنود بھی عقیدت سے اس موقع پر مزارِ اقدس پر حاضری دیتے۔ چڑھاوے چڑھاتے اور دعائیں مانگتے۔ خواجہ صاحبؒ کی برکت سے اللہ تعالےٰ سب کی دعائیں پوری کرتا۔

عرس رجب المرجب:۔ دوسرا سالانہ عرس مبارک ۱۵ رجب سے ۱۷ رجب حضرت خواجہؒ کے ایام وفات پر منعقد ہوتا تھا۔ اس عرس کا افتتاح ۱۵ رجب کو صبح رسمِ غسل مزار پاک سے ہوتا تھا۔ غسل کیوقت کلمہ شریف کا ذکر بالجہر ہوتا۔ اسوقت انوار و برکات کا نزول ہوتا۔ غسل کی تقریب کے بعد درگاہ شریف کے اندرونی صحن میں مجلسِ سماع منعقد ہوتی۔ جسمیں درگاہ شریف کے مشہور قوال مبارک علی خاں۔ فتح علی خاں اور ساتھی حضرت امیر خسروؒ کا کلام اور رنگ پیش کرتے۔ اس رنگ و نور کی محفل میں جذب و سرور کی کیفیات طاری ہوتیں۔ اہلِ دل حضرات اس محفل میں خلوص سے حصہ لیتے

اسکے بعد دو روز تک درگاہ شریف کے بیرونی میدان میں دن رات کے اوقات میں مجالس قوالی منعقد ہوتیں جسمیں بستی جالندھر کے مشہور قوال فتح علی خاں مبارک علی خاں اور ساتھی۔ پیر داد قوال اور ساتھی۔ مصری خاں۔ دین محمد۔ احمد دین قوال اور ساتھی کے علاوہ مواضعات جالندھر اور گرد و نواح کے بہت سے قوال حصہ لیتے۔ دو روز تک درگاہ شریف میں عوام اور زائرین کا ہجوم رہتا۔ دونوں روز دو وقت لنگر جاری رہتا۔

۱۷ رجب کو سجادہ نشین درگاہ عالیہ کی رہائش گاہ پر عرس کا اہتمام ہوتا۔ اور سجادہ نشین کیطرف سے لنگر کا انتظام ہوتا تھا۔ سہ پہر کو سجادہ نشین صاحب کی بیٹھک کے آگے وسیع میدان

میں خصوصی محفلِ سماع منعقد ہوتی جسمیں اہلِ ذوق حضرات۔ صوفیاء اور معززینِ شہر شرکت کرتے۔ فتح علی خاں۔ مبارک علی خاں قوال بزرگانِ دین اور صوفیائے کرام کا عارفانہ کلام پیش کرتے۔ عصر کے بعد جلوسِ چادر قوالی کے ساتھ بازاروں میں سے ہوتا ہوا بڑی عظمت و شان سے مزارِ اقدس پر لیجایا جاتا۔ رسمِ غلاف پوشی ذکر و اذکار کے ساتھ ادا ہوتی اور دعا کے بعد عرس پاک کا اختتام ہوتا۔

اولیائے عظام اور صوفیائے کرام کی زیارت گاہ

کبائر اولیاء اللہ متقدمین و متاخرین نے اپنے اپنے زمانہ میں مزارِ اقدس امام موصوفؒ پر حاضری دی ہے اور معتکف رہے ہیں۔ ان میں سے سلطان العارفین حضرت باوا فرید الدین مسعود گنجشکر چشتی اجودھنی قدس سرہٗ العزیز خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔

(۱)۔ حضرت باوا صاحب قدس سرہٗ نے مزارِ اقدس حضرت امام صاحبؒ پر چلہ کشی کی ہے اور روحانی فیوض و برکات حاصل کئے ہیں۔ حجرہ چلہ کشی حضرت باوا صاحبؒ درگاہ شریف کے اندرونی صحن میں دائیں جانب موجود ہے۔ جسمیں متعدد بزرگان متاخرین نے بھی چلہ کشی کی ہے۔

(۲)۔ خواجہ بزرگ سلطان الہند غریب نواز حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری چشتی قدس سرہ العزیز کے تذکروں سے پتہ چلتا ہے کہ آپؒ جب کفرستانِ ہند میں انوار و برکات بکھیرنے کیلئے تشریف لائے۔ تو غزنی سے قندھار۔ چمن۔ کوئٹہ اور ملتان ہوتے ہوئے لاھور آئے اور حضرت شیخ ابوالحسن علی ھجویری قدس سرہٗ العزیز کے مزار پُر انوار پر چلہ کشی فرمائی اور حضرت داتا صاحبؒ کی شان میں کلام فرمایا۔ ؎

گنج بخشِ فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا ناقصاں را پیرِ کامل کاملاں را رھنما

بعد لاہور سے براستہ دھلی اجمیر جاتے ہوئے آپؒ نے امرتسر اور جالندھر میں بھی قیام فرمایا۔ جالندھر میں حضرت خواجہ امام پاکؒ کے مزار کے گنبد کے اندرونی حصہ میں ایک فارسی شعر جلی حروف میں کندہ ہے۔ جو حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے طرزِ کلام کی عکاسی کرتا ہے۔ ؎

امامِ مظہرِ حق پادشاہ ناصرِ دینؒ حبیبِ خاصِ خدا نائبِ رسولِ امینؐ

جس سے غالب گمان ہوتا ہے کہ حضور غریب نوازؒ نے درگاہِ امام پاک پر حاضری دی ہے۔ بعد کی کچھ روایات سے اس کی تصدیق بھی ہوتی ہے۔ چند مشہور روایات بیان کی جاتی ہیں:۔

(۱) حضرت باباعمر بخش صاحبؒ سجادہ نشین درگاہِ ناصریہؒ کے زمانہ میں بستی شیخ درویش جالندھر سے ایک ایک شخص منگر کے بعد دیگ کا سامان لیکر اجمیر شریف میں دربارِ گُہربار حضرت خواجہ غریب نوازؒ پر نیاز دینے کی غرض سے حاضر ہُوا - وہاں رات کو اُسے حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی زیارت ہوئی - خواجۂ بزرگؒ نے اُس سے پُوچھا کہ "تُو کہاں سے آیا ہے؟" اُس نے عرض کیا کہ "حضور! میں جالندھر سے نیاز لیکر حاضر ہُوا ہُوں"۔ تو حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ "جالندھر شہر کے والی حضرت خواجہ امام ناصرالدینؒ ہمارے مُقتداء ہیں - ہم نے بھی اس درگاہ پاک سے رُوحانی فیوض حاصل کئے ہیں - تُم یہ نذرانہ (دیگ کا سامان) جالندھر میں حضرت امام صاحبؒ کے مزار پر لے جاؤ - تُمہاری نیاز وہیں قبول ہوگی" چنانچہ وہ شخص دیگ کا سامان لیکر درگاہ حضرت امام ناصرالدینؒ میں حاضر ہُوا - اور حضرت باباعُمر بخش سے واقعہ بیان کیا - پھر دیگ پکوا کر تقسیم کی گئی -

(۲) ماسٹر نذیر احمد ناصری قریشی نے یہ واقعہ بیان کیا ہے - کہ "ایکمرتبہ عُرس شریف ۱۵ رجب بموقعہ پچھلی رات کیوقت فتح علی خاں مُبارک علی خاں قوالی پیش کر رہے تھے - مَیں نے دیکھا کہ ایک قلندر صُورت درویش مزارِ اقدس حضرت امام صاحبؒ پر آیا - اَور بعد عقیدت و احترام مزار شریف کو چُوما - میں خاص طور پر اُس کی طرف متوجہ رہا - اَور دیکھا کہ وہ مزار شریف کے گرد گھُومتا رہا - اور کئی جگہ پر مراقبہ میں بیٹھا - اَور حجرہ چِلّہ کشی حضرت باوا صاحبؒ میں بھی مراقبہ میں بیٹھا رہا - مگر وُہ مضطرب اَور پریشان دکھائی دیا - مَیں نے اُس سے احوال پُوچھا - تو اُس نے بتایا کہ وہ مزار حضرت امام پاکؒ پر خاص کام سے حاضر ہُوا ہے اَور یہ بھی بتایا کہ معلوم نہیں اُسے کتنے دن ٹھہرنا پڑے - پھر اپنی گٹھڑی میرے پاس رکھدی اَور سجّادہ نشین سے ملنے کی خواہش بھی ظاہر کی - بعد میں مَیں نے اُسے مزار شریف کی مغربی محراب میں مراقب بیٹھے دیکھا - کچھ دیر بعد جبکہ مَیں اُسوقت قوالی کی محفل میں بیٹھا تھا - کہ رات کے دو اڑھائی بجے وہ ہشاش بشاش میرے پاس آیا - اَور اپنی گٹھڑی طلب کی اَور جانے کی اجازت چاہی - مَیں نے درخواست کی اب آدھی رات ہو چکی ہے آپ ہمارے ہاں رات گذاریں اَور صبح چلے جائیں - اُس نے معذرت چاہی - اَور کہا کہ "میں اجمیر شریف سے بحکم حضرت خواجہ غریب نوازؒ یہاں حضرت خواجہ امام صاحبؒ سے حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی عطا کردہ سندِ ولایت پر مُہر لگوانے حاضر ہُوا تھا - اب میرا کام حضرت امامؒ کی عنایتِ خسروانہ سے ہو گیا ہے - مجھے یہاں ٹھہرنے کی اجازت نہیں - لہٰذا مَیں واپس جا رہا ہُوں" یہ کہکر وُہ درویش اپنی گٹھڑی لیکر چلدیا - اَور تھوڑی دُور جاکر نظروں سے رُوپوش ہوگیا -"

(۳) حضرت اکبر شاہ صاحب وارثیؒ مرحوم نے بھی اپنی نظم "سخی سرکار" میں حضرت امام صاحبؒ کی مدح میں ایک قطعہ لکھا ہے جو حضرت خواجہ اجمیریؒ غریب نواز کی دربار امامؒ میں تشریف آوری کیطرف اشارہ کرتا ہے

اودھر مسجد رحمانی ایدھر روضہ نُورانی — ایہہ کولو کول عجیب دربار نے دو

درمعین الدینؒ دا - روضہ ناصرالدینؒ دا — ٹھنڈے وچ جالندھر دیدار نے دو

(۳) حضرت حافظ باقرؒ (جن کا مزار بیرون دروازہ پنج پیر جالندھر شہر ہے) جالندھر کے ایک بزرگ سادات گھرانے کے چشم چراغ تھے - اَور اپنے وقت کے اولیائے کرام میں مانے جاتے تھے - آپ اکثر و بیشتر حضرت امام صاحبؒ کے مزارِ اقدس پر حاضر ہو کر اکتسابِ فیوض کرتے رہتے ہیں - آپکے حصولِ فیضان کا ایک واقعہ مشہور و مستند چلا آرہا ہے - روایت ہے کہ زمانہ طالبعلمی میں آپ کو قرآن حفظ کرنے کا بڑا شوق تھا - مگر حافظہ کمزور ہونیکی وجہ جو کچھ حفظ کرتے بھُول جاتے تھے - اَور انتہا پریشان رہا کرتے تھے - اکثر درگاہ شریف میں حاضر ہو کر دُعا بھی کرتے - ایکدن آپ نہایت ہی الحاح و زاری سے مزارِ اقدس پر بیٹھے دُعا مانگ رہے تھے کہ آپ پر نیند کا غلبہ طاری ہو گیا - اِسی حالتِ استغراق میں دیکھتے ہیں کہ حضرت خواجہؒ مزار سے باہر آئے اَور حافظ باقرؒ کے مُنہ میں اپنا لعابِ دہن ڈالدیا - جب آپ حالتِ استغراق سے باہر آئے تو حافظِ قرآن بن چکے تھے -

(یہ واقعہ حافظ باقرؒ صاحب کی اولاد میں سے مشہور عالم مفتی عبدالقیوم صاحب کے ذریعہ ملا)

(۴)

حضرت خواجہ حاجی محمود صاحب نقشبندی قدس سرّہٗ

جالندھر شہر میں سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے ایک بلند مرتبہ شیخ حضرت خواجہ حاجی محمود صاحبؒ کا سلسلہ ارادت بڑا وسیع تھا - خلیفہ محمد صدیق صاحب ناقشبندی نے اپنے دادا بابا عمر بخش صاحبؒ سے روایت کی ہے - کہ جب حاجی صاحب جالندھر تشریف لائے - تو حضرت خواجہ امام پاکؒ کے مزار اقدس پر معتکف ہوئے - اتفاقاً اُسوقت کے متولیان درگاہ میں سے کسی نے آپ کے خورد و نوش کی طرف توجّہ نہ دی - تین دن گذرے تو اُسوقت کے سجّادہ نشین حضرت بابا بسنت شاہ صاحبؒ کو خواب میں خواجہ صاحبؒ کی زیارت ہوئی - خواجہؒ نے فرمایا کہ "میرے گھر ایک بزرگ مہمان آیا ہے - تین دن ہوئے اُس کے خورد و نوش کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا" چنانچہ

ط۱ : باباعمر بخش صاحبؒ کے دادا

سجادہ نشین مذکور نے حضرت حاجی صاحبؒ کے خورد و نوش کا انتظام کیا۔

میرے برادرِ بزرگ حضرت خواجہ محمد اسلم نقشبندی مجددی مدظلہ (اچھرہ - لاہور) نے روایت کی ہے ۔ کہ حضرت حاجی محمود صاحبؒ افغانستان سے تشریف لائے تھے۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے اپنی سوانحِ عمری میں لکھا ہے۔ کہ آپ مزارِ اقدس حضرت امامؒ پر تین دن تک معتکف رہے ۔ تیسرے دن حضرت امام صاحبؒ کی زیارت ہوئی ۔ حضرت خواجہ امام صاحبؒ نے فرمایا۔ کہ "ہم نے تمہارا جھنڈا بلند کر دیا"۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے عرض کی کہ تین دن سے تو مجھے کھانے کا بھی نہیں پوچھا"۔ تین دن کے بعد کیفیت یہ ہوئی کہ گرد و نواح سے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے ۔ ہر ایک کا یہی اصرار تھا کہ آپ کو اپنے گھر لے جائے ۔ آخر ایک جولاہے کو یہ سعادت ملی۔ وہ آپؒ کو اپنے گھر لے گیا۔ اور اپنی حویلی حضرت حاجی صاحبؒ کے نام وقف کر دی۔ جہاں آپ ساری عمر رہائش پذیر رہے ۔ (یہ حویلی محلہ بڑی عالی جالندھر میں ہے)

حضرت حاجی محمود صاحبؒ نے اپنی سوانحِ عمری میں یہ بھی تحریر فرمایا ہے۔ کہ آپ نے حضرت خواجہ امامؒ کی روحِ پاک سے بیشمار ظاہری و باطنی فیوض حاصل کئے ۔ جس سے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کو بڑی تقویت اور مقبولیت حاصل ہوئی +

(۱) حضرت خواجہ حاجی محمود صاحبؒ کے خلفاء میں سے حضرت خواجہ قادر بخش صاحبؒ کا حلقۂ ارادت جالندھر شہر اور گرد و نواح میں بڑا وسیع ہوا۔ اور سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کو آپؒ کی ذات سے بڑی تقویت ملی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت خواجہ قادر بخش صاحبؒ پولیس میں تھانیدار تھے۔ آپ نے ہوشیارپور میں حضرت خواجہ محمد شریف صاحبؒ قندھاری نقشبندی (جن کا مزار اقدس سرہند شریف میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے آستانۂ عالیہ کے حلقہ میں بتایا جاتا ہے) کی صحبت میں سلسلۂ عالیہ میں تربیت حاصل کی۔ اور حسبِ ہدایت حضرت خواجہ محمد شریف صاحبؒ حضرت حاجی محمود صاحبؒ سے بیعت کی اور جملہ سلوکِ مجددیہ میں تکمیل کر کے مسندِ ارشاد پر فائز ہوئے ۔ آپ کے بعد آپ کے خلیفہ حضرت سائیں توکّل شاہ صاحبؒ انبالوی سے سلسلۂ عالیہ کو مزید وسعت و مقبولیت حاصل ہوئی۔ حضرت خواجہ قادر بخش صاحبؒ کے صاحبزادہ حضرت عبدالخالق صاحبؒ (جو آپؒ کی وفات پر عہدِ طفولیت میں تھے) آپؒ کی ہدایت کے مطابق حضرت سائیں توکّل شاہ صاحبؒ کی روحانی تربیت

میں رہے۔ اور سائیں صاحبؒ نے آپ کو حضرت خواجہ حاجی محمود صاحبؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت کرا دیا۔ اور حاجی صاحبؒ سے تکمیل سلوک و مقامات مجددیہ کر کے مسندِ ارشاد پر فائز ہوئے۔ حضرت خواجہ عبدالخالقؒ کے ذریعہ ہوشیارپور اور گرد و نواح میں سلسلۂ عالیہ کو بڑی وسعت ہوئی۔ آپ کا روضہ مبارک مضافات ہوشیارپور میں مرجع خلائق ہے ۔ جو بستی میاں عبدالخالق کے نام سے مشہور ہے ۔ (حضرت خواجہ میاں قادر بخش صاحبؒ کا مرقدِ مبارک بستی جہاں خیلاں جالندھر میں مرجعِ خلائق ہے)

(۲) حضرت خواجہ قادر بخش صاحبؒ کے ارادتمندوں اور خلفاء میں سے حضرت خواجہ محمد عثمان بٹ صاحبؒ (بابو جلال الدین صاحب بٹ کے والد ماجد) حضرت میاں نبی بخش صاحبؒ - اور میاں حسین بخش صاحبؒ بڑے صاحب مقام و مرتبہ بزرگ گذرے ہیں ۔ یہ بزرگ حضرت خواجہ قادر بخش کے وصال کے بعد حضرت خواجہ حاجی محمود صاحبؒ سے اخذِ فیوض فرماتے رہے ہیں۔ ان بزرگوں کے پاس ایسے باکمال درویش آتے تھے جن پر گمان گذرتا تھا کہ وہ ابدال اور رجال الغیب میں سے ہیں ۔

(۳) حضرت میاں نبی بخش صاحبؒ اور ان کے صاحبزادہ میاں حسین بخش صاحبؒ بستی شیخ جالندھر میں کندھہ کشی کا کام کرتے تھے ۔ بیشمار خلقِ خدا نے ان سے روحانی فیوض حاصل کئے ۔ آپ درگاہ حضرت خواجہ امام ناصر الدین صاحبؒ میں اکثر و بیشتر حاضری دیتے۔ حضرت میاں نبی بخش صاحبؒ کو دیکھا گیا ہے کہ وہ سخت ضعیفی اور نقاہت کے عالم میں جبکہ آپ کی عمر سو سال سے اوپر ہو چکی تھی۔ آپ نے مسجد حضرت امام صاحبؒ میں ظہر کی نماز با جماعت ادا فرمائی - ان سے مخلوقِ خدا کو بے حد فیوض حاصل ہوئے ۔

(۴) حضرت میاں حسین بخش صاحبؒ بڑی بلند مرتبہ شخصیت کے مالک تھے اور صاحبِ تصرف بزرگوں میں ان کا شمار ہوتا تھا - آپؒ توجہ سے ہی آسیب زدگی دور کر دیا کرتے تھے - آپؒ میرے والد ماجد کے مرشد تھے - میں بچپن میں چند مرتبہ ان کی زیارت کر چکا ہوں - آپؒ کے چہرہ اقدس سے سُکر و جذب اور روحانیت کے انوار پھوٹتے دکھائی دیتے تھے - عجیب مسحور کن اور پُر وقار شخصیت تھی آپؒ کی - میں ناسمجھی کے باوجود ان سے از حد متأثر تھا - ان کی شبیہہ آج بھی میرے

نہاں خانۂ دل میں اپنی روحانی ضیا پاشیوں کے ساتھ ثبت ہیں اور جب بھی آپؒ کی یاد میں اپنے اندر جھانکتا ہوں۔ عجب کیف و وجدان سے سرشار ہو جاتا ہوں۔

ع خدا رحمت کند این عاشقانِ پاک طینت را۔

(۳) حضرت حاجی محمود صاحبؒ کے حلقۂ ارادت میں ایک اور بزرگ حضرت سائیں الّو شاہ صاحبؒ صاحب کمال اصحابِ تصرف میں سے شمار ہوتے تھے۔ ایک واقعہ آپ کے تصرف کا بیان کیا جاتا ہے

"ایک زمیندار اپنے نوجوان بیٹے کو جو بیمار تھا آپ کی خدمت میں لیکر آیا۔ علاج معالجے سے اس لڑکے کو افاقہ نہیں ہوتا تھا۔ سائیں الّو شاہ صاحبؒ نے لڑکے کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا۔ اور فرمایا۔ "اسے چھوڑ دو۔" تین مرتبہ یہی کہا۔ پھر ایک کترن لیکر قینچی سے اسے کاٹ دیا۔ اس کے ساتھ ہی لڑکا بول اٹھا۔ اور کہنے لگا۔ کہ "وہ اسے اٹھا کر لے گئے۔" دوکان میں سب لوگ حیران تھے کہ کیا ماجرا ہے (ان میں میرے والد صاحب بھی تھے) لڑکے نے بتایا کہ وہ ایک جنّنی تھی۔ جو اس پر عاشق تھی۔ اور اس کی طاقت ضائع کرنے کا باعث تھی۔ چونکہ راز فاش ہونے کی صورت میں اس کی زندگی کو خطرہ تھا۔ اسلئے وہ ظاہر کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ والد صاحب نے یہ بھی بتایا۔ کہ اس واقعہ کے بعد وہ لڑکا جنگل میں درخت کے نیچے بیٹھا تھا کہ جنوں نے اس جنّنی (جو زخمی تھی) کی چارپائی اس درخت کے پاس لا کر رکھدی۔ جنّنی نے حسرت بھری نظروں سے لڑکے کو دیکھا اور کہا کہ "میں نے تیرا کیا بگاڑا تھا کہ مجھے یہ سزا دلوائی۔" پھر چارپائی غیب ہو گئی۔ لڑکے کے گلے میں سائیں جیؒ کا دیا ہوا تعویذ تھا اسلئے پھر اسے کوئی گزند نہ پہنچا۔" سائیں الّو شاہ کپورتھلہ میں خیاطی کا کام کرتے تھے۔ والد صاحب سے ان کی اکثر ملاقات ہوتی تھی۔ کپورتھلہ میں بیشمار خلقت آپ کے فیض سے بہرہ مند ہوتی تھی۔

(۴) درگاہ حضرت خواجہ امام ناصر الدین صاحبؒ پر خدا جانے کہاں کہاں سے اور کیسے کیسے مردانِ خدا آتے رہتے تھے۔ پہلی جنگِ عظیم کے موقعہ پر جبکہ جرمنی اپنی فتح و کامرانی کا پرچم ہر طرف لہرا رہا تھا۔ جناب محمد ابراہیم صاحبؒ بٹ (بابو جلال الدین صاحب بٹ کے بڑے بھائی جو تقسیم ہند کے وقت فسادات میں شہید ہو گئے تھے) نے ایک مردِ خدا کو مسجد کے باہر احاطۂ دربار میں یہ کہتے سنا کہ "اوہو! جرمن تباہ ہو گیا۔" ان دنوں یہ بات کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ جرمنی شکست کھا جائے گا۔ بعد میں ریڈیو پر جرمنی کی پسپائی کی خبریں سنی گئیں۔

(ان کے علاوہ جالندھر میں بے شمار اولیائے عظام اور اربابِ کمال گذرے، جنہوں نے درگاہِ امام پاکؒ سے فیضِ باطنی حاصل کئے۔ اور جن کے دم سے جالندھر اور گرد و نواح میں طالبانِ حق کے لئے رشد و ہدایات کے دروازے کھلے۔ ان بزرگوں کے مزارات جالندھر شہر کے چاروں اطراف مرجعِ خلائق رہے ہیں۔ مشرق میں درگاہ حضرت خواجہ حافظ باقر صاحبؒ اور اس سے ملحق پنج پیرؒ کے مزارات ہیں جن کی نسبت سے جالندھر شہر کا ایک بڑا بازار اور محلہ "پنج پیر" کے نام سے موسوم ہے۔

جنوب مشرقی کنارے پر چھاؤنی کی سڑک کے قریب ایک باعظمت درگاہ حضرت سید علیم اللہ شاہ چشتی صاحب قدس سرہٗ کی مرجع خلائق رہی ہے۔ یہ درگاہ بہشتی دروازہ کے نام سے بھی مشہور ہے۔

شمال مشرقی کنارے پر حضرت سید مودودؒ چشتی (جو پیر مودودیؒ کے نام سے مشہور تھے) کا مزار اقدس ہے۔ اور انہی اطراف شمال میں حضرت شاہ سکندر صاحبؒ کا روضہ ہے۔

مغربی اطراف میں بستی جہان خیلاں میں حضرات خواجہ قدر بخش صاحبؒ کا مزار ہے۔ اور قریب ہی بستی شیخ میں حضرت شیخ درویش اور خواجہ محمود صاحب کے مزارات ہیں اور انہی بستیوں میں حضرت میاں نبی بخش صاحبؒ اور حضرت میاں حسین بخش صاحبؒ کے مزارات ہیں۔

درگاہ حضرت خواجہ امام ناصر الدینؒ کے قرب میں جنوب کی طرف بانسانوالہ بازار میں حضرت ہاشم شہید صاحبؒ کا مزارِ اقدس ہے۔ درگاہ امامؒ کے قریب ہی جنوب میں شاہ نتھا دیوان اور شمال مشرق میں شاہ عنایت ولیؒ کے مزارات مشہور ہیں)

(۵) جالندھر شہر سے پندرہ میل پر قصبہ منڈھالی میں ایک بزرگ صاحبِ ولایت و کرامات حضرت عبداللہ شاہ صاحب علیہ الرحمۃ رہتے تھے۔ جن کی بزرگی اور فیضان کا شہرہ گرد و نواح میں تھا۔ آپ اکثر پیدل چل کر روضہ اقدس حضرت خواجہ امامؒ پر بصد عقیدت زیارت کے لئے تشریف لاتے۔ اور جب واپس ہوتے۔ تو بتقاضائے ادب، پچھلے قدموں سے چل کر درگاہ شریف کی حدود سے باہر آتے۔ کہ مزارِ اقدس کی طرف پشت نہ ہو جائے۔

(۶) حضرت خلیفہ محمد صدیق صاحب ناصری مدظلہ نے اپنے والد سے روایت کی ہے۔ کہ ایک خدا رسیدہ بزرگ (جن کا نام انہیں یاد نہیں رہا) نے مزار اقدس پر حاضری دی اور اعتکاف کیا۔ اور

نہایت عاجزی اور خشوع و خضوع سے حضرت خواجہؒ کی شان میں مدح و منقبت پیش کی۔

مدح

خود سخی ابنِ سخی واہ ناصرؒ سرکار ہے — آپ کا دربار بھی دربارِ گوہر بار ہے
میرے حق میں اب شاہا کیا دیر ہے — مصطفیٰؐ نانا تیرا دادا خدا کا شیر ہے

منقبت

لگا کے آیا ہوں میں آس یا غریب نوازؒ — مٹا یئے نہ میری لاکھ یا غریب نوازؒ
درِ حضور سے جاؤں گا میں نہ خالی ہاتھ — کہ میں غریب ہوں خواجہؒ میرے غریب نواز
قسم خدا کی کہ لیکے ہی آج جاؤں گا — بھرے گا کون یہ دامن میرا غریب نوازؒ

کہ میں غریب ہوں ناصرؒ میرے غریب نواز

کہ میں غریب ہوں خواجہؒ میرے غریب نواز

(۷) مشہور و معروف بزرگ شاعر جناب مولانا گرامیؒ ہوشیار پوری اکثر جالندھر تشریف لاتے۔ اور مزار اقدس حضرت امام صاحبؒ پر حاضری دیتے۔ ایک دفعہ ماسٹر رحیم بخش صاحب سجادہ نشین درگاہِ موصوفؒ نے مولانا گرامی سے فرمائش کی کہ حضرت امام پاکؒ کی شان میں کچھ سخن فرمائیے۔ تو گرامی صاحب نے یہ رُباعی برجستہ پیش کی۔

رُباعی

روضہ بجالندھرش — چرخ بگردِ سرش
سیدِ چشتی ولی — حضرتِ ناصرؒ امام

(۸) جالندھر کے ایک مشہور و معروف صوفی شاعر جناب سید میراں شاہ صاحبؒ جن کا جالندھر اور گرد و نواح میں بڑا شہرہ تھا) نے حضرت امام صاحبؒ کی شان میں متعدد درجہ کلام لکھا ہے۔ اس

میں سے ایک مشہور منقبت جو زبان زدِ خاص و عام تھی پیش کی جاتی ہے:۔

منقبت

یا امام ناصرالدینؒ ناصرِ اسلام حق — اپنے درسِ پاک سے للّٰہ عطا کیجے سبق
خوفِ محشر سے ہے میری جان لرزاں اور جگر شق — ہے تمنا آپ کے قدموں میں ہووے جان بحق

اس لیے آیا ہے احقر آپ کے دربار میں

نام ہے ناصر میرا بندہ کو نصرت دیجئے — دشمنوں کا زور ہے بندہ نوازی کیجئے
سخت مشکل آ پڑی ہے مشکل کشائی کیجئے — بوجھ عیبوں کا ہے بھاری آبرو رکھ لیجئے

روح و تن قربان ہیں آقا تیری سرکار میں

یا جنابِ پیر غالی سیدِ والا مقام — ہے تیرا دربارِ اقدس فیض بخشِ خاص و عام
تو ہے میرا پیر آقا میں تیرا عاجز غلام — باعثِ بخشش تیرا عالم میں ہے مشہور نام

مانگنے آیا ہوں تیرے روضہ گوہر بار میں

بارِ عیبوں کے سبب سے حال میرا ہے خراب — کر دو سائل کی سفارش پیش مولا یا جناب
میں تو ہوں اک خشک کھیتی آپ رحمت کے سحاب — کر عطا رحمت کا پانی دور ہووے سب عذاب

کیوں رہے جلتا یہ عاجز معصیت کی نار میں

دو جہاں میں سرخرو بندہ کو فرماؤ حضور — دل ہو راغب پیش مولا دور ہو سارا فتور
دل کا غنچہ ہو شگفتہ روشنی کا ہو ظہور — نفس کا جب قفس ٹوٹے روح کو راحت ہو حضور

خاتمہ بالخیر عاجز کا ہو ذکرِ یار میں

(حضرت میراں شاہؒ جالندھری)

(۹) سلسلۂ عالیہ قادریہ کے ایک صاحبِ حال اور صاحبِ مقام بزرگ حضرت بابا سائیں میراں شاہ صاحبؒ (دسوہہ شریف) درگاہِ امام پاکؒ پر اکثر حاضری دیتے اور مہینہ مہینہ بھر علاوہ حضرت امام صاحبؒ میں قیام فرماتے تھے۔ آپ کو حضرت خواجہ امامؒ سے والہانہ عقیدت تھی۔ عرس شریف کے موقعوں پر مجالسِ سماع و ذکر میں بالالتزام شرکت فرماتے تھے۔ (آپ ماسٹر رحیم بخش صاحبؒ سجادہ نشین اور میرے ماموں سائیں فضل دینؒ کے مرشد بھی تھے۔ حضرت بابا میراں شاہ صاحبؒ کا حلقۂ ارادت حضرت خواجہ صاحبؒ کی برکت سے جالندھر اور گرد و نواح میں بڑا وسیع ہوا۔ آپ اس صدی کے اوائل سے اپنی وفات (۱۹۴۰) تک جالندھر تشریف لاتے رہے۔ ضمناً چند سطور حضرت باباجیؒ کے حالات پر مبنی خدمت ہیں۔

حضرت بابا سائیں میراں شاہ صاحب قادری قدس سرہٗ

حضرت بابا سائیں میراں شاہ صاحبؒ سلسلۂ طریقت قادریہ میں حضرت شیخ پیر حسین شاہ صاحب قدس سرہٗ کے خلفاء میں بلند مقام پر فائز تھے۔ آپ کا وطن مالوف رہانہ ضلع ہوشیارپور تھا بعد میں آپ نے تحصیل دسوہہ ضلع ہوشیارپور میں مستقل طور پر اقامت فرمائی تھی۔ آپ کا آستانہ (تکیہ بابا میراں شاہ) دسوہہ ریلوے سٹیشن سے ملحق ہے۔ جہاں آپ کا مزار مبارک مرجعِ خلائق ہے۔

حضرت باباجیؒ ایک صاحبِ تصرف، صاحبِ مقام بزرگ اور سیف زبان درویش تھے۔ اکثر جذب و سکر کی حالت میں رہتے۔ اس حالت میں آپ کی زبانِ مبارک سے جو بات نکل جاتی بارگاہِ ایزدی میں شرفِ قبولیت پاتی۔

بمصداق حدیث پاک کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ

"بہت سے میلے کچیلے کپڑوں والے اور پراگندہ بالوں والے اگر کسی معاملہ میں قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ اس قسم کو ضرور پورا فرما دیتا ہے۔"

جناب بابو جلال الدین صاحب بٹ مدظلہٗ نے اسلام آباد سے ایک مکتوب میں حضرت باباجیؒ کے بارہ میں اپنے تاثرات کا اظہار اس طرح کیا ہے:-

"حضرت بابا میراں شاہ صاحبؒ کی مستقل اقامتگاہ موضع رہانہ ضلع ہوشیارپور میں تھی۔ آپؒ جب جالندھر تشریف لاتے تو اپنے مرید ماسٹر رحیم بخش صاحبؒ سجادہ نشین

درگاہ حضرت امام ناصر الدینؒ) کے ہاں قیام پذیر ہوتے۔ آپؒ سماع کے بہت شائق تھے۔ قوالی میں آپ جب "توں تاں میرا یار نہ ملایا میں کی جاناں تیری وے خدائی" سنتے تو زار و قطار روتے اور آپ پر وجد کی حالت طاری ہو جاتی۔ آپ اہلِ درد، ایثار اور اخلاص پیشہ فقراء میں سے تھے۔ آپ پر مستی طاری رہتی تھی۔ با جماعت نماز میں اگر آپ کو وضو کرنے کی ضرورت لاحق ہوتی تو آپ اپنی جگہ سے نکل کر مسجد کی نالی پر آتے اور وضو کرنے کے بعد اپنی جگہ پر جا کر قائم ہو جاتے۔ اسی طرح ماہ رمضان المبارک میں بحالتِ روزہ حقہ نوشی کر لیتے۔ اور جب کوئی پوچھتا کہ حقہ نوشی سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے تو نہایت سادگی سے فرماتے۔ "نہیں بیٹا! دھوئیں سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔" یہ لوگ سچے خدا پرست اور انسان دوست تھے۔ ان کا دامن ریاکاری اور دنیا پرستی کے داغ سے پاک و صاف تھا۔

ع اب انہیں ڈھونڈھ چراغِ رخِ زیبا لیکر

مورخہ 1 8/78 جلال الدین بٹ (اسلام آباد)

باباجیؒ کا حلقۂ ارادت دسوہہ شریف اور گرد و نواح میں بڑا وسیع تھا۔ جالندھر شہر میں آپؒ کا بہت چرچا تھا۔ آپ کی کشش روحانی اور باطنی تصرفات سے شہر کے بہت سے گھرانے آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ آپ سے بیشمار خوارقِ عادات سرزد ہوئیں۔ اس رسالہ میں بخوفِ طوالت آپ کی کرامات و تصرفات ضبطِ تحریر میں نہیں لائی جا سکتیں۔ اسکے لئے آپ "ذکرِ پاکاں" کے پہلے ایڈیشن کی طرف رجوع فرمائیں۔

باباجیؒ کی وفات ۱۹۴۰ء میں دسوہہ شریف میں ہوئی اور آپ کا مزار تکیہ دسوہہ شریف میں مرجعِ خلائق ہے۔

(۱۰) حضرت مولانا نواب الدین صاحب چشتی صابریؒ۔ جن کا شمار اپنے زمانہ کے متبحر علماء فضلاء اور صوفیاء میں ہوتا ہے۔ اس صدی کے شروع سے اپنے آخر زمانہ ۱۹۴۶ء تک درگاہ اقدس حضرت امام پاکؒ میں تشریف لاتے رہے۔ اور درگاہ اقدس پر مختلف بھی،

اور مہینہ مہینہ بھر ہیڈ ماسٹر رحیم بخش صاحب رح (سجادہ نشین) میں قیام فرماتے۔ آپ رح کو حضرت امام پاک رح سے بڑی عقیدت تھی۔ حضرت امام صاحب رح کی برکت سے آپ کو جالندھر اور گرد و نواح میں بڑی شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ اور بیشمار بندگان خدا آپ سے فیضیاب ہوئے۔ آپ رح خلیفہ محمد صدیق صاحب ناصری (سجادہ نشین) کے مرشد بھی تھے آپ کا تفصیلی طور پر ذکرِ خیر اس کتاب کے حصہ دوم میں کیا گیا ہے۔

(۱۱) میرے شیخ حضرت خواجہ محمد فضل علی قریشی رح نقشبندی مجددی اور مرشدنا حضرت حافظ اللہ بچایا صاحب رح نقشبندی مجددی بھی اسی زمانہ سے جالندھر تشریف لاتے تھے اور اپنے طویل قیام میں درگاہ شریف پر مراقبات کرتے۔ اور حضرت امام رح سے اکتساب فیوض کرتے رہے۔ اِن بزرگوں سے بیشمار بندگان خدا کو رُشد و ہدایت نصیب ہوئی۔ اور حضرت خواجہ رح کی برکت سے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کو جالندھر میں بڑی وسعت و مقبولیت حاصل ہوئی۔ اِن بزرگوں کے کچھ حالات حضرت امام صاحب رح کے حالات میں "تصرفات و کرامات" کے زیرِ عنوان تحریر کئے گئے ہیں۔ اِن بزرگوں کے تفصیلی حالات علیحدہ رسالہ میں شائع کرنے کا ارادہ ہے (انشاءاللہ) اسلئے یہاں ضمناً اِن برگزیدگان کے تعارف میں چند سطور پر ہی اکتفا کرتا ہوں۔ جو درج ذیل ہیں۔

حضرت خواجہ محمد فضل علی قریشی ہاشمی عباسی قدس سرہٗ العزیز

حضرت غریب نواز خواجہ محمد فضل علی قریشی قدس سرہٗ کے آباؤاجداد عباسی یلغار کیساتھ عرب سے سندھ میں اور وہاں سے میانوالی کے ضلع میں آکر آباد ہو گئے۔ داؤد پوترے ہونیکی وجہ سے اس بستی کا نام داؤد خیل ہو گیا۔ آپ کی ولادت داؤد خیل میں ۱۲۷۰ھ میں ہوئی۔ آپکے والد ماجد کا نام سید فرزند علی تھا۔ داؤد خیل سے آپ رح نے ہجرت کر کے ضلع مظفر گڑھ میں جتوئی کے مقام پر ایک بستی آباد کی اور اس کا نام فقیر پور شریف رکھا۔ بعد میں عوام کی سہولت کیلئے وہ جگہ بھی چھوڑ دی اور دریائے چناب کے قریب سندھ کے پرلے پہاڑ پر بیڑا ہ اور ڈھنڈوں کے درمیان مسکین پور شریف (نزد موضع حمزہ والی ضلع مظفر گڑھ) کے نام سے ایک مقام آباد کیا۔ اور آخر دم تک وہیں رہے۔ آپ کی وفات ۸۴ سال کی عمر میں یکم رمضان المبارک ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۸ نومبر ۱۹۳۵ء کو ہوئی۔

آپ رح نے سلسلۂ طریقت نقشبندیہ مجددیہ میں حضرت خواجہ محمد عثمان دامانی قدس سرہٗ کے خلیفہ اوّل حضرت سید لعل شاہ ہمدانی (ندوی) قدس سرہٗ سے بیعت حاصل کی۔ ابھی سلوک نا تمام تھا کہ حضرت خواجہ لعل شاہ ہمدانی رح وفات پا گئے۔ آپ بیحد مغموم ہوئے اور آہ و زاری کرنے لگے آپ رح کی حالت دیکھ کر حضرت خواجہ محمد عثمان دامانی رح کے صاحبزادہ حضرت خواجہ مولانا سراج الدین قدس سرہٗ العزیز اپنے ساتھ موسیٰ زئی شریف لے گئے اور از سر نو بیعت کر کے سلوک مجددیہ کی تکمیل کرائی اور خلافت اور اجازت نامہ سے سرفراز کیا۔

حضرت خواجہ غریب نواز رح کا سلسلۂ ارشاد سندھ و پنجاب سے دہلی تک پھیلا ہوا تھا۔ آپ اس صدی کے شروع ہی سے جالندھر تشریف لاتے اور ڈپٹی فیض بخش مرحوم کی رہائش گاہ پر ٹھہرتے۔ آپ رح اکثر اپنے ارادتمندوں اور خلفاء کیساتھ مزارِ اقدس حضرت خواجہ امام ناصر الدین رح پر ذکر و جذبہ کی فضا میں حاضری دیتے۔ آپ کے ساتھ آپ کے خلفائے اعظم میں سے حضرت خواجہ حافظ اللہ بچایا صاحب رح بھی ہوتے جو بسا اوقات مزار حضرت امام پاک رح پر مراقبہ فرماتے اور کشف قبور کے ذریعہ ہمکلام ہوتے۔ چونکہ حضرت خواجہ غریب نواز محمد فضل علی قریشی قدس سرہٗ بہت ضعیف تھے۔ اور سفر کی صعوبتیں برداشت نہ کر سکتے تھے۔ اسلئے اُنہوں نے حضرت حافظ اللہ بچایا صاحب رح کو جالندھر کے لوگوں کی تربیت کیلئے اپنا خلیفہ نامزد کر دیا تھا۔

حضرت خواجہ حافظ اللہ بچایا صاحب قدس سرہٗ العزیز

مجددِ دوران خواجہ غریب نواز خواجہ محمد فضل علی قریشی ہاشمی عباسی قدس سرہٗ العزیز نے قریباً ۱۱۰ خلفاء کو طریقہ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں تعلیم و تربیت کیلئے اجازت فرمائی اور بیسیوں کو اعلیٰ مقاماتِ مجددیہ تک پہنچایا۔ مگر حضرت حافظ صاحب رح پر اعلیحضرت رح کی خاص نوازشات اور توجہات تھیں۔ کہ حضرت خواجہ غریب نواز رح کے بعد حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعے سے اس سلسلۂ عالیہ کو جالندھر میں خاصی شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ آپ رح کی تبلیغ سے جالندھر اور گرد و نواح کے لوگوں نے استفادہ کیا اور راہِ ہدایت پائی۔ دیگر آپ کا ارشاد تمام پنجاب میں پھیلا

جالندھر میں قیام کے دوران حضرت حافظ صاحب رح روزانہ مزارِ اقدس حضرت امام صاحب رح پر حاضری دیتے اور مراقبہ فرماتے اور بعد نماز مغرب روزانہ حلقۂ ذکر بطریقہ نقشبندیہ منعقد کرتے اور ارادتمندوں کی کثیر تعداد اس میں شرکت کرتی۔ ذکر کی حالت میں آپ توجہ دیتے تو اہلِ حلقہ پر وجد طاری ہو جاتا اور بعض جذبہ کی حالت میں زمین پر لوٹتے اور تڑپتے۔ بسا اوقات مسجد سے باہر کھڑے ہوئے تماشائی بھی سحر زدہ ہو جاتے۔ آپ رح توجہ دیتے وقت قرآنِ مجید کی آیات تلاوت فرماتے جس سے حلاوتِ قلبی میں اضافہ ہوتا۔ شجرہ خواجگان پڑھتے جس سے خواجگانِ سلسلہ کی ارواح کے فیوض حاصل ہوتے۔ مثنوی مولانا روم کے اشعار، سلطان باہو رح اور خواجہ فرید کا کلام پڑھتے جس سے ذاکرین پر محویت طاری ہو جاتی۔

جالندھر شہر میں حضرت حافظ صاحب رح کے احوال پر بابو جلال الدین بٹ صاحب اسلام آباد سے ایک مکتوب میں اپنے تاثرات کا یوں اظہار کرتے ہیں۔

حضرت حافظ اللہ بچایا صاحب رح اور ذکر فکر کی کچھ یادیں

حضرت خواجہ محمد فضل علی قریشی رح سلسلۂ نقشبندیہ کے ایک کامل شیخ طریقت گذرے ہیں۔ ہندوستان میں کوئی جگہ آپ کے خلفاء سے خالی نہ تھی۔ جالندھر والوں کی روحانی تربیت کیلئے آپ رح نے حضرت حافظ اللہ بچایا صاحب (مطیع پور شریف موضع عبداللہ پور ضلع بہاولپور) کو مقرر فرمایا تھا جو سال بھر میں ایک دو ماہ کیلئے جالندھر تشریف لاتے اور محلہ حضرت امام ناصر الدین رح میں بابو علی شیر قریشی کی بیٹھک کے چوبارہ میں قیام پذیر ہوتے۔ اور مسجد درگاہ حضرت امام موصوف رح میں بعد نماز مغرب مجلسِ ذکر قائم کرتے۔ جسمیں شامل ہونیوالے آپ رح کیساتھ حلقہ باندھ کر بیٹھ جاتے۔ آپ ہر ایک کے دل پر انگلی رکھ کر اللہ اللہ کہتے اور فرماتے کہ سانس اور زبان سے اللہ اللہ کہے بغیر صرف دل کی طرف توجہ رکھی جائے کہ وہ اللہ اللہ کا ذکر کر رہا ہے۔ پھر آپ رح اپنی جگہ پر بیٹھ جاتے اور سب اپنے منہ پر کپڑا ڈال کر اپنے دل کی طرف متوجہ ہو جاتے۔ آپ رح اپنے موٹے دانوں والی تسبیح گردش میں لاتے۔ دانوں کی ٹِک ٹِک میں وقفہ وقفہ کیساتھ آپ حضرت باہو رح کے اشعار پڑھتے اور کبھی فارسی اشعار میں یہ شعر بھی۔

ع۔ زندہ دلم از ذکرِ صبح و شام را
در تغافل مگزراں ایام را

اس حالت میں آپ کی توجہ کے درمیان بعض پر جذبہ کی حالت طاری ہو جاتی جس میں انہیں الجن کی مانند ذاکر کی ناک سے شوں شوں کی آواز بڑی تیزی کیساتھ نکلتی۔ اور وہ بحالت بیخودی وجد کناں اللہ اللہ با آوازِ بلند پکارتا۔ ایسی ایک مجلس میں شیخ محمد نذیر پرویز نشتر رح پر حالت جذبہ طاری ہو گئی جس نے طول کھینچا۔ راقم الحروف نے بہ تقلید حضرت خلیفہ صاحب (حافظ صاحب رح) درود شریف پڑھ کر جس کی دم سے ذاکر جذبہ کی حالت سے نکل جاتا ہے۔ پرویز صاحب رح پر پھونکا اور دیکھا ہوا یہ کہ ایک بجلی کا جھٹکا جو اس پر راقم الحروف پر پڑا اور وہ پیچھے کی طرف گرا۔ اور اس کے سارے جسم میں تھرتھراہٹ پیدا ہو گئی۔ جس پر اس نے اپنے دونوں گھٹنے اٹھائے۔ اور بانہوں کے حلقہ میں جکڑ لئے۔ اور درود شریف کا وِرد شروع کر دیا۔ اِدھر جب خلیفہ صاحب (حافظ صاحب) نے یہ ماجرا دیکھا۔ تو آپ نے درود شریف پڑھ کر پرویز صاحب کی پشت پر تھپکی دی۔ پھر اس کا جوش ختم ہوا۔ اور وہ آرام سے اٹھ بیٹھا۔ آخر میں دعا ہوئی اور مجلس برخاست۔

مجالسِ ذکر میں نزولِ ارواحِ مقدسہ کے متعلق ایک واقعہ

ایک موقعہ پر مغرب کی نماز جو کہ بابو علی شیر صاحب قریشی (مرحوم) کی بیٹھک کے چوبارہ میں ادا ہوئی، کے بعد مراقبہ سے فارغ ہو کر میں خلیفہ صاحب رح کیلئے کھانا لانے کی غرض سے گھر چلا گیا۔ واپسی پر جب میں نے چوبارہ میں قدم رکھا تو میرے جسم میں برقی رَو کا جھٹکا پڑا۔ اور جب میں اندر داخل ہو گیا۔ تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ پورے کمرے میں برقی رَو کی لہریں دوڑ رہی ہیں۔ میں نے حضرت رح سے دریافت کیا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ تو آپ رح نے جواب فرمایا کہ یہ فیضان ہے حضرت امام ناصر الدین صاحب رح کی روح مقدسہ کا۔

حضرت خلیفہ صاحب رح کی مجلسِ ذکر کی نقالی میں چھوٹے بچوں کا ایک مجلس قائم کرنا۔ ایک بچے پر حالتِ جذبہ کا طاری ہو جانا

بچہ پیر بازار میں مسجد عالمگیر میں چھوٹے بچوں نے حضرت خلیفہ صاحب (حافظ صاحب رح) کی نقالی میں ایک مجلسِ ذکر لگائی۔ نقلی پیر صاحب نے موٹے دانوں کی تسبیح کے بجائے ایک لکڑی کی تختی پر موٹے ڈنڈا تھا

جالندھر میں قیام کے دوران حضرت حافظ صاحبؒ روزانہ مزارِ اقدس حضرت امام صاحبؒ پر حاضری دیتے اور مراقبہ فرماتے اور بعد نمازِ مغرب روزانہ حلقۂ ذکر بطریقہ نقشبندیہ منعقد کرتے اور ارادتمندوں کی کثیر تعداد اس میں شرکت کرتی۔ ذکر کی حالت میں آپ توجہ دیتے تو اہلِ حلقہ پر وجد طاری ہو جاتا اور بعض جذبہ کی حالت میں زمین پر لوٹتے اور تڑپتے۔ بسا اوقات مسجد سے باہر کھڑے ہوئے تماشائی بھی سحر زدہ ہو جاتے۔ آپؒ توجہ دیتے وقت قرآنِ مجید کی آیات تلاوت فرماتے جس سے حلاوتِ قلبی میں اضافہ ہوتا۔ شجرہ خواجگان پڑھتے جس سے خواجگانِ سلسلہ کی ارواح کے فیوض حاصل ہوتے۔ مثنوی مولانا روم کے اشعار، سلطان باہوؒ اور خواجہ فرید کا کلام پڑھتے جس سے ذاکرین پر محویت طاری ہو جاتی۔

جالندھر شہر میں حضرت حافظ صاحبؒ کے احوال پر بابو جلال الدین بٹ صاحب اسلام آباد سے ایک مکتوب میں اپنے تاثرات کا یوں اظہار کرتے ہیں۔

حضرت حافظ اللہ بچایا صاحبؒ اور ذکرِ فکر کی کچھ یادیں

حضرت خواجہ محمد فضل علی قریشیؒ سلسلۂ نقشبندیہ کے ایک کاملِ شیخِ طریقت گذرے ہیں۔ ہندوستان میں کوئی جگہ آپ کے خلفاء سے خالی نہ تھی۔ جالندھر والوں کی روحانی تربیت کیلئے آپؒ نے حضرت حافظ اللہ بچایا صاحب (مطیح پور شریف موضع عبداللہ پور ضلع بہاولپور) کو مقرر فرمایا تھا جو سال بھر میں ایک دو ماہ کیلئے جالندھر تشریف لاتے اور محلہ حضرت امام ناصر الدینؒ میں بابو علی شیر قریشی کی بیٹھک کے چوبارہ میں قیام پذیر ہوتے۔ اور مسجد درگاہ حضرت امام موصوفؒ میں بعد نماز مغرب مجلسِ ذکر قائم کرتے۔ جسمیں شامل ہونے والے آپؒ کیساتھ حلقہ باندھ کر بیٹھ جاتے۔ آپ ہر ایک کے دِل پر انگلی رکھ کر اللہ اللہ کہتے اور فرماتے کہ سانس اور زبان سے اللہ اللہ کہے بغیر صرف دل کی طرف توجہ رکھی جائے کہ وہ اللہ اللہ کا ذکر کر رہا ہے۔ پھر آپؒ اپنی جگہ پر بیٹھ جاتے اور سب اپنے منہ پر کپڑا ڈالکر اپنے دِل کی طرف متوجہ ہو جاتے۔ آپؒ اپنے موٹے دانوں والی تسبیح گردش میں لاتے۔ دانوں کی ٹِک ٹِک میں وقفہ وقفہ کیساتھ آپ حضرت باہوؒ کے اشعار پڑھتے اور کبھی فارسی اشعار میں یہ شعر بھی۔ ؎

؎ زندہ دل او از ذکرِ صبح و شام را
در تغافل مگذراں ایام را

اس حالت میں آپ کی توجہ کے درمیان بعض پر جذبہ کی حالت طاری ہو جاتی۔ جس سے انجن کی مانند ذاکر کی ناک سے شوں شوں کی آواز بڑی تیزی کیساتھ نکلتی۔ اور وہ بحالتِ بیخودی وجد کرتا اور اللہ اللہ با آوازِ بلند پکارتا۔ ایسی ایک مجلس میں شیخ محمد نذیر پرویز نشاطیؒ پر حالتِ جذبہ طاری ہو گئی۔ جسنے طول کھینچا۔ راقم الحروف نے بہ تقلید حضرت خلیفہ صاحب (حافظ صاحبؒ) درود شریف پڑھکر۔ جس کے دم سے ذاکر جذبہ کی حالت سے نکل جاتا ہے۔ پرویز صاحبؒ پر پھونکا اور دیکھنا ہوا یہ کہ ایک بجلی کا جھٹکا جو اس پر (راقم الحروف پر) پڑا اور وہ پیچھے کیطرف گرا۔ اور اس کے سارے جسم میں تھرتھراہٹ پیدا ہو گئی۔ جس پر اس نے اپنے دونوں گھٹنے اٹھالئے۔ اور بازوؤں کے حلقہ میں جکڑ لئے۔ اور درود شریف کا ورد شروع کر دیا۔ اِدھر جب خلیفہ صاحب (حافظ صاحبؒ) نے یہ ماجرا دیکھا۔ تو آپ نے درود شریف پڑھکر پرویز صاحب کی پشت پر تھپکی دی۔ پھر اُس کا جوش ختم ہوا۔ اور وہ آرام سے اُٹھ بیٹھا۔ آخر میں دعا ہوئی اور مجلس برخاست۔

مجالسِ ذکر میں نزولِ ارواحِ مقدسہ کے متعلق ایک واقعہ

ایک دفعہ نمازِ مغرب کی نماز، جو کہ بابو علی شیر صاحب قریشی (مرحوم) کی بیٹھک کے چوبارہ میں ادا ہوئی، کے بعد مراقبہ سے فارغ ہو کر میں خلیفہ صاحبؒ کیلئے کھانا لانے کی غرض سے گھر چلا گیا۔ واپسی پر جب میں نے چوبارہ میں قدم رکھا تو میرے جسم میں برقی رو کا جھٹکا پڑا۔ اور جب میں اندر داخل ہو گیا۔ تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ پورے کمرے میں برقی رو کی لہریں دوڑ رہی ہیں۔ میں نے حضرتؒ سے دریافت کیا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ تو آپؒ نے بیان فرمایا کہ یہ فیضان ہے حضرت امام ناصر الدین صاحبؒ کی روحِ مقدسہ کا۔

حضرت خلیفہ صاحبؒ کی مجلسِ ذکر کی نقالی میں چھوٹے بچوں کا ایک مجلس قائم کرنا۔ ایک بچے پر حالتِ جذبہ کا طاری ہو جانا

بیچ پیر بازار میں مسجد عالمگیر میں چھوٹے بچوں نے حضرت خلیفہ صاحب (حافظ صاحبؒ) کی نقالی میں ایک مجلسِ ذکر لگائی۔ نقلی پیر صاحب نے موٹے دانوں کی تسبیح کے بجائے ایک لکڑی کی تختی پر موٹا ڈنڈا بجاتا

شروع کر دیا جس سے تسبیح کے دانوں کی طرح ٹک ٹک کی آواز نکلنا شروع ہوگئی۔ اب اس چھوٹے مرشد نے وقفہ وقفہ سے اللہ اللہ کا نعرہ بلند کرنا بھی شروع کر دیا۔ اِدھر حلقہ میں شامل ہونیوالے بچوں میں سے ایک نے صاحبِ جذبہ کی نقالی میں ناک سے شوں شوں کی آواز نکالنا اور زور زور سے اللہ اللہ کرنا شروع کر دیا۔ پیر صاحب نے جب تبصرہ دینا ختم کی اور دُعا کے بعد مجلس برخاست کی تو جذبے والا بچہ اسی طرح حالتِ وجد میں اللہ اللہ کر رہا تھا۔ دُوسرے بچوں نے اُسے جھنجوڑا کہ اُٹھو یار! اب کیا کر رہے ہو۔ مجلس تو برخاست ہو چکی۔ لیکن وہ بچہ اُسی طرح اللہ اللہ کرتا رہا۔ بار بار کی کوشش کے بعد بھی جب وُہ نہ اُٹھ سکا۔ تو اُنہیں فکر دامنگیر ہوگئی۔ اور ان میں سے چند بچے اُس بچے کے باپ شیخ مہر علی کے پاس پہنچے۔ جن کی لکڑی کے رنگین کھلونوں کی دوکان تھی جو مسجد عالمگیر کے قریب ہی واقع تھی۔ اُنہوں نے آکر دیکھا تو بچہ عالمِ بیخودی میں اللہ اللہ کرتا پایا گیا۔ اُنہوں نے اُسے اُٹھایا۔ اور حضرت بیدم شاہ وارثی رح جو کہ ان دنوں جالندھر آئے ہُوئے تھے اور بازار پنج پیر کے قریب ہی قیام پذیر تھے، کی خدمت میں لیگئے۔ اُنہوں نے بچے کو دیکھا۔ اور درُود شریف پڑھکر پانی کے چھینٹے مُنہ پر دیئے۔ تو بچہ ہوش میں آگیا۔ اِس واقعہ کا جب شہر میں چرچا ہُوا۔ تو جذبے کا تمسخر اُڑانے والے انگشت بدنداں رہ گئے۔

مورخہ 78-8-14 جلال الدین بٹ (اسلام آباد)

تقسیم ہند کے بعد بھی حضرت حافظ صاحب رح طالبوں کی تربیت کے لئے لاہور۔ پنڈی فیصل آباد۔ جلالپور جٹاں میں تشریف لاتے رہے۔ اور حضرت داتا گنج بخش صاحب قدس سرہ کے دربار میں حاضری کے بعد نماز مغرب کے ذکر کے حلقے بعینہٖ منعقد کرتے جیسے جالندھر شہر میں حضرت امام صاحب رح کی مسجد شریف میں ہوتے تھے۔ اور جذبہ اور بے خودی کی وہی کیفیت ذاکرین پر طاری ہوتی۔

آخری مرتبہ حضرت حافظ صاحب رح لاہور میں فروری ۱۹۵۷ء کے اواخر تشریف لائے۔ چونکہ ماہ رمضان المبارک قریب آرہا تھا۔ اسلئے جلد واپس گھر تشریف لیگئے۔ اپنے آستانہ پر پہنچکر آپ مرض پتھری کے عارضہ میں مبتلا ہوئے۔ اور شدت مرض سے بڑی اذیت پائی آخر کار یکم رمضان المبارک ۱۳۷۶ھ مطابق ۲۱ اپریل ۱۹۵۷ء کو وفات پائی۔ اِنّا للہ و اِنّا اِلیہِ راجعون۔ آپ کا مزارِ اقدس مسکین پور شریف موضع عبداللہ پور ضلع بہاولپور میں مرجع خلائق ہے۔

(۱۲) اِسی زمانہ میں ایک مشہور بزرگ شاعر حضرت بیدم شاہ صاحب وارثی رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۲۳ء میں بغرضِ علاج دوسری مرتبہ جالندھر تشریف لائے اور محلہ امام ناصر الدین صاحب رح میں حاجی علی شبیر صاحب (سجادہ نشین) کی بیٹھک کے چوبارہ میں تین ماہ تک قیام پذیر رہے۔ آپ مزارِ اقدس حضرت امام پاک رح پر اکثر و بیشتر بصد عقیدت حاضری دیتے اور اکتسابِ رُوحانی کیا۔ حضرت امام پاک رح کی برکت سے آپکا جالندھر شہر اور گرد و نواح میں بڑا شہرہ ہُوا۔ اور سلسلۂ عالیہ چشتیہ وارثیہ کو بڑی وُسعت اور مقبولیت نصیب ہوئی۔ اور بیشمار لوگ آپ کے بیعت ہُوئے۔

حضرت بیدم شاہ صاحب رح ایک مشہور اور بلند پایہ شاعر تھے۔ اور جالندھر کے شعراء نے آپ کی بے حد عزت اور پزیرائی کی۔ اور آپ کی صدارت میں کئی مشاعرے ہوئے جن میں جالندھر کے مشہور و معروف و بلند پایہ شعراء آذر اور رسا جالندھری نے آپ کی کلام پر خُوب داد دی۔

حضرت بیدم شاہ کے دائیں ہاتھ پر ناسُور تھا اِسلئے وُہ لکھ نہ سکتے تھے اور راقم الحروف کو آپکے کاتب اور منشی ہونے کا ہمہ وقت اعزاز حاصل رہا ہے۔ آپ عاجز سے نہایت شفقت اور محبت سے پیش آتے تھے۔ آپکے شعر کہنے کی استعداد بڑی وسیع تھی۔ باتیں کرتے جاتے اور شعر کہتے جاتے۔ دیکھا گیا ہے۔ کہ آدھے پونے گھنٹے میں آپ نہایت روانگی سے ایک ہی طرح مصرع پر چالیس پچاس اشعار کہہ جاتے تھے۔

حضرت بیدم شاہ کے دَورانِ قیام مجالسِ موسیقی اور سماع کے پروگراموں کا نہایت ہی کیف پرور رنگ ہوتا تھا۔ ۱۹۳۵ء میں جب آپ جالندھر تشریف لائے۔ تو حضرت مولانا نواب الدین صاحب رح بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔ اِن بزرگوں اور ماسٹر رحیم بخش صاحب کی موجودگی میں مجالسِ سماع منعقد ہوتیں جن کا رنگ خالص رُوحانی اور منفرد ہوتا تھا۔ مشہور قوال فتح علی خان مبارک علی خان خاص مجالس سجاتے۔ اور بیدم شاہ صاحب کا عارفانہ کلام سامعین پر بیخودی اور وجد کا عالم طاری کر دیتا۔ یہ مجالس یادگار ہوتی تھیں۔ جن کے نقوش آج بھی دلوں پر ثبت ہیں۔

(۱۳) حضرت حیرت شاہ صاحب وارثی (جو بیدم شاہ صاحب وارثیؒ کے مُرید و خلیفہ تھے) نے بھی ایک طویل مدّت تک درگاہ حضرت امام پاک میں چلّہ کشی (حجرہ باوا صاحبؒ میں) کی ہے۔ اور اکتسابِ فیوض کیا ہے۔ حیرت شاہ صاحب ایک بلندپایہ شاعر اور صُوفی تھے۔ حضرت خواجہ امام صاحبؒ سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے۔ آپ قوالی کے از حد شائق تھے۔ مجلسِ سماع میں آپ پر سُکر کا غلبہ رہتا اور جذب کے عالم میں جھُومتے رہتے تھے۔

یہ اصحاب جذب و حال حضرت بابا سائیں میراں شاہ صاحبؒ قادری۔ حضرت مولانا نوابُ الدّین صاحب چشتی صابریؒ۔ حضرت بیدم شاہ صاحب وارثیؒ۔ جناب حیرت شاہ صاحب اور ماسٹر رحیم بخش صاحب جیسے اصحابِ ذوق اور جذب و حال جب محفلِ سماع وغیرہ میں اکٹھے ہوتے۔ عجیب جذب و مستی کا رنگ ہوتا تھا۔ ایسی مجالس و محافل اب عنقا ہیں۔ جب ان کی یاد آتی ہے تو دِل مسوس کر رہ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اِن کی قبروں کو نُور سے بھر دے۔ آمین!

(۱۴) ایک اور بزرگ حضرت پیر مُشتاق علیؒ صاحب چشتی صابری (جو جالندھر شہر کے ہی رہنے والے تھے۔ نے بھی درگاہ حضرت خواجہ امام ناصِرالدّینؒ میں حجرہ باوا صاحبؒ میں کافی مُدّت چلّہ کشی کی ہے۔ اور اس آستانۂ عالیہ سے اِکتسابِ فیض کیا ہے۔ پیر مُشتاق علی شاہ صاحب کا حلقۂ ارادت بڑا وسیع تھا۔ اور بے شمار خلقِ خُدا نے آپ سے راہِ ھدایت پائی ہے۔

قیامِ پاکستان کے بعد آپ لاہور آ گئے۔ اور مزارِ پُرانوار حضرت داتا گنج بخش صاحبؒ پر عرصۂ دراز تک معتکف رہے۔ اور یہیں پر آپ نے وفات پائی۔ آپؒ کا مرقد مُبارک بھی حضرت داتا صاحبؒ کے آستانۂ پاک کے قریبی حلقہ میں ہے۔

ضمناً یہاں یہ بیان کر دینا بھی نامُناسب نہ ہوگا۔ کہ پیر مُشتاق علی صاحبؒ حضرت خواجہ شاہ سراج الحق صاحب کرنالوی قدّس سرّہٗ العزیز سے آخر وقت میں بیعت ہُوئے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے صاحبزادہ صاحب آپ کو خلافت دینے کے حق میں نہ تھے، تو حضرت خواجہ مولانا نوابُ الدّین صاحبؒ نے فرمایا۔ کہ میں انہیں خلافت دیتا ہُوں" چنانچہ خلافت مِلنے کے بعد پیر مُشتاق علی صاحب کا حلقہ بڑا وسیع ہُوا۔

(۱۵) میرے برادرِ بزرگ حضرت حاجی محمد اسلم صاحب ناصری مدظلّہٗ مجدّدی نقشبندی حضرت خواجہ امام ناصِرالدّین صاحبؒ سے (بوجہ قُربتِ سجّادگی بھی) والہانہ عقیدت رکھتے تھے۔ سلسلۂ نقشبندیہ میں داخل ہونے سے پہلے اور بعد میں بھی اوائل سلوک میں عموماً راتیں کا اکثر حصّہ اور تہجد کے وقت مزارِ اقدس حضرت حضرت امامؒ پر چلّہ کشی اور ذکر و اذکار اور مراقبات میں مشغول رہا کرتے تھے۔ حاجی صاحب نے رُوحِ حضرت اِمام پاکؒ سے بے شمار فیوضِ ظاہری و باطنی حاصل کیے۔ اور عجیب و غریب احوال اور مُشاھدات دیکھے ہیں۔

حاجی محمد اسلم صاحب نے بیان کیا ہے۔ کہ حضرت خواجہ صاحبؒ محبّت و شفقت کے پیکر ہیں۔ اور اُنھوں نے کئی مرتبہ مزارِ اقدس پر مراقبات کی حالت میں حضرت خواجہ صاحبؒ کی زیارت کا شرف بھی حاصل کیا ہے۔ اور استغراق کی حالت میں کئی دفعہ آپؒ کو مرقد میں لیٹے دیکھا ہے۔ آپ نے یہ بھی بیان کیا۔ کہ حالتِ مراقبہ میں ایک مرتبہ دیکھا۔ کہ حضرت خواجہ اِمام صاحبؒ مزارِ اقدس سے باہر تشریف لائے۔ اور آپ کو اپنے زانوئے مُبارک پر بٹھا کر آپ کے قلب پر کئی بوسے ثبت کئے۔ یہ واقعہ حضرت خواجہ صاحبؒ کی حاجی صاحب سے محبّت اور لطف و اکرام کا آئینہ دار ہے۔

حضرت حاجی صاحب نے حضرت خواجہ اِمام پاکؒ کا حُلیہ مُبارک بھی بیان کیا ہے۔ کہ آپؒ کا قد درمیانہ۔ مُتحنی جسم۔ چہرہ مبارک گندم گوں۔ اور رُوئے مُبارک سے نورِ جمال کی شعاعیں پھوٹتی ہیں۔ مسحور کُن آنکھیں شفقت و محبت کا پرتو لئے ہوئے ہیں۔ سبز چوغہ پہنے جلوہ فرما نظر آتے ہیں۔

(اِس فقیر نے بھی ایکدو مرتبہ عالمِ رویا میں حضرت خواجہ صاحبؒ کی زیارت کا شرف حاصل کیا ہے۔ اور آپؒ کا حُلیہ اُوپر بیان کردہ حُلیہ کے مطابق پایا۔ مؤلّف)

(۱۶) جناب اکبر شاہ صاحب وارثی مرحوم جالندھری پنجابی کے مشہور شعرا میں شمار ہوتے تھے۔ آپ حضرت بیدم شاہ صاحب وارثی کے مرید تھے۔ کلام میں صوفیانہ اور عارفانہ رنگ پایا جاتا تھا۔ آپ اکثر مزار اقدس حضرت امامؒ پر حاضری دیتے اور خواجہؒ سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے۔ ایک کتاب "نذرانہ عقیدت" میں جناب اکبر شاہ وارثی نے حضرت امام صاحبؒ کی مدح یوں پیش کی ہے:-

"سخی سرکار"

بے مراد آون بامراد جاون — میرے ناصرؒ دی سخی سرکار دیکھو
شہنشاہ ایتھے آ آ جھکدے نے — اکھیاں ہین تاشان دربار دیکھو
پل وچ چوراں نوں قطب بنا دیندے — دُنیا ہٹیاں اُفق دینیے نے تار دیکھو

اکبر فیض دے راتدن برسدے نے
ہے دربار کیسا گوہر بار دیکھو

اودھر مسجد رحمانی ایدھر روضہ نورانی — ایہہ کولو کول عجیب دربار نے دو
درِ معین الدینؒ دا روضہ ناصر الدینؒ دا — ہندے وچ جالندھر دیدار نے دو
ایدھر چلہ فریدؒ اودھر ہاشم شہیدؒ — ایویں جلوے چمکاں ماردے نے دو

دو نشان دو کھمبے دو مینار نوری
اتے اندر بھی اکبر سرکار نے دو

اِن بزرگانِ دین کے علاوہ بے شمار مجذوب وقلندر جالندھر میں آئے۔ اور درگاہ حضرت امام ناصر الدین صاحب قدس سرہٗ العزیز سے فیضیاب ہوئے۔ ان مجذوب حضرات میں سے صرف دو بزرگوں کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔

(۱۷) حضرت بابا فتح محمدؒ (المعروف بابا فتے شاہ جواہر والے) جالندھر شہر بازار بانساں والا میں ایک رُوسی وٹ کی دوکان پر بیٹھا کرتے تھے۔ آپ مجیب الدعوات تھے اور ہمہ وقت سُکر کی حالت میں رہتے تھے۔ آپؒ روزانہ دربار حضرت خواجہ امام ناصر الدین صاحبؒ پر حاضری دیتے اور مسجد میں نمازیوں کے وضو کے لئے لوٹے بھرا کرتے تھے۔ قرآن کریم کی تلاوت کرتے وقت ساتھ ترجمہ کرتے تو اکثر درمیان میں ایسے فقرات استعمال کرتے۔ "ٹانڈوں کا واڈنا اور چھلیوں کا توڑنا" جن کا مفہوم سمجھ سے بالا ہوتا تھا۔

آپؒ کبھی کبھی نماز باجماعت میں شرکت نہ کرتے بلکہ تنہا نماز پڑھتے۔ دیکھا گیا ہے کہ نماز کی نیت باندھ کر اُونچی آواز سے الحمد شریف کی تلاوت کے بعد ایسے ہی فقرات اُونچی آواز میں پڑھتے۔ "ٹانڈوں کا واڈنا اور چھلیوں کا توڑنا۔ یا اللہ تو نے کافروں کو سونے چاندی کے پہاڑ دیئے ہیں اور ہمیں کچھ نہیں دیا"۔ پھر اللہ اکبر کہہ کر رکوع میں چلے جاتے۔ غرض اُن کے احوال واقوال میں ایسی ہی بہت سی سُکر ومستی کی باتیں سُننے میں آتی تھیں۔

ایک واقعہ اُن کے درویش کامل ہونے کا ہم نے بھی دیکھا ہے۔ وہ یوں ہے کہ ہمارے ایک احباب میں سے دین محمد (مرحوم) کی کمر پر چوٹ آنے سے ناسُور ہو گیا تھا۔ وہ درزی کا کام کرتا تھا۔ ڈاکٹروں اور جراحوں کے علاج سے اُسے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ بلکہ اُسے لاعلاج قرار دیدیا۔ ایکدن مایوسی کی حالت میں وہ درگاہ شریف میں آیا۔ بابا فتح محمدؒ مسجد میں وضو کر رہے تھے۔ دین محمد باباجی کے پاس جا بیٹھا باباجیؒ نے پوچھا۔ کہ "بیٹا کیا بات ہے؟" دین محمد نے پھوڑے کی طرف اشارہ کر کے عرض کیا کہ "باباجی! یہ ناسُور میری جان لیوا ثابت ہو رہا ہے۔ ڈاکٹروں نے جواب

دیدیا ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ میرے لئے دُعا کیجئے۔" یہ سُن کر آپ جوش میں آکر کھڑے ہو گئے اور آسمان کی طرف مُنہ کر کے فرمانے لگے۔ "مار دے۔ اِسے مار دے۔ اِس کے بچے بھوکے مریں گے۔ تیرا کیا جائے گا؟" اتنا کہہ کر آپ نے دین محمد سے فرمایا کہ "بیٹا! لوٹوں میں وضو کا بچا ہوا پانی لے جایا کرو۔ اس میں نیم کے پتے ابال کر زخم کو دھولیا کرو۔ اور تیل چوپڑ دیا کرو۔" یہ حقیقت ہے۔ کہ اِسی طرح سے دین محمد باباجی رح کی ہدایات پر عمل کرتا رہا۔ اور تھوڑے عرصہ میں ہی مکمل طور پر صحتیاب ہو گیا اور کافی عرصہ تک زندہ رہ کر چند سال ہوئے گوجر خان میں فوت ہو گیا۔ یہ واقعہ باباجی رح کے خدارسیدہ بزرگ ہونے کی دلیل ہے۔

مقدمات میں پھنسے ہوئے لوگ آپ رح کی خدمت میں پہنچکر دُعا کیلئے عرض کرتے۔ آپ خاموشی سے سُنتے رہتے۔ پھر قلم دوات اُٹھاکر کاغذ پر فیصلہ لکھ دیتے۔ آپ جو لکھتے۔ عدالت کی طرف سے ویسے ہی فیصلہ سُنایا جاتا۔

آخری عمر میں آپ جواھر والہ مواضعات مہت پور تحصیل نکودر میں اقامت پذیر ہو گئے تھے۔ اور وھیں آپ نے وصال پایا۔ مرقد مُبارک جواھر والہ میں ہی مرجعِ خلائق رہا ہے۔ جہاں تقسیم ھند سے پہلے ہر سال آپ کا عُرس منایا جاتا رہا ہے۔

(۱۸) ایک اور مجذوب درویش حضرت بابا سائیں منّو شاہ صاحب رح جالندھر شہر میں مستقلاً رہتے تھے۔ جو قلندریہ فرقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ بلند قامت اور منحنی جسم کے مالک تھے۔ کالا چوغہ پہنتے تھے۔ چہرہ کا ایک حصہ نیلے رنگ میں اور دوسرا حصہ زرد رنگ میں رنگا ہوتا۔ زبان پر کالا رنگ مل لیتے۔ اِسی ہیئت میں شہر کے بازاروں میں ناچتے پھرتے۔ قرنا پھونکتے رہتے تھے۔ حضرت امام پاک رح کے ساہنے سے گذرتے تو روضہ اقدس کی طرف مُنہ کر کے قرنا پھونکتے اور زبان باہر نکالکر کھڑے رہتے۔ یہ حضورِ امام پاک رح اُن کی سلامی ہوتی تھی۔

ایک واقعہ سائیں منّو شاہ صاحب رح کا مُنشی شمس الدین صاحب بٹ مرحوم (بابا جلال الدین صاحب بٹ کے بڑے بھائی) کی زبانی معلوم ہوا۔ کہ ایکمرتبہ سائیں لسوڑھی شاہ

لائل پور والے اپنے ایک مُرید پولیس افسر کے ہاں جالندھر آئے۔ سُنا جاتا ہے کہ سائیں لسوڑھی شاہ رح علوم خفیہ میں بھی ماہر تھے۔ اور آنکھوں میں آنکھیں ڈالکر دوسرے بزرگوں کے احوال سلب کر لیا کرتے تھے) عُرس حضرت اِمام صاحب رح رجب کا موقعہ تھا۔ آپکا مُرید پولیس آفیسر آپ کو عُرس شریف کی تقریب میں لیگیا۔ آپ مجلسِ سماع میں بیٹھ کر قوالی سُننے لگے۔ کچھ دیر بعد بابا منّو شاہ بھی اس مجلس میں پہنچگئے۔ آپ کی نگاہ سائیں لسوڑھی پر جب پڑی تو نہایت جوش میں آگئے۔ اور زبان باہر نکال کر سائیں لسوڑھی شاہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالدیں۔ سائیں لسوڑھی شاہ نے بھی بابا منّو شاہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر آپکے احوال سلب کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ کچھ دیر تک دونوں ایکدوسرے کیطرف گھورتے رہے۔ پھر بابا منّو شاہ نے نعرہ مارا اور لسوڑھی شاہ کیطرف اُنگلی اُٹھائی اور بلند آواز میں کہا۔ کہ اُٹھو۔ مگر وہ بیٹھا رہا۔ بابا منّو شاہ صاحب نے دوبارہ گرج کر کہا۔ کہ "اُٹھو! اور یہاں سے چلے جاؤ۔" مگر سائیں لسوڑھی شاہ پھر بھی نہ اُٹھا۔ اِس پر بابا منّو شاہ نہایت ہی غضبناک ہو کر اُٹھے۔ اور سائیں لسوڑھی شاہ کو حُکم دیا کہ اُٹھو! اور یہاں سے چلو۔" سائیں لسوڑھی شاہ عاجز ہو کر اُٹھا اور مجلس سے باہر نکل گیا۔ بابا منّو شاہ صاحب للکارتے ہوئے اُس کے پیچھے پیچھے چلے۔ اور ریلوے اسٹیشن تک چھوڑ کر واپس آگئے۔ ایسے ہی کوئی اور مجذوب سائیں منّو شاہ صاحب رح کے سامنے نہ ٹک سکا۔ یہ واقعہ دیکھ کر پولیس آفیسر آپ کا معتقد ہو گیا۔

حضرت خواجہ امامؒ کی کرامات و تصرفات
اور فیوض و برکات

حضرت خواجہ امام ناصر الدین قدس سرّہٗ العزیز سے بیشمار کرامات منسوب ہیں آپکے تصرفات کا احاطہ نہیں ہو سکتا۔ صرف چند واقعات بیان کئے جاتے ہیں:-

۱- چند واقعات پچھلے صفحات میں بیان کئے جا چکے جن میں قصّہ کفن چور ہے۔

۲- حضرت حافظ باقر صاحبؒ کا واقعہ بھی پچھلے صفحات میں مذکور ہے۔

۳- حضرت خواجہ صاحبؒ کے تصرّف کی وجہ سے محلہ خادماں حضرت امام ناصر الدینؒ میں کوئی چور چوری کیلئے نہیں آسکتا تھا۔ روایت کیا گیا ہے۔ کہ ایک مرتبہ ایک چور چوری کی نیت سے محلہ میں داخل ہوا تو اندھا ہو گیا۔ جب اپنے ارادہ سے پشیمان ہو کر تائب ہوا۔ تو اسکی بینائی واپس آگئی۔

(۴) جالندھر کے نواح میں ایک ہندو لڑکا قتل کے مقدمہ میں ماخوذ تھا۔ اسے پھانسی کی سزا سنائی جانی تھی۔ کہ اس لڑکے کی ضعیف بیوہ ماں مزارِ اقدس پر حاضر ہو کر زار زار روئی اور انتہائی اضطرار کی حالت میں مدد کیلئے دُہائی دینے لگی۔ کہ حاضرین کے دل لرز اٹھے۔ وہ روتی روتی بیہوش ہو کر گر پڑی۔ بعد میں اُس عورت نے بیان دیا۔ کہ اُسکے کانوں میں آواز آئی کہ "مائی جا۔ تیرا بچہ بری ہو گیا۔" چنانچہ وہ لڑکا عدالت سے واقعتاً بری ہو گیا۔ وہ ضعیفہ تا زندگی مزار اقدس پر ہر جمعرات کو زندگی بھر نذرانہ لیکر حاضر ہوتی رہی۔

(۵) جالندھر چھاؤنی کے نواح میں موضع گڑھا کا ایک لڑکا قتل کے مقدمہ میں سزا پا چکا تھا عدالت سے سزا سُنائی جانی تھی۔ لڑکے کے والدین نے حکم سُنانے کی تاریخ سے چار روز پہلے مزارِ اقدس پر ڈیرہ ڈالدیا۔ اور استمداد کے لئے فریاد اور آہ وزاری کرتے رہے تاریخ فیصلہ سے ایک رات پہلے لڑکے کا والد مزار اقدس کے گرد بلند آواز سے نعرے لگاتا اور مدد کے لئے دُہائی دینے اور آہ وزاری کرنے لگا۔ حضرت خلیفہ محمد صدیق صاحب کا بیان ہے کہ جب وہ مزار اقدس پر معمول کے مطابق علی الصبح جاکر غلاف شریف بدل رہے تھے۔ تو وہ شخص بڑے دلخراش نعرے لگا رہا تھا۔ خلیفہ صاحب نے مزید بیان کیا اُس وقت مزارِ اقدس سے آواز آئی۔ کہ "لڑکا اللہ کے حکم سے بری کر دیا گیا ہے۔" خلیفہ صاحب نے یہ خوشخبری لڑکے کے والد کو سُنائی۔ تو وہ جوشِ مسرت سے ناچنے لگا۔ چنانچہ بحکمِ الٰہی وہ لڑکا بری ہو گیا۔

مصداق ؎
اولیاء راہست قدرت از اِلٰہ
تیرِ جستہ باز گرداند زِ راہ

(۶) قبلہ حضرت حافظ اللہ بچایا صاحب نقشبندی مجددی قدس سرّہٗ جالندھر کی خلافت ملنے کے بعد جب جالندھر تشریف لائے۔ تو دو دو ماہ تک محلہ حضرت امام صاحبؒ میں حاجی علی شیر صاحب (مرحوم) کی بیٹھک کے چوبارہ میں قیام فرماتے۔ آپؒ مزار اقدس پر روزانہ حاضری دیتے۔ اور مراقبہ کرتے تھے۔

آپ پہلی دفعہ جب جالندھر تشریف لائے تو مزار اقدس حضرت امامؒ پر مراقب[۱] ہوئے۔ تو صاحب مزار (حضرت امام صاحبؒ) نے فرمایا۔ کہ "آپ میرا مصلّٰے سنبھالئے کہ آپ اس کے اہل ہیں۔" حضرت حافظ صاحب نے عرض کیا کہ "حضرت! میں یہاں اجنبی ہوں۔ مجھے کوئی نہیں جانتا۔ اور نہ ہی میں آپکے مصلّٰے پر قدم رکھنے کی جسارت کر سکتا ہوں۔" حضرت خواجہ صاحبؒ نے فرمایا۔ "آپ نماز مغرب کیوقت کی اذان کیوقت مسجد میں تشریف رکھیں ہم خود مصلّٰے پر کھڑا کر دیں گے۔" چنانچہ حضرت حافظ صاحب مسجد میں نماز مغرب کی اذان کے وقت پچھلی صف میں جا کر کھڑے ہو گئے۔ اذان ہو چکی۔ تو بڑے تعجب کیساتھ یہ منظر دیکھا گیا کہ امام مسجد مصلّٰے پر نہ آیا۔ سب لوگ خاموش و حیران تھے کہ ایک صاحب حافظ عبد الرزاق نامی زرگر نے پیچھے مُڑ کر دیکھا اور حضرت حافظ صاحب کے پاس آکر آپکو بازو سے پکڑ کر مصلّٰے پر لیجا کر کھڑا کر دیا۔ حضرت حافظ صاحبؒ پہ جذب طاری ہو گیا۔ اور آپ کو ہاتھ لگانے سے عبد الرزاق زرگر کو بھی جذبہ ہو گیا۔ اور دوران نماز جس نے بھی اُسے چھو لیا وہ جاذب ہو گیا۔ مسجد میں نمازیوں نے یہ واقعہ حیرت سے دیکھا۔ یہ حضرت امام صاحبؒ کا تصرّف تھا۔

(۷) یہ اسی زمانہ کا واقعہ ہے کہ حافظ صاحبؒ نے دوران مراقبہ حضرت امام صاحبؒ سے کشفِ قبور کے ذریعہ سے عرض کیا کہ "آپ یہاں کے والی ہیں۔ توجہ فرمائیے کہ خلق کو اللہ اللہ

---

[۱] مراقبہ میں بذریعہ کشفِ قبور حافظ صاحبؒ حضرت امام صاحبؒ سے ہمکلام ہوتے تھے

بتانے میں کامیاب ہوسکوں ۔ حضرت خواجہ صاحب رح نے فرمایا کہ " میں آپ کے حلقوں میں ساتھ ہوں گا"
چنانچہ حضرت امام پاک رح کے روحانی تصرّف سے ذکر کے حلقوں میں خاصی کیف و جذبہ کی حالت ہوئی ۔
اور خواجہ رح کی برکت سے سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کو کافی مقبولیت حاصل ہوئی ۔ اور لوگ جوق در جوق
حضرت حافظ صاحب رح کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے ۔

(۸) حضرت حافظ صاحب رح اکثر فرمایا کرتے کہ میں جب بھی مزار اقدس حضرت امام پاک رح پر مراقب ہوتا ہوں ۔ اولیائے متقدمین و متاخرین کی ارواح کو مزارِ اقدس پر مراقب دیکھتا ہوں ۔ چنانچہ ایکمرتبہ باوا صاحب قدس سرہٗ کی روحِ مبارک کو مزار اقدس پر مراقب دیکھا گیا ۔ حافظ صاحب رح فرمایا کرتے کہ حضرت امام پاک رح بڑے بھاری شیخ صاحب کرامات و تصرفات ہیں ۔ اور اولیائے متقدمین میں سے ہیں ۔ ایک موقع پر فرمایا کہ حضرت امام تبع تابعین میں سے ہیں ۔

(۹) ایک مرتبہ حضرت خلیفہ محمد صدیق ناصری مدظلہٗ (سجادہ نشین) نے حافظ صاحب رح سے اپنے دادا بابا عمر بخش رح کے مزار پر مراقبہ کرنے کی درخواست کی ۔ دوسری صبح حضرت حافظ صاحب بابا جی کی قبر پر مراقب ہوئے ۔ آپ کا مراقبہ طویل ہوگیا ۔ اس وقت حضرت خلیفہ صاحب حضرت حافظ صاحب رح کے پیچھے جاکر کھڑے ہوگئے ۔ تو حافظ صاحب رح نے چہرہ سے چادر اٹھا کر پیچھے مڑ کر دیکھا ۔ مراقبہ کے بعد حضرت حافظ صاحب رح نے خلیفہ صاحب کو بابا جی سے مراقبہ میں گفتگو کی تفصیل سے آگاہ کیا ۔ آپ نے فرمایا کہ " آپ کے دادا جی سے احوال پوچھنے پر بابا جی رح نے فرمایا کہ " وصال کے بعد جب نکیرین آئے تو حضرت امام پاک رح کی روح مبارک حاضر ہوئی اور نکیرین سے مخاطب ہوکر فرمایا ۔ کہ اس شخص نے اپنی ساری زندگی میری خدمت کیلئے وقف کر رکھی تھی ۔ اس لئے اس کے اعمال کا میں ضامن ہوں ۔ آپ تشریف لیجائیں " ۔ چنانچہ نکیرین حساب کئے بغیر واپس ہوگئے ۔ اور جس وقت آپ اگر پیچھے کھڑے ہوئے تھے تو بابا جی نے کہا تھا کہ میرا پوتا آپ کے پیچھے کھڑا ہے ۔ اسلئے میں نے چادر اٹھا کر پیچھے مڑ کر دیکھا تھا ۔ " (اس واقعہ سے اندازہ ہوتا کہ حضرت امام پاک رح کا تصرف کسقدر [illegible]

(۱۰) ایکمرتبہ حضرت حافظ صاحب رح مزار اقدس پر مراقب تھے ۔ راقم الحروف بھی پیچھے بیٹھا تھا ۔ حضرت خواجہ رح نے میری طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ " اسے خاص توجہ دو " ۔ چنانچہ حافظ صاحب نے مراقبہ کی حالت میں توجہ دی اور مجھے خاص جذب کی کیفیت اور لذت حاصل ہوئی ۔ بعد میں حضرت حافظ صاحب نے مجھے خواجہ صاحب رح کے ارشاد سے مطلع [illegible]

تقسیم ہند کے دوران اور قیام پاکستان کے بعد حضرت خواجہ رح کے تصرف و کرامات

(۱) قیام پاکستان سے ۹ ماہ پیشتر میرا تبادلہ لدھیانہ سے لاہور میں ہوگیا تھا ۔ مارچ ۱۹۴۷ء سے پنجاب میں فرقہ وارانہ فسادات شروع ہوگئے تھے ۔ تقسیم سے دو ماہ پیشتر میرے بیوی بچے لاہور سے جالندھر چلے گئے تھے ۔ جالندھر میں ابھی فسادات کی آگ نہیں پھیلی تھی ۔ اوائل رمضان شریف میں میں اپنے بیوی بچوں کو لینے جالندھر گیا ۔ رات کو حضرت خواجہ صاحب رح کے مزار پر حاضری دی اور مراقبہ کیا تو مجھے ماحول میں عجیب سی سکتہ کیفیت کا احساس ہوا ۔ اور آنیوالی قتل و خونریزی کا احساس بھی ہوا ۔ سحری و افطاری کے اوقات میں ۔ اور نمازوں اور تراویح میں بے رونقی محسوس ہوتی ۔ اذانیں بھی بے رونق لگیں ۔ میں نے آنیوالے اندیشوں کو اپنے خاندان والوں سے بھی اظہار کیا ۔ مگر کسی نے توجہ نہ دی ۔ میں اپنے بیوی بچوں کو لیکر لاہور آگیا ۔ آخر میرے اندیشے صحیح ثابت ہوئے ۔ تقسیم ہند کے فوراً بعد ہی فرقہ وارانہ فسادات اور قتل و خونریزی کے نتیجہ میں مسلمانوں کا جالندھر سے انخلاء شروع ہوگیا ۔ ہمارے محلہ پر بھی سکھوں کا حملہ ہوا ۔ اور تین مسلمان شہید ہوگئے ۔ جس میں خلیفہ صاحب کا چھوٹا صاحبزادہ نعمت علی بیلا صاحب جلال الدین بٹ کے بڑے بھائی محمد ابراہیم بٹ اور رلیشاہ شامل تھے ۔ ایک انگریز افسر کی بروقت مداخلت سے باقی لوگ بچ گئے اور بے سروسامانی اور شکستہ حالت میں پاکستان پہنچے ۔

(۲) جناب خلیفہ محمد صدیق ناصری مدظلہٗ نے بیان کیا ۔ کہ انخلاء سے دو روز پیشتر انہوں نے خواب میں دیکھا کہ وہ دربار اقدس میں حاضری دینے گئے تو دیکھا کہ حضرت خواجہ صاحب رح بغل میں مصلّٰے دبائے روضۂ اقدس سے باہر آئے اور ماسٹر رحیم بخش صاحب کے مزار پر گئے اور انہیں ساتھ لیکر باہر کی طرف چلے ۔ خلیفہ صاحب نے عرض کیا کہ " حضور ! آپ کہاں تشریف لیجا رہے ہیں ؟ " حضرت امام صاحب نے فرمایا کہ " اب یہاں سے رخصتی ہے " ۔

اس ضمن میں ایک بہت پرانا واقعہ یاد آگیا ہے ۔ جنگ عظیم اوّل کے دوران ماسٹر رحیم بخش صاحب سجادہ نشین نے ایک خواب دیکھا تھا کہ آپ روضہ مبارک میں موجود ہیں ۔ درگاہ کے اندر لوگوں کا ازدہام ہے کہ ناگہاں ایک خوفناک اژدھا ظاہر ہوا اور پھنکارتا ہوا مزار شریف کے گرد گھومنے لگا ۔ سب لوگ دہشت زدہ ہوکر بھاگ گئے ۔ مگر ماسٹر صاحب مغربی محراب میں محفوظ کھڑے رہے ۔ ماسٹر صاحب نے اس خواب کی تصویر بنوا کر اپنی بیٹھک کے اندرونی حصہ میں شہتیر پر چسپاں کرا دیا تھا ۔ اور کہا تھا کہ کسی وقت اس کی تعبیر نکلے گی ۔ اور

اپنی وفات سے پیشتر بھی ماسٹر صاحب نے وصیت کی تھی کہ اس خواب کی تعبیر کا خیال رکھنا۔ چنانچہ اس خواب کی تعبیر فتنہ و فسادات اور انخلاء کی صورت میں نکلی۔ اور خلیفہ صاحب کی خواب کی تعبیر کہ امام صاحبؒ ماسٹر رحیم بخش صاحب کو ساتھ لیکر جا رہے ہیں بھی سچ ثابت ہوئی۔

(مؤلف نے یہ تصویر کہ ایک خوفناک اژدھا لوگوں کے پیچھے بھاگ رہا ہے اور ایک شخص (یعنی ماسٹر صاحب) ایک محراب میں محفوظ کھڑے ہیں۔ کئی مرتبہ اشتہار کیساتھ چھپاں بغور دیکھی ہے)

(۱۳) حضرت خلیفہ محمد صدیق صاحب مدظلہ نے مزید بتایا ہے۔ کہ انخلاء سے ایک روز پیشتر کرفیو اٹھنے کے دوران وہ دربار شریف میں حاضری دینے کیلئے گئے۔ جب روضہ شریف کے اندر داخل ہونے لگے تو مزار شریف سے بڑی گرجدار آواز آئی کہ "یہاں سے فوراً نکل بھاگو۔" یہ آواز تین مرتبہ آئی۔ خلیفہ صاحب نے مزار اقدس کا بوسہ دیا اور روتے ہوئے باہر نکل آئے۔ نتیجہ کے طور پر اگلے دن سکھوں نے محلہ پر حملہ کر دیا۔ اور جالندھر سے انخلاء واقع ہوا۔

(۱۴) جناب سلامت جالندھری نے اپنی تصنیف "تصویر انقلاب" میں انخلاء کیوقت حضرت خواجہ صاحبؒ کے حضور الوداعی نذرانہ پیش کیا ہے:-

"ناصرؒ الوداع"

آباد رہے تو تیرا آباد رہے گھر
لے چھوڑ چلے آج تیرے شہر کو یکسر

کب تک تیرے دیدار سے محروم رہیں گے
اتنا تو بتا دے میرے خواجہ میرے ناصرؒ

کیوں تجھکو پسند آئے نہ اسلام کے پرچم
کیوں تجھکو نہ محبوب ہوا اللہ اکبر

اب کون جلائے گا دیئے روضہ پہ تیرے
اب کون چڑھائے گا تجھے پھولوں کی چادر

اِس گردشِ ایام نے کیا رنگ دِکھائے
اُجڑے ہوئے پھرتے ہیں گھر ہے نہ کہیں در

(سلامت جالندھری)

درگاہ شریف پر فسادیوں کا دھاوا اور کرامت کا ظاہر ہونا

قیام پاکستان کے بعد جب امن بحال ہو گیا۔ تو حکومتوں کی منظوری سے زائرین کی ایک جماعت درگاہ حضرت خواجہ امامؒ پر جالندھر شہر عُرس منانے کیلئے گئی۔ راقم الحروف بھی جماعت کے ساتھ تھا عُرس کی تقریبات حسب سابق تین دن تک شاندار طریقہ سے منائی گئیں۔ اس موقعہ پر پاکستانی ڈپٹی ہائی کمشنر متعینہ جالندھر نے زائرین کی جماعت کو اپنے ہاں مدعو کیا۔ دعوت کے دوران اس نے حضرت خواجہؒ کی کرامت کا یہ واقعہ سُنایا جس کی تصدیق ہم نے جالندھر کے سربرآوردہ ھندوؤں اور عقیدتمند نوجوانوں سے بھی کی۔

(۱۴) مُسلمانوں کے جالندھر سے انخلاء کے بعد شرپسند ھندوؤں اور سکھوں نے درگاہ شریف کو مسمار کرنے کے لئے زبردست حملہ کیا۔ اور روضہ اقدس کی چوبرجیاں اور مزار شریف کا اندرونی کٹہرہ مسمار کر دیئے۔ امن پسند ھندوؤں اور عقیدتمند نوجوانوں نے حملہ آوروں کو بہت سمجھایا۔ مگر وہ مزار اقدس کو بھی زمیں بوس کرنا چاہتے تھے۔ اِن میں موگلہ نامی ھندو پیش پیش تھا۔ وہ کلہاڑی لیکر آگے بڑھا اور مزار اقدس پر ضرب لگائی ہی تھی کہ ایک شخص بھاگتا ہوا آیا اور بتایا کہ موگلہ کی مہیرآئل کی دکان (جو بازار للم صاحب میں تھی) کو آگ لگ گئی ہے اور اُس کا لڑکا دوکان کے اندر ہے۔ موگلہ بدحواس ہو کر بھاگا اور اپنے لڑکے کو بچانے کیلئے جلتی دوکان میں گھس گیا اور خود بھی جل کر بھسم ہو گیا۔ یہ واقعہ ایسا آناً فاناً ہوا کہ فسادیوں پر عظیم ہیبت طاری ہو گئی۔ نوجوانوں نے جو حضرت امام صاحبؒ کے بڑے معتقد تھے اُنہوں نے فسادیوں کو سرزنش کی کہ اگر وہ اپنے ارادہ سے باز نہ آئے تو اُن کے خاندانوں کا حشر بھی موگلہ جیسا ہو گا۔ چنانچہ اس کے بعد کسی نے درگاہ اقدس کی بیحرمتی کی جُرأت نہ کی۔ یہ واقعہ حضرت خواجہ امام پاکؒ کے رُوحانی تصرف کی ایک ناقابل تردید دلیل ہے۔

اس کے بعد بھی زائرین کی جماعتیں عُرس پاک منانے کیلئے ہر سال جالندھر جاتی رہیں۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ آج بھی درگاہ شریف میں فیوض و برکات کا وہی عالم ہے۔ روزانہ اہل ھنود عقیدتمند مزار پر چراغاں کرتے ہیں۔ دُور دراز سے زائرین بھی مزار شریف پر حاضری دینے آتے ہیں۔ حکومتِ ھند کیطرف سے درگاہ شریف کی دیکھ بھال کیلئے خادم مقرر کر رکھا ہے اور ایک امام مسجد بھی۔ دُور دراز سے آنیوالے زائرین مسجد شریف میں باقاعدہ نمازیں اور نماز جمعہ ادا کرتے ہیں۔ روضہ اقدس حضرت خواجہ امام ناصر الدینؒ صاحب پر آج بھی رحمت و انوار کی بارشیں ہوتی ہیں اور قیامت تک ہوتی رہیں گی۔

یہ فقیر ہیچمیدان عاجز و درماندہ ہے۔ کہ حضرت خواجۂ خواجگان رحؒ کے اعلیٰ و مراتب کے تصرفات کو احاطۂ تحریر میں لاسکے۔ جو کچھ پیش کیا گیا ہے وہ آپکی عظمت و بزرگی کا احاطہ نہیں کرسکتا۔

حضرت ساحر صدیقی مرحوم نے ایک نظم حضرت خواجہ رحؒ کی مدح میں لکھی ہے جو ساحر کے مجموعہ "جام حیات" سے نقل کی جاتی ہے:-

میرے خواجہ میرے ناصر رحؒ

رخِ پُر نورِ دکھلاؤ میرے خواجہ میرے ناصر رحؒ
مئے انوار برساؤ میرے خواجہ میرے ناصر رحؒ

سکوتِ مرگ طاری ہے تمناؤں کی محفل میں
کوئی اعجاز فرماؤ میرے خواجہ میرے ناصر رحؒ

کبھی تو اس طرف بھی ہو خرام ناز کی بارش
یہ ویرانے بھی مہکاؤ میرے خواجہ میرے ناصر رحؒ

سُلگ اُٹھتے ہیں اکثر ہجر کی تاریک راتوں میں
دِلِ مجبور کے گھاؤ میرے خواجہ میرے ناصر رحؒ

فقیرِ در سے اتنی بے نیازی کس لئے آخر
مجھے یہ راز سمجھاؤ میرے خواجہ میرے ناصر رحؒ

دلوں کی گتھیاں جو وقت کے ہاتھوں میں اُلجھی ہیں
خدارا اِن کو سُلجھاؤ میرے خواجہ میرے ناصر رحؒ

وفورِ درد سے بے چین سا رہنے لگا ساحر
اُسے بھی در پہ بلواؤ میرے خواجہ میرے ناصر رحؒ

تذکرہ کے اختتام پر یہ فقیر پُرتقصیر خواجۂ خواجگان اِمامُ الاولیاء حضرت خواجہ اِمام ناصرالدین چشتی قدس اللہ سرہٗ العزیز کے حضور میں بصد عجز و نیاز یہ رُباعی عرض کرتا ہے اس آرزو کے ساتھ کہ اللہ کریم اِس برگزیدہ ہستی کے صدقہ میں حُسنِ خاتمہ فرمائے۔ اور قیامت کے دن کی ندامت سے بچائے۔ آمین!

رُباعی

شہِ شاہاں اِمام ناصرِ دین رحؒ
راحتِ جاں اِمام ناصرِ دین رحؒ
ناصری پر بھی ہو نگاہِ کرم
جانِ خوباں اِمام ناصرِ دین رحؒ

(۱۵- اگست ۱۹۸۶ء) (خاکپائے خواجگان۔ محمد طفیل ناصری)

ذکرِ پاکاں ۷۸۶ حصہ دوم

کرہ عالم راغبی با فیضِ ختم المرسلین
مرشدِ کامل شہِ عرفاں سخی نواب الدین

تذکرہ مشتمل بر احوالِ عجیبہ و غریبہ

رئیس المتکلمین فخر المتوکلین سُلطانُ العارفین!
اِمامُ العلماء قُطبُ الاقطاب

حضرت علامہ مولانا نواب الدین صاحب چشتی صابری

قدس اللہ سرہٗ العزیز

ایک درویش و متبحر عالم دین جنہوں نے دینِ اِسلام کی تبلیغ کے لیے ناقابل فراموش خدمات سرانجام دیں۔ اور برِ صغیر اور غیر ممالک میں طوفانی دورے کر کے ہزاروں انسانوں کو مشرف باسلام کیا۔

جدوجہد آزادی میں رہنمایانِ ملتِ اسلامیہ کے شانہ بشانہ اپنی شعلہ نوا خطابت سے مسلمانانِ ہند میں جذبۂ حریت بیدار کیا۔

اور

خصوصاً فتنۂ مرزائیت کے ردّ و ابطال میں شاندار فتوحات حاصل کر کے "فاتحِ قادیانیت" کے لقب سے نوازے گئے

طالبِ دُعا

محمد طفیل ناصری قریشی نقشبندی مجددی چشتی صابری عفی عنہ

انتساب

اس تذکرہ کو مَیں جناب قبلہ حضرت مولانا غلام ربّانی صاحب چشتی صابری ادام اللہ فیوضہٗ (چشتی نگر موضع لنگ کسّی ملتان) خلیفہ و خلف الرّشید جناب حضرت مولانا نواب الدین صاحب چشتی صابری قدس سرّہ العزیز۔ کے اسمِ گرامی سے منسوب کرتا ہُوں

طفیل ناصری

فہرست مضامین

شیخِ طریقت سے

(از جناب صُوفی غنیمت علی ساحر صدیقی مرحوم)

نظر نظر ہے تیری تجلّی نفس نفس ہے سلام تیرا
وہیں وہیں میری سجدہ گاہیں جہاں جہاں ہے قیام تیرا

خلوصِ الطاف کی فضا میں ہیں سلسلے نسبتوں کے جاری
تیری نگاہوں کی رحمتوں سے پہنچ رہا ہے پیام تیرا

اُسے میسّر قدم قدم پر ازل کی سرمستیوں کی بارش
جسے بھی حاصل ہے قُربِ تیرا جسے بھی حاصل ہے جام تیرا

مقامِ قُرب سے شناسا تیری بصیرت کے مرحلے ہیں
ہماری نظروں کی وُسعتوں سے بلند تر ہے مقام تیرا

یُونہی رہے حشر تک سلامت یہ میکدے کی بہار ساقی
یُونہی رہے میکشوں کے دل میں یہ نُورِ فضلِ تمام تیرا

یہی تو احساسِ زندگی ہے یہی تو احساسِ بندگی ہے
دلوں کو تسلیم ہے محبّت کی سلطنت میں نظام تیرا

تیری توجّہ سے میرے احساسِ فکر کو پختگی ملی ہے۔
اگرچہ میں کہہ رہا ہوں لیکن حقیقتاً ہے کلام تیرا

ضرورتِ طباعتِ ثانی

کتاب "ذکرِ پاکاں" متعدد بزرگانِ دین کے احوال پر مشتمل ہے۔ بدیں وجہ اس میں حضرت قبلہ مولانا نواب الدین صاحب چشتی صابری قدس سرہٗ کے حالات بخوفِ طوالت مختصراً ہی لئے جاسکے اور تشنگی باقی رہی۔ اب حضرت اقدسؒ کے بیشتر معتقدین اور اربابِ اہلِ ذوق کے اصرار پر حضرت مولاناؒ کی زندگی کے مزید حالات کا اضافہ کیا تھا طباعتِ ثانی کی ضرورت محسوس کی گئی۔

بچپن سے ہی اس عاجز کو حضرت مولانا ممدوحؒ سے ایک روحانی اُنسیت اور لگاؤ رہا ہے۔ جالندھر شہر میں حضرتِ اقدسؒ کی بیشتر مجالس اور خاص صحبتوں میں اس عاجز کو آپؒ کی روحانی توجہ، شفقت و الطافِ کریمانہ سے بہرہ مند ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ اس مردِ کامل کی صحبت میں قلب کو وجدان اور روح کو سوز و گداز کی کیفیات سے شناسائی ملی۔ یہ ان ہی بزرگوں کی ارواحِ پاک کا تصرف ہے کہ عاجز کو اس تذکرہ کے لکھنے کی ہمت و توفیق عطا ہوئی۔

اگرچہ یہ عاجز حضرت اقدسؒ سے ظاہری بیعت حاصل نہ کرسکا۔ تاہم آپ کو رہبرِ طریقت اور مُرشد مانتا ہے۔ یہ بھی میری خوش نصیبی ہے کہ میری گذارشات پر کچھ عرصہ قبل حضرت قبلہ مولانا غلام ربانی صاحب ادام اللہ برکاتہٗ و فیوضہٗ نے از راہِ بندہ پروری اس عاجز کو سلسلۂ عالیہ چشتیہ صابریہ میں حلقہ بگوش فرماکر میری والہانہ عقیدت کی توثیق فرمائی۔ الحمد للہ علیٰ ذالک +

اس کتاب میں حضرت اقدسؒ کے مُرشد حضرت شاہ سراج الحق صاحب کرنالوی اور حضرت مولانا صُوفی محمد حسین شاہ صاحب مُراد آبادی قدس سرہما العزیز کے مختصر حالات اور حضرت مولاناؒ کی تصنیف "پیغامِ حق" کے مقدمہ سے اقتباسات طالبین کے استفادہ کیلئے تبرکاً درج کئے گئے ہیں۔

اس رسالہ کی تدوین و ترتیب میں حضرت اقدسؒ کے صاحبزادگان میں سے جناب قبلہ حافظ مظہر الدین صاحب مدظلہ العالی اور حضرت قبلہ مولانا غلام ربانی صاحب دامت برکاتہٗ کے علاوہ آپؒ کے پوتے جناب طارق محمود صاحب نے بھی مستند ذرائع سے کافی اور قابلِ قدر مواد فراہم کرکے بھرپور معاونت فرمائی ہے۔

حضرت علامہ مولانا نواب الدین صاحب قدس سرہٗ کے حالات اسوقت لکھے جارہے ہیں۔ جبکہ آپؒ کے اکثر پیروکار اور پرانے ساتھی اس دُنیائے فانی سے پردہ کرچکے ہیں۔ ورنہ یہ تذکرہ کئی دفتروں پر مشتمل ہوتا۔ اور اس مردِ کامل کے مزید بیشمار حیرت انگیز اور ماورائے عقل و فہم واقعات و احوال لکھے جاتے۔ کاشکہ یہ رسالہ ۳۰ - ۴۰ سال پیشتر لکھا جاسکتا۔

اس کتاب کی تصحیح اور نظرِ ثانی کیلئے جناب قبلہ حضرت مولانا غلام ربانی صاحب چشتی صابری دامت برکاتہٗ کا از حد ممنون ہوں۔ جنہوں نے اس رسالہ میں "پیش لفظ" کے تحت حضرت اقدسؒ کے بارہ میں اپنے تاثرات سے بھی نوازا ہے۔

یہاں قارئین کے گوشگذار کردینا ضروری سمجھتا ہوں۔ کہ یہ تذکرہ حضرت اقدسؒ کی زندگی کے جُملہ حالات پر محیط نہیں ہوسکتا۔ نہ ہی یہ آپؒ کی سوانح حیات ہے اور نہ ہی کوئی ادبی کتاب۔ بلکہ کچھ یادداشتوں کو جمع کرکے بطور نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے

گر قبول اُفتد زہے عز و شرف

حلقہ بگوشِ خواجگان :- محمد طفیل ناصری عفی عنہٗ

پیش لفظ

بیادگارِ حضرت خواجہ مولانا نواب الدین صاحب چشتی صابری قدس سرہ العزیز

لبوں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا
ہزاروں نطق نے بوسے میری زباں کے لئے

"ذکرِ پاکاں" طبع ثانی کے آئندہ صفحات میں حضرت مولانا ممدوحؒ کے کچھ مزید حالات ثقہ روایات سے قلمبند کئے گئے ہیں۔ گو کہ آپ کے جملہ احوال کا احاطہ ناممکن ہے۔ آپ کے احوال جو بحرِ بے پایاں کی مانند ہیں۔ قلم انہیں لکھنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ اور زبان اِن کے بیان کرنے سے عاجز و درماندہ ہے۔

حضرت مولاناؒ کی ذات کِسی تعارف اور تاثرات کی محتاج نہیں۔ آپؒ اپنے زمانہ کے اُن معدودے چند اصحابِ علم و فضل اور اربابِ کمال میں ممتاز مقام رکھتے تھے۔ جنہوں نے جنگِ آزادی کے بعد کے دورِ فتن میں طاغوتی سازشوں کے خلاف زبردست جہاد کیا۔ اور احیائے دین کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر رکھی تھیں۔

حضرت مولانا ممدوحؒ کی شخصیت کی خوبیاں بیان کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ آفتاب کو چراغ دکھانا۔ آپ اپنے وقت کے اِمام العلماء۔ رئیس المتکلمین فخر المناظرین اور شعلہ بیان خطیب تھے۔ آپؒ کے کلام میں ایک سحر تھا جو دِلوں کو مسخر کر لیتا تھا۔ آپ مصدرِ فیضِ ربّانی۔ عِلم و حقائق کے منبع۔ حکمت دانش کے پیکر۔ بحرِ حقیقت و معارف کے غوّاص۔ اور صاحبِ جذب و حال درویش تھے۔ تصوّف میں آپؒ جس بلند مقام پر فائز تھے۔ ہم اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ چہ جائیکہ آپ کی بلندیٔ درجات و مراتب کو بیان کیا جائے۔

حضرت مولاناؒ نے اپنی معرکتہ الآرا تصنیف "پیغام حق" کے مقدمہ مطبوعہ ۱۹۳۰ء

میں جو چیلنج تمام مذاہب اور فرقوں کو دیا تھا۔ آج تک کوئی بھی اس کا جواب نہیں دے سکا اور نہ کبھی دے سکے گا۔ جس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ آپؒ علم و عرفان میں بحرِ محیط کے مانند تھے۔ اور اُس زمانہ کے عُلماء و فضلاء میں ایک بلند مقام رکھتے تھے

اِس مختصر رسالہ میں آپؒ کی زندگی کے کچھ احوال آپؒ کی یادگار کے طور پر پیش کئے گئے ہیں۔ تاکہ جویانِ حق اور طالبانِ طریقت اس سے مستفیض ہو سکیں۔ ع

بیادِ پاکاں مرا قلب و روح و جدانند

(غلام ربانی چشتی صابری)
(چشت نگر۔ موضع لوکری۔ تحصیل ملتان)

تعارف

جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد سے اسلامیانِ ہند برطانوی استعمار اور ہندوؤں کے مشترکہ ظلم و ستم کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔ اسلامی تعلیمات اور سوادِ اعظم اہلسنت والجماعت کے مسلک کیخلاف اور امتِ مسلمہ میں انتشار پیدا کرنے کیلئے سازشوں کا ایک سیلاب امڈ آیا تھا جن میں سب سے خطرناک سازش "فتنۂ مرزائیت" تھا۔ اُسوقت جو زعمائے ملت اور علمائے حق ان عظیم فتنوں سے نبرد آزما ہونیکیلئے صف آرا ہوئے اُن میں حضرت مولانا نواب الدین صاحب رح کی خدمات فراموش نہیں کی جاسکتیں۔ آپ نے فتنۂ مرزائیت کیخلاف مسلسل جہاد کیا۔ اور اسکو کچلنے میں کامیاب ہو کر "فاتح قادیانیت" کے لقب سے نوازے گئے۔ بمقام افسوس ہے کہ جدید تاریخ میں آپ رح کی ملی خدمات اور دینی کارہائے نمایاں کو یکسر فراموش کر دیا گیا ہے۔

تبلیغ دین کے سلسلہ میں حضرت مولانا نے دور دراز مقامات اور دشوار گذار جنگلوں میں بے سروسامانی کی حالت میں پاپیادہ سفر کئے۔ اور ایک متبحر عالم دین اور شعلہ نوا خطیب ہونے کی وجہ سے آپ نے مسلمانوں میں جذبۂ حریت بیدار کرنے کے ساتھ ساتھ بیشمار انسانوں کو مشرف باسلام کیا۔

برصغیر میں احیائے دین کیلئے اور سیاسی تحریکوں میں بھی آپکی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں خلافت تحریک میں آپ نے رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی کیساتھ برصغیر میں طوفانی دورے کئے اور اپنی خطابت سے تحریک میں خوب جان پیدا کی۔ تحریک شدھی و سنگھٹن کے خلاف بھی آپ نے زعمائے ملت کے شانہ بشانہ کام کیا۔ اسکے علاوہ تحریک شہید گنج میں پنجاب بھر بالخصوص لاہور میں امیر ملت حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحب رح و دیگر علمائے اہلسنت کے ہمراہ نمایاں کام کیا۔ ہندوستان بھر میں سوادِ اعظم اہلسنت والجماعت کی نمائندہ آل انڈیا سنی کانفرنس کو از سرِ نو منظم کرایا۔ اور اسکی مکمل طور پر آپ نے اور آپ کے خلفاء و معتقدین نے سرپرستی اور معاونت کی۔

تحریک پاکستان میں حضرت اقدس نے آل انڈیا سنی کانفرنس کے پلیٹ فارم سے

اکابرین علمائے اہلسنت اور قائدین آل انڈیا مسلم لیگ خصوصاً قائد اعظم محمد علی جناح رح، شہید ملت خان لیاقت علیخان۔ نواب آف ممدوٹ۔ سردار عبدالرب نشتر وغیرہم کے جلو میں طوفانی دورے کئے اور اپنی تقاریر سے مسلم لیگ کو کامیاب بنانے کیلئے عوام سے اپیلیں کیں۔ آپ کی خدمات کے اعتراف کے طور پر حضرت قائد اعظم رح نے نواب آف ممدوٹ کے ذریعہ آپکو پیغام بھجوایا کہ آپ مرکزی اسمبلی کی تحصیل اجنالہ ضلع امرتسر کی نشست پر الیکشن لڑیں۔ مگر آپ نے خود انتخاب کیلئے کھڑے ہونیکے بجائے اپنے ایک معتقد چوہدری ظفر اللہ آف جہانیاں کو اس نشست سے کامیاب کرایا۔

تحریک پاکستان کیلئے حضرت مولانا ممدوح رح کی خدمات کے اعتراف کے طور پر حضرت قائد اعظم نے فرمایا تھا۔ کہ "ایسے برگزیدہ شخصیت کا قیام پاکستان کی حمایت کرنا ہمارے لئے کامیابی و فتح کی دلیل ہے۔ اور اب یقیناً پاکستان بن کر رہے گا۔"

روزنامہ "نوائے وقت لاہور" کے چیف رپورٹر جناب طارق اسماعیل نے اپنی کتاب "پنجاب اِن پالیٹکس" میں واضح طور پر لکھا ہے کہ "پنجاب بھر میں مسلم لیگ کی کامیابی کا دارو مدار صرف اور صرف مولانا نواب الدین صاحب کی علمی و روحانی خداداد قوت بے پناہ اثر و رسوخ اور شعلہ نوا خطابت کا مرہونِ منت ہے"۔

ایک متبحر و جید عالم دین اور شعلہ نوا خطیب ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کا شمار اُسوقت کے اُن اہل علم و فضل اور اہل دل حضرات میں ہوتا ہے۔ جو مسلک طریقت و روحانیت میں ایک بلند مقام رکھتے تھے۔ وہ اُن درویشوں اور فقراء میں سے تھے جنہوں نے عرفان ذات کے رموز و اسرار برسوں کی ریاضت شاقہ کے بعد حاصل کئے تھے اور جو دُنیا کی اغراض اور طمع و نذر سے بے نیاز اور مستغنی رہے تھے جس میں آج ایک دُنیا محصور ہے۔ افسوس کہ آجتک کسی اہل قلم نے آپ کی زندگی کے اس روحانی پہلو پر لکھنے کی سعی نہیں کی۔ اس کتاب میں اس روحانی پہلو پر بھی روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ایک زمانہ آپ پر ایسا بھی گذرا۔ کہ آپ مستی و سُکر کی حالت میں سرشار رہتے تھے۔ ان ایام میں آپ پر بے حد ترم و نازک احوال گذر گئے۔ اور آپ سے بیشمار خوارق عادات کا ظہور ہوا۔

کبھی شُکر کے عالم میں آپؒ دُور دراز مقامات، جنگلوں اَور ویرانوں میں نِکل جاتے۔ تو کبھی عالمِ صحو میں شہر بشہر قریہ قریہ گھومتے۔ اَور دعوت وارشاد اَور ذکر وفکر کا سلسلہ شروع ہوجاتا۔ اس عہد کے احوال وکیفیات کی داستان بیحد طویل ہے اَور ناقابلِ بیان بھی۔ آخری بار اپنے دولتکدہ (مدراس) میں واپس آئے تو پھر آپؒ پر شُکر کا اسقدر غلبہ ہُوا۔ کہ علائق دُنیا سے کنارہ کش ہوکر گوشہ نشین ہوگئے۔ اَور آخرِ دم تک آپ پہ محویت کا عالم طاری رہا۔ رحمۃُ اللّٰہ علیہِ وبرکاتہٗ۔

حضرتِ اقدس علیہ الرّحمۃ کے حالات۔ مکاشفات۔ تصرّفات وکرامات جو اس کتاب کے آئندہ صفحات میں مختصراً ذکر کئے گئے ہیں۔ اَور آپؒ کی صحبتوں اَور مجالس میں جو تأثرات وفیوض وبرکات اس فقیر نے مشاہدہ کیے۔ اَور جو کچھ کہ اس زمانہ کے اربابِ علم وفضل اور اصحابِ جذب وحال کے ذریعہ سے پہنچے۔ نیز آپؒ کے وصال کے بعد جو فیوض اس ناچیز نے مشاہدہ کئے ہیں (جن کا ذکر آخری صفحات میں تحریر کیا ہے) ان سے یہ گمان ہوتا ہے۔ کہ آپؒ وقت کے قُطبِ ارشاد اَور قلندرانہ شان رکھنے والے درویش تھے۔ نیز آپؒ کے احوالِ عجیبہ وغریبہ اور وہ معارف جو آپؒ نے اپنی تصنیف "پیغامِ حق" کے مقدمہ میں اجمالاً بیان فرمائے ہیں۔ وہ اُن علوم ومعارف سے مطابقت رکھتے ہیں جو حضرت سیّد عبدالعزیز دبّاغ مغربی رحمۃ اللّٰہ علیہ کے سوانح وحالات پر مشتمل نادرِ روزگار معارفِ لدُنیہ کے شاہکار "ابریز" میں علامہ احمد بن مبارک سلجماسیؒ نے ذکر کئے ہیں۔ اس سے یہ گمان بھی گذرتا ہے۔ کہ حضرتِ اقدسؒ کا شمار اُن رُوحانیوں اَور بزرگانِ کامل میں ہوتا ہے جو صاحبِ وقت تھے۔ اَور جن کا تعلق دیوانِ صالحین سے ہے۔ واللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔

(طفیل ناصری)

دیباچہ

جنگِ آزادی میں شکست کھانے کے بعد مُسلمانوں کا شیرازہ منتشر ہوچکا تھا۔ اُن کے سامنے نہ توکوئی راہِ عمل تھی نہ منزل۔ زُعمائے ملّت شہید ہوچکے تھے یا قید وبند کی صعوبتیں برداشت کر رہے تھے۔ جو بچ گئے اُن پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا تھا۔ ایسے عالم میں عنایات اُنہی لوگوں پہ ہورہی تھیں جو انگریز کیلئے کسی نہ کسی طرح مفید ہوسکتے تھے۔ اِنہیں خطابات اَور جاگیروں سے نوازا جارہا تھا۔ اہلِ حق کے لئے یہ عہد اسی طرح صبر آزما تھا۔ جیسے امام حسن بصریؓ کے لئے حجّاج بن یوسف کا عہد صبر آزما تھا۔

جب حالات قرار پذیر ہوئے۔ تو اہلِ حق نے تبلیغِ اسلام کا فریضہ سرانجام دینا شروع کردیا۔ صُوفیاء خانقاہوں کے گوشوں میں بیٹھ کر نُور پھیلا رہے تھے۔ اَور عُلماء مساجد کے حُجروں میں کتاب وسُنّت کا درس دے رہے تھے۔ مذہبی درسگاہیں ابھی عام نہ ہوئی تھیں۔ چنانچہ علمِ دین کے شائقین کو اپنی تشنگی بجھانے کے لئے دُور دراز کا سفر کرنا پڑتا تھا۔ وہ کہیں سے صرف پڑھتے اور کہیں سے نحو۔ کہیں سے فقہ اَور کہیں سے حدیث وتفسیر وغیرہ۔

جس مردِ خُدا کا یہ تذکرہ ہے۔ اُس کی زندگی بھی ایسے ہی مصائب وآلام سے عبارت ہے۔ جو اس عہد کے شائقینِ علم کو پیش آرہے تھے۔ اَور جب ہم یہ دیکھتے ہیں۔ کہ ذرائع آمد ورفت نہ ہونے کے باوجود پیدل چل کر اُن اُن مقامات تک پہنچ گئے جو اُن کے مولد ومسکن سے طُول وطویل مُسافت پر واقع تھے۔ تو ہمیں اس میں کوئی شُبہ باقی نہیں رہتا۔ کہ یہ عزم اَور حوصلہ، اُنہیں قُدرت کی طرف سے دیا گیا تھا۔ قُدرت اُن سے عظیم کام لینا چاہتی تھی۔ تہی دستی اَور بے سروسامانی میں بھی وُہ متوکّل اَور صابر وشاکر تھے۔

شاید خواجہ حافظ شیرازی نے کسی ایسے ہی موقع پر کہا تھا۔

این همه شهد و شکر کز سخنم می ریزد
اجرِ صبریست کزاں شاخِ نباتم دادند

(حافظ مظہر الدین مظہرؔ۔ راولپنڈی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

حضرت علامہ مولانا نواب الدین صاحب رحؒ چشتی صابری کے حالات لکھنے سے پیشتر ادب و احترام کے پیش نظر آپ کے پیر و مرشد حضرت خواجہ مولانا شاہ سراج الحق صاحب کرنالوی اور دادا مرشد حضرت سید نا صوفی محمد حسین شاہ صاحب مرادآبادی قدس سرہما العزیز کے ذکرِ پاک میں چند سطور بغرض فیض و برکت پیش خدمت کی جاتی ہیں۔

قبلہ عالم حضرت صوفی سید محمد حسین شاہ صاحب

قدس اللہ سرہ العزیز

حضرت قبلہ عالم صوفی صاحب رحؒ مرادآبادی کے حالات باوجود سعیٔ بسیار کے نہیں مل سکے جناب قبلہ حضرت مولانا غلام ربانی صاحب دامت فیوضہم ۱۹۶۳ء میں زیارتوں کے سلسلہ میں بھارت گئے تو مرادآباد میں بھی آستانہ عالیہ پر حاضری دی۔ واپسی پر آپ نے فرمایا کہ حضرت صوفی صاحب کی کوئی اولادِ نرینہ نہ تھی۔ صرف دو صاحبزادیاں نہایت ضعیف العمر تھیں جن سے کوئی حالات نہ مل سکے۔ تاہم آپ نے بیان فرمایا کہ حضرت مرادآبادی رحؒ کے ۱۱۰۰ سو مریدین و خلفاء ہوئے ہیں جو سب کے سب خلفاء اولیائے کاملین میں سے ہوئے ہیں۔ آپ جید ترین عالم باعمل تھے۔ حکیم اجمل خان اور حکیم نابینا دہلی والے بھی آپ کے مریدین میں سے تھے۔ مسئلہ "وحدت الوجود" پر آپ رحؒ کی ایک ضخیم تصنیف ہے۔ مرزا قادیانی کذاب کے فتنہ کو سب سے پہلے آپ ہی نے بڑی شدت سے کچلنے کے لئے عملی اقدامات کئے تھے۔ مرزا قادیانی نے جن ۸۶ علماء و مشائخ کو مناظرہ کی دعوت دی تھی۔ اُن میں حضرت صوفی صاحب رحؒ مرادآبادی کا اِسمِ پاک بھی شامل تھا۔

(بروایت۔ طارق محمود حضرت صوفی صاحب کو ۴۴ سے زائد مشائخ سے خلافت نامہ ملا ہوا تھا جو کہ اُس نے خود دیکھا ہے)

حضرت قبلہ مولانا شاہ سراج الحق صاحب قدس سرہ العزیز

باوجود سعیِ بسیار اس ایڈیشن میں حضرت شاہ صاحبؒ کے مختصر حالات مل سکے ہیں۔ بہرحال کوشش جاری ہے۔ مزید حالات مل گئے تو آئندہ ایڈیشن میں شامل کر لئے جائیں گے انشاء اللہ۔

حضرت شاہ صاحبؒ کا وطن مالوف کرنال شریف ہے۔ آپ کی جائے ولادت کا علم نہیں ہو سکا۔ آپ کا مزار مبارک گورداسپور میں مرجعِ خلائق رہا ہے۔ آپ کے والد ماجدؒ ملتان اور ضلع مظفر گڑھ میں افسر مال کے عہدہ پر فائز رہے ہیں۔ اور ان اضلاع کی نئی حد بندی اور ضلع حد بندی آپ ہی نے کی تھی۔ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے آٹھویں دسویں جماعت تک ملتان میں تعلیم حاصل کی۔ ماہنامہ "السراج" فیصل آباد کے شمارہ دسمبر ۱۹۷۷ء میں حضرت شاہ صاحبؒ کے مختصر حالات ملے ہیں جو درج ذیل ہیں:

حضرت قبلۂ عالم

"اللہ تعالیٰ بعض ہستیوں کو دنیا میں محض اس مقصد کیلئے بھیجتے ہیں۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی سب سے اعلیٰ مخلوق انسانیت کے خدوخال کو سنواریں۔ اور اس مادی کائنات میں روحانی اقدار کا پرچار کر کے مخلوقِ خدا کو خدا تعالیٰ کی راہ پر گامزن کریں۔ ان کے پیشِ نظر انسان کی فلاح و بہبود۔ اصلاحِ نفس اور اخلاق سازی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ وہ دنیا میں عام انسانوں کیساتھ گھل مل کر رہنے کے باوجود دنیاوی آلائشوں سے پاک رہتے ہیں۔ اور وہ ہر لحاظ سے کامل اور مکمل نظر آتے ہیں۔

حضرت مرشدِ کامل شاہ سراج الحق قدس اللہ سرہٗ بھی بلاشبہ انہی کاملین میں سے ایک تھے۔ آپ کی ولادت تقریباً ۱۸۷۸ء میں ہوئی اور ۶۳ سال کی عمر میں ۸ مارچ ۱۹۳۳ء (۱۹۳۲) مطابق ۲۸ شوال ۱۳۵۰ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ یہ بھی حسنِ اتفاق ہے کہ آپ کی تمام زندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عین نقشِ قدم پر تھی۔ تو مولائے کریم نے آپکی عمر مبارک بھی حضورؐ کی عمر مبارک کے عین مطابق فرما دی تاکہ اس بارہ میں بھی اقتدائے سنت قائم رہے۔ باوجودیکہ آپ ایک معزز خاندان کے چشم و چراغ تھے مگر آپ کی طبیعت بچپن ہی سے بہت خلیق واقع ہوئی تھی۔ اور آپ میں انسانی ہمدردی کا جذبہ بہت زیادہ تھا۔ چنانچہ جن دنوں آپ ملتان میں آٹھویں یا دسویں جماعت میں پڑھتے تھے آپ بہت

عملیات کے ماہر ہو چکے تھے۔ جن کے ذریعہ آپ بہت سی لاعلاج اور پرانی بیماریوں کا علاج فرماتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اس زمانہ میں آپکے کمرۂ مبارک میں مریضوں کا جھمگٹا رہتا تھا۔ اور یہ آپکا فیضان کسی ایک مذہب سے مخصوص نہ تھا بلکہ ہر مذہب و ملت کے مصیبت زدہ اشخاص حضورؒ کے در دولت پر حاضر رہتے اور بہر کچھ پاکر ہی لوٹتے۔ آپ ابتدا ہی سے اعمالِ شریعت کے بہت پابند تھے۔ بلکہ ہر ممکن کوشش سے دوسروں کو بھی احکامِ شریعت کی پابندی پر مجبور کرتے تھے۔ طالبعلمی کے زمانہ میں آپنے طلباء میں ایک تنظیم بنائی ہوئی تھی۔ جس کا کام صرف یہ تھا کہ طلبہ کو نماز کا شوق دلائے اور نماز نہ پڑھنے والوں کیلئے ایک ہلکی سی سزا بھی مقرر کر رکھی تھی۔ یہ تنظیم اپنے مقصد میں بہت کامیاب تنظیم تھی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد آپ ہمہ وقت عبادتِ الٰہیہ میں مصروف رہنے لگے اور سلاسلِ اربعہ کے معمولات پر عمل پیرا ہو گئے۔ لیکن توحید کے اس محیطِ بیکراں میں غوطہ زنی مرشدِ کامل کے بغیر سخت مشکل ہوتی ہے۔ آپ مرشدِ کامل کی تلاش میں نکلے اور کافی عرصہ تک اسی جستجو میں پھرتے رہے۔ مگر آپکے معیار پہ کوئی پورا نہ اتر سکا۔ بالآخر آپنے استخارہ کیا۔ اور خواب میں مرشدِ کامل صوفی حضرت قبلہ سید محمد حسین مرادآبادی قدس اللہ سرہٗ کی شکل مبارک دکھائی دی۔ آپ تلاش کرتے رہے۔ بالآخر کلیر شریف میں حضورؒ مل گئے۔ اور عرس شریف ختم ہونے کے بعد آپ کو اپنے ہمراہ مرادآباد تشریف لے گئے۔ یہاں آکر آپ کو بیعت کیا۔ اسوقت آپ کی حالت یہ تھی کہ انتہائی کیف و سرور کی وجہ سے آپ پر بے ہوشی کا عالم تھا۔ تین روز تک یہی حالت رہی۔ اور سینہ مبارک سے درد بھری آہیں نکلتی رہیں۔ تین دن کے بعد قدرے سکون ہوا۔ اس دوران قبلہ صوفی صاحبؒ نے آدمیوں سے فرمایا۔ کہ مولوی صاحب کو ذرا باہر لے جاکر تھوڑی دیر سیر کرا دیا کریں تاکہ آپکی حالت سُکر سے صحو کی طرف لوٹ آئے۔ جب ذرا ہوش میں آئے۔ تو شیخِ کامل ہی کی خدمت میں رہنا پسند کیا۔ مگر تھوڑے عرصہ کے بعد والد صاحب کے بلانے کی وجہ سے گھر تشریف لے آئے۔

آپ کے والد ماجد چونکہ افسر مال تھے۔ اُن کا یہ خیال تھا کہ آپ دنیوی جاہ و جلال میں بھی بلند مقام پر نظر آئیں۔ وہ آپکو کسی اعلیٰ عہدہ پہ دیکھنا چاہتے تھے۔ اور آپنے بھی والد محترم کے حکم کی بجاآوری کو ضروری خیال کیا۔ لہٰذا ان کی معمولی سی کوشش سے ابتدا ہی میں ڈپٹی کمشنر گورداسپور کی ریڈری قبول فرمائی۔ تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ سرکاری قلم دوات سے کبھی اپنا خط تک نہ لکھتے تھے۔ نماز کیلئے خواہ کتنا ہی ضروری کام ہوتا فوراً چھوڑ کر نماز کیلئے تشریف لے جاتے۔

ڈپٹی کمشنر انگریز تھا۔ ایک روز جب آپ نماز جمعہ کیلئے تشریف لیجانے لگے تو اُس نے کہا۔ کہ آج ضروری کام ہے۔ آپ ذرا ٹھہر جائیں۔ چونکہ وقت ہو چکا تھا۔ اسلئے آپ نے فرمایا۔ "نماز حاکم اعلیٰ کا حکم ہے۔ میں اِسے نہیں چھوڑ سکتا۔" مگر ڈپٹی کمشنر کو اس جواب سے غیر مطمئن پا کر باہر تشریف لیگئے اور استعفیٰ لکھ کر دیدیا۔ اور خود جمعہ کیلئے تشریف لیگئے۔

اب حضورؒ پوری طرح فارغ البال تھے۔ ہمہ تن خدا تعالےٰ کی عبادت اور مخلوقِ خدا کی ھدایت میں مصروف ہو گئے۔ گورداسپور کی مشرقی جانب آپنے قیام گاہ کی تجویز فرمائی۔ اور وہیں ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر فرمائی۔ اسوقت حضورؒ کی عُمر شریف ۳۵-۴۰ سال کے لگ بھگ تھی۔ چہرۂ انور پر نورِ توحید شُعلے مارتا تھا۔ آپ بلا ناغہ نماز مغرب کے بعد نماز عشاء تک اور صبح ۳ بجے سے صبح کی نماز تک نفی اثبات کا ذکر بآوازِ بلند کرتے۔ آپ کے حلقہ ہائے ذکر کی کیفیت بیان نہیں کی جا سکتی۔ اس حالت میں جس کی طرف ذراسی بھی توجہ ہو جاتی۔ وہ بے خود و دیوانہ ہو جاتا۔ اِس شرابِ طہور کے کیف و سرور اور مزے سے وُہی شخص لطف اندوز ہو سکتا ہے جو پئے۔ آپ کی توجہ بہُت غالب تھی۔ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ آپ بہت سی لاعلاج بیماریوں کو سلب کر لیتے تھے۔ اب اس کے ہمراہ جو نورِ ولایت بھی چمکا تو اب حالت یہ تھی۔ کہ جس پر بھی نگاہِ کیمیا اثر پڑ جاتی وُہ بلا دام ہی غلامی کو فخر تصور کرتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ "مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ (جو اللہ کا ہو جاتا ہے۔ اللہ اُس کا ہو جاتا ہے) اب عوام الناس میں بھی قبلۂ عالم کی محبت کا پیغام پہنچنے لگا اور آپکا حلقۂ ارادت وسیع ہوتا چلا گیا۔ لوگ کثرت سے درِ اقدس پر حاضر ہو کر ظاہری اور باطنی بیماریوں سے شفا پاتے۔ آپکے درِ دولت پر امیر و غریب بلکہ ہر طبقہ اور ہر مذہب کے لوگ حاضر ہوتے تھے۔ اور جو بھی آپ کے در پر آجاتا۔ محروم نہ جاتا۔

ع[1]۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے۔ کہ آپ کے پیر و مرشد حضرت صوفی صاحب مرادآبادیؒ نے آپکو ہدایت فرمائی تھی کہ فتنۂ مرزائیت کے استیصال کے لئے قادیان سے قریب گورداسپور کو اپنا مستقر بنائیں اِسی لئے آپ گورداسپور میں ہی مستقلاً قیام پذیر ہو گئے تھے۔

صُبح کی نماز کے بعد آپ کا معمول تھا کہ وظائف و تلاوت قرآن پاک میں مشغول رہتے۔ اس کے بعد تعلیم و تربیت کی طرف توجہ فرماتے۔ اور آپکے پاس جس مقصد کیلئے بھی کوئی آمادہ خالی واپس جاتا۔ چونکہ حضورؒ کی حیاتِ طیبہ کا نصب العین ہی احیائے دین تھا۔ اور یہ مقصد بغیر ظاہری تعلیم کے کماحقہٗ پورا نہیں ہو سکتا تھا۔ اسلئے آپ کو تعلیمی مشاغل سے بہت محبت تھی اور بالخصوص دینی تعلیم کیطرف بہت توجہ فرماتے۔ اس سلسلہ میں آپنے بہُت سے غریب طلبہ کو اپنے خرچ پر بڑے بڑے دینی مدارس میں بھیجا۔ جو فارغ التحصیل ہونے کے بعد حاضرِ خدمت ہو کر آپ کی ہدایات کے مطابق علومِ دینی کی اشاعت میں مصروف ہو گئے۔ چھوٹے بچوں میں دینی تعلیم راسخ کرنے کیلئے آپ نے ایک پرائمری سکول بھی کھولدیا تھا جس میں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ پرائمری تک کی تعلیم کا بھی بہترین انتظام تھا۔ ع[1]

آپؒ علمائے کرام کی بہت عزت فرماتے۔ مگر مناظرہ اور مباحثہ وغیرہ سے پرہیز کرتے۔ یہی وجہ تھی کہ بہُت سے جید علماء کرام آپکے حلقۂ ارادت میں شامل تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔ کہ میں چاہتا ہوں کہ عُلماءِ کرام انگریزی خوانوں سے انگریزی پڑھیں۔ اور انگریزی خوان حضرات عُلماءِ کرام سے عربی پڑھیں اِس طرح افہام و تفہیم کا سِلسلہ جاری ہوگا۔ اور ہر طبقہ میں دین کی اشاعت ہوگی۔ اِن کی اس خواہش کی تکمیل کے لیے حضرت قبلہ صاحبزادہ سید محمد ظہور الحق صاحب دامت برکاتہم مسلسل کوشاں ہیں۔ ع[1] "السراج" اور "مرکز" اِسی خواہش کا عکس ہے۔"

(ماہنامہ "السراج" فیصل آباد۔ شمارہ دسمبر ۱۹۷۷ء)

اقتباس بالا میں تحریر ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ مناظرے اور مباحثے سے پرہیز کرتے تھے۔ مگر ایک دو واقعات ہم تک پہنچے ہیں۔ جو درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) ایکدفعہ مشہور مناظر مولوی ثناء اللہ امرتسری نے حضرت شاہ صاحبؒ کو ایک بحث و مناظرے میں مدعو کیا۔ دوران

ع[1]۔ حضرت صاحبزادہ سید ظہور الحق صاحب فیصل آباد میں طالبین کی تربیت کے علاوہ تبلیغی، تعلیمی اور ادبی محاذوں پر بھی احیائے دین کے سلسلہ میں سرگرم عمل رہتے ہیں۔ ماہنامہ "السراج" کا اجراء اور "مرکز جماعت سراجیہ" کا قیام انہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ فیصل آباد میں ایک کالج ایک دینی مدرسہ اور بارہ بڑے بڑے ہائی اور پرائمری سکول قائم کرکے اپنی علمی و ادبی سرگرمیوں کا لوہا منوایا ہے۔ ہزاروں طلباء آپکے شاگرد ہیں۔ اور ہزاروں ہی آپکی مریدی کا شرف حاصل کر چکے ہیں۔ آپ ایک باکمال صاحبدل ولی اللہ اور صوفی کامل ہونیکے علاوہ ملی اور قومی تحریکوں میں سرکردہ لیڈر بھی رہے ہیں۔ اور ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کے سربراہ بھی رہے ہیں۔

گفتگو آپ سے کہنے لگا۔ "حضرت! مَیں صرف سمجھنے کی خاطر پُوچھ رہا ہُوں کہ توجّہ کس کو کہتے ہیں؟ (مولوی ثناءاللہ ایک کٹر غیر مقلد تھا اور صوفیاء کے مسلکِ طریقت کو بدعت کہتا تھا) حضرت شاہ صاحبؒ نے جواب میں فرمایا کہ "توجّہ یہ ہے۔ کہ اگر ہم اِس چھت کی طرف توجہ کریں تو یہ ہوا میں معلق ہوجائے۔" یہ فرمانا تھا کہ معاً چھت ہوا میں معلق ہوگئی۔ اِس کے بعد شاہ صاحبؒ نے یہ فرمایا کہ "اُس سامنے والی کھڑکی میں جو آدمی بیٹھا ہے۔ اگر اُس پر توجّہ کریں تو وہ کھڑکی سے کُود پڑے۔" یہ فرمایا ہی تھا کہ کھڑکی میں بیٹھا ہوا شخص بے حال ہوکر کھڑکی سے گرنے لگا۔ کہ لوگوں نے دوڑ کر اُسے بچالیا۔ یہ کرامات دیکھ کر مولوی ثناءاللہ نے ہاتھ باندھ دیئے۔ اور عرض کیا کہ میں سمجھ گیا۔"

(۲) ایکدفعہ کچھ مرزائی حضرت شاہ صاحبؒ سے مناظرہ کرنے آئے۔ آپ نے فرمایا۔ "فقیر مناظرہ نہیں کرتا۔ آپ سب تشریف رکھ بیٹھ جاؤ۔" جب سب بیٹھ گئے۔ تو فرمایا کہ "دیکھو! مرزا کذاب جہنم میں پڑا عذاب میں مبتلا ہے۔" چنانچہ مرزائیوں نے ظاہری آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کیا۔ ان میں سے کئی مسلمان ہوگئے۔ اور باقی مرزائی چلاتے ہوئے بھاگ گئے۔

(۳) ایکدفعہ لائلپور (موجودہ فیصل آباد) ریلوے اسٹیشن پر کئی مرزائی شاہ صاحبؒ سے اُلجھنے کی غرض سے آئے۔ آپ نے فرمایا۔ "وہ سامنے بھینسیں جارہی ہیں۔ اُن کے پاس جاکر کہو کہ مرزا جی الحق بلا رہا ہے۔" مرزائی مضحکہ اُڑانے لگے۔ اور تمسخر کے طور پر بھینسوں کے قریب جاکر آپؒ کے الفاظ دُہرائے۔ بھینسیں فوراً شاہ صاحبؒ کی طرف پلٹ پڑیں۔ یہ کرامت دیکھ کر کئی مرزائی مسلمان ہوگئے۔ (حضرات شاہ صاحبؒ کے ذکرِ خیر میں حافظ مظہر الدین صاحب مدظلّہٗ کے تاثرات

حضرت شاہ صاحب کرنالویؒ کے بیشمار مریدین اور خلفاء ہوئے ہیں۔ چند مشہور خلفاء میں سے اوّل و خلیفۂ اعظم حضرت علامہ نواب الدین صاحبؒ۔ اور مولٰنا حامد علی شاہ صاحبؒ شکر گڑھ والے (معروف لیگی لیڈر مولانا بشیر افگر کے والد ماجد) تھے نیز شکر گڑھ ہی کے سیّد بابا ظہور شاہ صاحب۔ جناب حضرت محمد شریف صاحب لائلپوری حضرت مولانا فیروز الدین کشمیری (جو مولانا سردار احمد صاحب کے ہمدرس تھے) بھی آپ کے بزرگ خلفاء میں سے ہیں۔

یہاں حضرات شیخینؒ کے مختصر حالات ختم ہوئے۔ اب اصل موضوع حالات حضرت خواجہ مولانا نواب الدین صاحبؒ کی طرف رجوع ہوتا ہوں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تذکرہ مشتمل بر مشاہداتِ نادرہ و احوالِ عجیبہ و غریبہ

امام العلماء سلطان العارفین قطب الاقطاب حضرت مولانا

علامہ نواب الدین صاحب چشتی صابری

قدس اللہ سرّہٗ العزیز

ابتدائی حالات اور تحصیلِ علوم

حضرت مولانا نواب الدین صاحب علیہ الرحمۃ اُنیسویں صدی کے تیسرے رُبع (۱۸۷۰ء) میں رمداس ضلع امرتسر میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد میاں جی موسیٰ الرّاعی قصبہ رمداس کے ایک زمیندار تھے۔ جن کی کوئی اولاد نہ تھی۔ جس جگہ مولاناؒ کا مزار ہے وہیں میاں صاحب کی حویلی تھی۔ ایک روز ایک ہندو جوگی یہاں آکر کھڑا ہوگیا۔ اور مولاناؒ کی والدہ کو پکار کر کہنے لگا۔ کہ "بیٹی! مغموم نہ رہا کرو۔ خدائے تعالیٰ ایک عظیم فرزند عطا کرے گا جس کی شہرت دُور دُور تک پہنچ جائے گی۔" جوگی نے یہ بھی کہا کہ "میں جب دوبارہ تم سے ملنے آؤں گا۔ تو تم پر رحمت کے دروازے کھل چکے ہوں گے۔ لیکن شاید تم مجھے نہ پہچانو۔"

صاحبزادہ جناب حافظ مظہر الدین صاحب مدظلّہٗ فرماتے ہیں۔ کہ جب میں دادی مرحومہ سے یہ روایت سُنتا۔ تو دادی مرحومہ کے زہد و تقوٰی پر کامل یقین کے باوجود یہ بات میری سمجھ میں نہ آتی۔ کہ ایک کافر کی پیشین گوئی کیسے سچی ہوسکتی ہے؟ میں ہنس پڑتا۔ اور دادی صاحبہ ناراض ہونے لگتیں۔ ایک روز دادی صاحبہ نے نیاز پکائی۔ وہ گھر کے دروازہ پر بیٹھی بیٹھے چاول بچوں میں تقسیم کررہی تھیں۔ کہ ایک ہندو جوگی آکر بیٹھ گیا۔ اور دادی صاحبہ سے کہنے لگا۔ "مائی جی! چاول مجھے بھی دو۔" ...... دادی صاحبہ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئیں

اور تشریف آوری کا شکریہ ادا کرنے کے بعد بولیں۔ کہ "سرکار! میں نے آپ کو پہچان لیا ہے۔ آپ کی [illegible] سے یہ عظیم الشان محل بھی بن چکا ہے۔ اور میری اولاد کا سلسلہ بھی بڑا وسیع ہے۔" میرا چھوٹا بھا[ئی] مظفر حسن بھی اسوقت موجود تھا۔ اور میری بہن فاطمہ بھی۔

حافظ صاحب مدظلہ، فرماتے ہیں۔ کہ اس مشاہدے کے باوجود یہ خطرہ میرے دل سے محو نہ ہو[تا] کہ کافر اتنا کامل کیسے ہو سکتا ہے؟ ایک روز میں نے حضرت عبدالعزیز دباغؒ کی ابریز کا مطا[لعہ] کر رہا تھا۔ کہ ان کا یہ ارشاد میری نظر سے گذرا۔ کہ ابدال جب آبادی میں آتا ہے۔ تو ہن[دو] جوگی یا لکڑہارے کے لباس میں ہوتا ہے۔ یہ معلوم کر کے مجھے یقین ہو گیا۔ کہ والد صاحب [کی] کی بابت بشارت دینے والا ہندو جوگی نہ تھا۔ بلکہ ابدال تھا۔

(حضرت اقدسؒ کے بعض اہلِ خانہ کا خیال ہے کہ ہندو جوگی کے بھیس میں حضر[ت] خضر علیہ السلام تھے۔ واللہ اعلم۔ (مولف))

حضرت مولانا صاحبؒ کی پیدائش سے دو تین ماہ قبل آپ کے والد انتقال کر چکے تھے۔ چنانچہ شریکوں نے زمین پر قبضہ کر لیا۔ اور والدہ نے محنت مزدوری کر کے آپکی پرورش کی۔ حضرت خلیفہ محمد صد[یق] صاحب کی روایت کیمطابق جب آپکی عمر بہت چھوٹی تھی تو محلے سے ایک لڑکی کی بارات روانہ ہوئی۔ [illegible] کی دردناک آواز سن کر آپ رونے لگے۔ اور بارات کے ساتھ ساتھ ایک قریبی گاؤں میں پہنچ گئے۔ آپ کی تلا[ش] جاری تھی کہ رات کیوقت ایک نائی آپکو لیکر گھر پہنچ گیا۔ شہر کے اس نائی نے آپ کو پہچان لیا تھا۔

(خلیفہ صاحب نے یہ روایت حضرت اقدسؒ سے سُنی تھی۔ اور بتایا کہ بچپن ہی سے آپکی طبیعت میں رقت اور گداز تھا۔ کہ سازوں کی غمناک آواز اور دلھن کی جدائی پر گھر والے جو درد بھرے گا رہے تھے۔ ان سے [illegible] پر وجد کا عالم طاری ہو گیا اور اسی مستی و محویت میں بارات کیساتھ دور تک چلے گئے۔ اور راستہ بھول گئے

حضرت مولاناؒ کے محلہ ہی کے ایک بزرگ سید مقبول حسین شاہ جو سکول ماسٹر تھے، انہوں نے آپ [کو] اپنی تحویل میں لے لیا۔ اور پرائمری تک تعلیم دی۔ پھر جامع مسجد کے خطیب مولوی فضل الرحمٰن صاحب [illegible] آپ کو صرف۔ نحو اور فارسی کی تعلیم دینا شروع کی۔ (رمداس میں ہی مولانا عبدالعزیز صاحب جو [illegible] عالم اور بزرگ تھے، بھی آپکے اساتذہ میں سے تھے۔ نیز رمداس میں مولانا سید فضل حسین شاہ علمِ طب [illegible] آپ کے ہمدرس رہے ہیں)

اس عہد میں آپ کا معمول تھا۔ کہ استاد سے سبق پڑھنے کے بعد برادری کے کنوئیں پر چلے جاتے۔ وہیں سبق یاد کرتے اور فرصت کے اوقات میں "ہیر وارث شاہ" پڑھتے۔ آپ کی آواز میں جادو تھا خود بھی روتے اور دوسروں کو بھی رُلاتے۔ ایکدن آپ رقت کے عالم میں ہیر پڑھ رہے تھے۔ کہ ایک ملنگ قریب سے گذرا۔ اُس پر وجد طاری ہو گیا۔ اور وہ دیر تک زمین پر لوٹتا رہا۔ جب ہوش میں آیا۔ تو اُس کا کُرتا پھٹ چکا تھا۔ چنانچہ آپ نے اپنا کرتہ اُتار کر اُسے پہنا دیا۔ حالانکہ آپ کی والدہ ماجدہ نے محنت مزدوری کر کے کھدر کا یہ کرتا ابھی ابھی سی کر دیا تھا۔

اسی عہد میں ایک آریہ نے رمداس میں آکر اسلام کیخلاف دریدہ دہنی کا سلسلہ شروع کر دیا۔ شہر کے لوگ آپ کے استاد کو مناظرہ کیلئے لے گئے۔ لیکن یہ بزرگ مناظر نہ تھے رُک رُک کر بولتے تھے۔ اس کا عوام پر بہت بُرا اثر پڑا۔ جوش میں آکر مولاناؒ سٹیج پر آگئے اور اُس آریہ پر عقابی حملے شروع کر دیئے۔ پہلے مسلمانوں کو جو خفت اُٹھانا پڑی تھی وہ بہجت و سرور میں بدل گئی۔ ہر جگہ لوگ یہ کہہ رہے تھے۔ کہ ارائیوں کے لڑکے نے تو اب کمال کر دیا۔ آتش بازوں کے خاندان کے ایک شرابی تانگہ بان نے گالی دیکر کہا۔ یہ کیا جانتا ہے؟! اسے اتنا کیوں چڑھا رہے ہو؟ مولاناؒ نے اس کے طرزِ عمل پر احتجاج کیا۔ تو وہ اور ہذیان بکنے لگا۔ چنانچہ آپ نے لوہار کی دوکان سے ایک ہتھوڑا اُٹھا کر مارا۔ تو اُس کی پسلیاں ٹوٹ گئیں۔ یہ پہلوانوں کا خاندان تھا۔ اور ان کی افرادی قوت بھی بہت زیادہ تھی۔ چنانچہ بعض لوگوں نے آپ کی والدہ کو مجبور کیا کہ اِسے شہر سے باہر بھیجدو۔ ورنہ اس کی جان کو خطرہ ہے۔ چنانچہ آپکی والدہ کوئی دو میل تک آپ کے ساتھ شہر سے باہر گئی۔ پانچ پیسے اور کھدر کی چادر دیکر آپکو خدا کے سپرد کیا۔ اور بادیدۂ اشکبار لوٹ آئیں۔

اِن ہی ایام میں رستم زماں غلام پہلوان کی کشتی ککڑ سنگھ سے ہونے والی تھی۔ امرتسر پہنچکر آپ رستم زماں کو ورزش کرتے ہوئے دیکھنے کیلئے اس کے اکھاڑے میں پہنچ گئے۔ رستم زماں کی کشتی دیکھنے کا آپ کو بہت شوق تھا۔ خود فرمایا کرتے تھے کہ "کشتی دیکھنے کیلئے میں صبح کو دوڑ کر امرتسر پہنچ جاتا اور کشتی دیکھکر رات کو گھر آجاتا۔" رمداس سے امرتسر ۲۷ میل کی مسافت پر ہے۔ لیکن ایکدن میں آپ چلے بھی جاتے اور آ بھی جاتے۔

ایک روز آپ اکھاڑے کے قریب کھڑے پہلوانوں کو ورزش کرتے ہوئے دیکھ رہے تھے

کہ رستم کی نظر آپ پر پڑ گئی۔ اُس نے قریب بُلا کر آپ کے کوائف دریافت کئے۔ اور کہا کہ "اگر تم پہلوانی کا فن سیکھ لو۔ تو بہت بڑے پہلوان بن سکتے ہو"۔ رُستم کی ترغیب و تحریص پر آپ نے یہ پیشہ اختیار کر لیا۔ بائیس روز کے بعد آپ کا ضمیر جاگا۔ تو ایک روز وہاں سے اُٹھ کر آپ ایک مسجد میں آ گئے۔ نماز مغرب کے بعد نمازی چلے گئے۔ تو آپ درد و سوز میں ڈوبی ہوئی آواز کے ساتھ نعت پڑھنے لگے۔ یہ آواز ایک شخص کے کان میں پڑی تو وہ قریب آ کر آپ کے حالات پُوچھنے لگا۔ آپ نے بتایا کہ آپ گھر سے تعلیم حاصل کرنے کے لئے نکلے ہیں۔ وہ بولا کہ میں الٰہ آباد کا تاجر ہوں۔ چلو میں تمہیں اپنے شہر کے مدرسہ میں داخل کرا دوں گا۔

یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ الٰہ آباد میں آپ کا کتنی مدت قیام رہا۔ البتہ اجمیر شریف کی درسگاہ میں آپ کے قیام کی مدت چار پانچ سال کے قریب بیان کی جاتی ہے۔ صرف اتنا معلوم ہے کہ خواجہ حسن نظامی رح آپ کے ہم مکتب اور بے تکلف دوست تھے۔ (یہ بھی پتہ چلا ہے۔ کہ مولانا عبدالسلام دھلوی بھی آپ کے ہم مکتب تھے (مولف) حضرت خواجہ امیر خسرو رح اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی قدس سرہ کے عُرس پر آپ جاتے تو خواجہ صاحب سے خوب محفلیں رہتیں۔ غالباً ۱۹۲۷ء میں خواجہ صاحب دسوہہ ضلع ہوشیار پور کے ایک جلسہ میں تشریف لائے۔ تو خواجہ صاحب صدر تھے اور مولانا رح مقرر تھے۔ مولانا کی تقریر سننے کے بعد خواجہ صاحب نے ازراہِ تفنن کہا کہ "مولانا! آپ کہاں پنجاب میں پیدا ہو گئے؟" مولانا رح نے ہنس کر فرمایا کہ "شکر ہے پنجاب میں پیدا ہُوا۔ دِلّی میں پیدا ہوتا تو مرچیں کھا کر بواسیر کا شکار ہو جاتا"۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ خواجہ صاحب کو اُن دنوں بواسیر کا مرض لاحق تھا۔ دِلّی کی لطافت۔ پنجاب کی توانائی اور پٹھانوں کی مہمان نوازی کے آپ بہت قائل تھے۔ ایک روز فرمایا۔ کہ "یہ رسولی جو میرے سر میں ہے یہ کوہاٹ کے زمانۂ طالب علمی کی نشانی ہے۔ پٹھانوں کے علم فقہ میں کمال کی بڑی شہرت تھی اسی لئے میں کوہاٹ پہنچ گیا۔ روٹی تو میں خارغ اوقات مزدوری کر کے کھا لیتا تھا۔ لیکن سردی سے بچنے کا کوئی انتظام نہ تھا۔ روانگی کے وقت میری اماں

ىلہ حضرت اقدس کے چھوٹے صاحبزادہ جناب مظفر حسن صاحب نے قبلہ حضرت مولانا غلام ربانی صاحب مدظلہ کی وساطت سے کوہاٹ کے زمانۂ تعلیم کی روایت یُوں بیان کی ہے۔ کہ حضرت اقدس رح اکثر فرمایا کرتے تھے "کوہاٹ میں تحصیل علم کے سلسلہ میں سخت مشقت اٹھانا پڑی۔ مدرسہ کے تمام طالب علم مانگ کر روٹی لاتے تھے۔ مجھے بھی مانگنے کو کہا گیا (باقی دیگر صفحہ کے حاشیہ میں)

کھدر کی جو چادر دی تھی اس پر مسجد کا گھاس پھوس بچھا دیتا۔ اور اس کے اندر سو جاتا۔ لیکن تکیہ کا کام اینٹ سے لیتا تھا۔ یہ رسولی اسی اینٹ کے باعث پیدا ہو گئی تھی۔" اِس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ گھر سے نکل کر آپ سیدھے کوہاٹ گئے تھے الٰہ آباد پہنچنے کا واقعہ ممکن ہے بعد کا ہو۔

غرض کوہاٹ۔ دِلّی۔ اجمیر۔ الٰہ آباد۔ مرادآبادىلہ۔ فرخ آباد۔ امرتسرىلہ۔ جالندھرىلہ کنجاہ اور فاضلکا وغیرہ کے زمانۂ تعلیم کے واقعات تو آپ کی زبان سے سُنے گئے۔ مگر یہ نہ معلوم ہو سکا کہ ان سفروں کی ترتیب کیا تھی۔ صرف اتنا وثوق سے کہا جا سکتا ہے۔ کہ فاضلکا بنگلہ کا سفر آپ کا آخری تعلیمی سفر تھا۔ یہاں آپ کی رفیقۂ حیات بھی آپ کے ساتھ تھیں۔ یہاں کے عالم امام المناطقہ کے نام سے مشہور تھے۔ اُن سے بات ہوئی۔ تو اُنہوں نے کہا۔ کہ اب آپ کو منطق پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ مختصر مدت کے قیام کے بعد آپ امرتسر آ گئے۔

(آپ رح کی زندگی کے ابتدائی حالات اور تحصیل علوم کے بارہ میں حالات مندرجہ جناب قبلہ حافظ مظہر الدین صاحب مدظلہ کے عنایت کردہ ہیں)

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ مگر میں نے اپنے معلم صاحب سے کہا تھا کہ میں مانگ کر نہیں پڑھوں گا۔ بلکہ محنت مزدوری کر کے پڑھوں گا۔ نہ ہی مجھے مانگنا آتا ہے۔ اور نہ ہی میری طبیعت گوارا کرتی ہے۔ میں ناغہ کے دن گھاس کھود کر فروخت کرتا۔ جس سے خود بھی کھاتا۔ ساتھیوں کو بھی کھلاتا۔ نیز باقاعدہ نمازیوں کے وضو کے لئے پانچوں وقت کنوئیں سے پانی نکالا کرتا۔ اس محنت کے عوض مجھے مانگنے نہیں جانا پڑتا تھا۔ اسی طرح میں نے تعلیم حاصل کی۔

ىلہ دیگر روایات سے پتہ چلا ہے۔ کہ مرادآباد میں آپ نے مولانا سید گل محمد شاہ صاحب رح قادری سے تعلیم دین حاصل فرمائی اور علامہ سید محمد نعیم الدین صاحب رح آپ کے ہمدرس تھے۔ نیز امام المحدثین حضرت علامہ شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی (جن کا سلسلہ اسناد حضرت شاہ عبدالعزیز ابن شاہ ولی اللہ رح دھلوی سے ملتا ہے) آپ کے اساتذہ کرام میں سے تھے۔

ىلہ امرتسر میں حضرت مولانا مفتی غلام مصطفیٰ صاحب رح (جو زبردست عالم اور بزرگ تھے) آپ کے اساتذہ میں سے تھے۔

ىلہ جالندھر میں آپ نے حضرت مولانا حافظ سید ظہور حسین صاحب اور مولانا سید حافظ ظہور الحسن صاحب سے علم دین کی تکمیل کی

حصولِ بیعتِ طریقت

تعلیم دین کی تکمیل کے بعد آپ تلاشِ مرشد اور حصولِ بیعت کی خاطر گولڑہ شریف حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب رحمتہ اللہ کے پاس تشریف لیگئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ "مولانا! آپ تو خود بڑے جید عالم دین اور کامل بزرگ ہیں۔ میں آپکو کیسے بیعت کرلوں"۔ تاہم اِدھر سے اصرار پر بھی یہی جواب مِلا۔ کہ آپکا حصہ حضرت مولانا شاہ سراج الحق صاحب چشتی صابری کرنالوی قدس سرہٗ العزیز (سجادہ نشین درگاہ حضرت بو علی شاہ قلندرؒ) کے پاس ہے۔ بروایت حضرت حافظ مظہر الدین مدظلہٗ اس عہد کے ممتاز عالم دین جناب مولانا نور محمد صاحب سے حضرت خواجہ کرنالویؒ کے دوستانہ مراسم تھے۔ جب خواجہ صاحب کرنالویؒ امرتسر تشریف لائے۔ تو آپ سے حضرت مولاناؒ کی ملاقات ہوئی۔ اس کے بعد بیعت سے سرفراز کیے گئے۔

یوں تو اس عہد کے تمام مشاہیر سے آپکے گہرے مراسم تھے۔ لیکن حضرت پیر مہر علی شاہ صاحبؒ سے آپ کو خاص نسبت تھی۔ اکثر گولڑہ شریف حاضری دیتے۔ اور سفر میں بھی ساتھ رہتے تھے۔ غلام علی داں بھچران کیساتھ جب حضرتؒ کا مناظرہ ہوا۔ تو حضرت مولاناؒ بھی موجود تھے۔

ایکدفعہ ایک شخص نے کہا کہ "پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کا علم آپکے علم کے برابر تھا؟" توبہ توبہ کہتے ہوئے فوراً دونوں کان پکڑ لیے۔ اور فرمایا۔ کہ "مَیں اُس قلزم ذخار کے سامنے ایک قطرہ بھی نہیں"۔ ایک مرید نے ایکدفعہ سوال کیا کہ "علماء و مشائخ میں آپ جیسا کوئی خوش آواز ہے؟" ذرا تامل کے بعد فرمایا۔ "ہاں مولانا سلیمان پھلواری کے لحن کا کوئی جواب نہ تھا۔"

(حافظ مظہر الدین)

؎۱۔ حضرت اقدسؒ کے مرید و خلیفہ حضرت مولانا مست جمال صاحب مدظلہٗ (ساہیوال) کی روایت کیمطابق آپ بیعت کرنے کیلئے کرنال تشریف لیگئے۔ حضرت خواجہ سراج الحق صاحبؒ نے آپکو دیکھتے ہی فرمایا کہ "مولانا! مَیں تو کافی مدت سے آپکا منتظر تھا۔ اچھا ہوا کہ آپ آگئے"۔ بیعت کے بعد حضرت کرنالویؒ نے آپکو چاروں سلاسل کی خلافت سے نوازا۔ نیز آپکو حضرت امام احمد رضا خان بریلویؒ سے بھی خلافت نامہ مِلا ہوا تھا۔

حضرت اقدسؒ عالمِ جوانی میں ہی ایک متبحّر عالمِ دین - زبردست مناظرِ اسلام - شعلہ نوا خطیب اور کامل مرشدِ طریقت کے مقام پر فائز ہو چکے تھے - چنانچہ جلد ہی آپ نے برِّصغیر خصوصاً پنجاب میں زبردست شہرت حاصل کر لی - آپ بے حد نڈر بے باک اور حق گو خدا پرست تھے - آپ نے اپنے غیر معمولی کمالات - ذہانت - فطانت - سخاوت و شجاعت اور بلند پایہ شخصیت کی بنا پر عوام و خاص کو بیحد متاثر کر کے اپنی طرف راغب فرما لیا تھا - آپ کو متعدد ملکی اور غیر ملکی زبانوں پر عبور حاصل تھا - شاعری میں بھی درک رکھتے تھے - اور خود ایک عمدہ شاعر بھی تھے - علم فقہ میں تو امامِ وقت تھے - زبردست طبیب و ماہرِ علمِ جفر و ریاضی تھے - اور صاحبِ تقویٰ اور ولیٔ کامل تھے -

تبلیغی دَورے

حضرت مولانا نواب الدین صاحبؒ کی زندگی کا بیشتر ابتدائی حصّہ روسی - چینی سرحدوں - کوہ ہمالیہ کے پہاڑوں کی سیاحت اور ہندوستان اور پنجاب میں تبلیغی سرگرمیوں میں گذرا - جہاں اب بھی آپؒ کے ارادت مندوں کی بڑی تعداد موجود ہے -

آپؒ نے متعدد غیر ممالک مثلاً براعظم افریقہ - ترکی - ایران - افغانستان - روس چین سری لنکا - منگولیا - تبت - ملائیشیا - بنگال - نیپال - کشمیر کے علاوہ متعدد بار پورے برِّصغیر کا دورہ فرمایا - اور ہزاروں انسانوں کو حلقہ بگوش اسلام فرمایا - غیر ملکی دوروں میں آپ کے خلفاء میں سے مولانا مست جمال صاحب مدظلہٗ (ساہیوال) اور سید عبدالمعبود شاہ صاحب گیلانی مدظلہٗ ساتھ ہوا کرتے تھے -

جناب مولانا مست جمال صاحب مدظلہٗ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت اقدسؒ کے ساتھ متعدد غیر ملکی دورے کئے - ایران و عراق کی تمام زیارتوں خصوصاً حضرت امام رضاؓ کے مزار اقدس پر بار بار حاضری دی ہے - نیز فرماتے ہیں کہ گیارہ دفعہ سے زائد مولانا نواب الدین صاحبؒ کیساتھ اپنی زندگی میں حج مبارک کئے - آپ نے یہ بھی روایت کی کہ مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادیؒ بھی حضرت مولانا نواب الدین صاحبؒ کے اساتذہ میں سے تھے - اور یہ کہ حضرت مولانا ممدوحؒ کو

متعدد مشائخ عظام سے خرقۂ خلافت مِلا تھا۔

اِس ضمن میں جناب حافظ مظہر الدین صاحب زاد مجدہٗ نے جو مضمون بعنوان "سید عبدالمعبود اور مولانا نواب الدین" ارسال فرمایا ہے۔ گرانمایہ معلومات کا حامل ہے۔ یہ مضمون "روزنامہ نوائے وقت" کے ۲۴ رمئی ۱۹۷۸ء کے شمارہ میں شائع ہوچکا ہے۔ جو قارئین کی معلومات کے لئے یہاں نقل کیا جاتا ہے:۔

"سید عبدالمعبود اور مولانا نواب الدین رح"

کوئی دس پندرہ سال اِدھر کی بات ہے کہ میرے ایک دوست حاجی اللہ دتہ صاحب نے میلسی سے لکھا۔ کہ سید عبدالمعبود شاہ صاحب ایک بہت پرانے بزرگ ہیں۔ جن کی عمر سوا سو سال سے بھی زائد بیان کی جاتی ہے۔ یہ ساٹھ سے زیادہ حج کر چکے ہیں۔ کہیں اِن کا سُراغ مِل جائے تو اطلاع دیجئے۔ میں اِن کی زیارت کرنا چاہتا ہوں۔ میرے لئے یہ معمہ بنا تھا۔ لیکن یہ بات سُن کر میرے دِل میں بھی موصوف کی زیارت کی خواہش پیدا ہوئی۔ آسٹریلیا مسجد لاہور والے خواجہ ارشد صاحب ایکدِن مِلے۔ تو اُن کی زبانی معلوم ہوا کہ یہ بزرگ حاجی امداد اللہ صاحب رح مہاجر مکی کے خلیفہ ہیں۔ یہ بات میرے لئے اور بھی حیران کُن تھی۔ چنانچہ میرا تجسس بڑھ گیا۔ تا آنکہ یکم مئی کی شام کو خواجہ ارشد صاحب میرے پاس تشریف لائے۔ اور اُنہوں نے بتایا کہ سید عبدالمعبود شاہ صاحب جیلانی اِسوقت اِسلام آباد میں مقیم ہیں۔ یہ سُن کر بیحد مسرت ہوئی اور ہم دونوں حاجی صاحب کی قیام گاہ پر پہنچ گئے۔

اُس وقت حاجی صاحب وہاں موجود نہ تھے۔ تھوڑی دیر بعد ایک کار دروازے پر آکر رُکی۔ اور اس کے اندر سے کچھ لوگوں نے نکل کر ایک خضر صورت بزرگ کو سہارا دے کر باہر نکالا۔ یہ عربی لباس میں ملبوس تھے۔ اور کمر جھکی ہوئی تھی۔ جو لوگ حاجی صاحب کے انتظار میں تھے اُنہوں نے والہانہ انداز میں بڑھ کر اِستقبال کیا۔ بعد میں موصوف سے میں مِلا۔ مجھے اپنے ایک برادر زادہ کے ذریعہ یہ بھی معلوم ہو چکا تھا۔ کہ حضرت حاجی صاحب کے میرے والد صاحب سے بڑے گہرے مراسم تھے۔ اور ان دونوں بزرگوں نے تبلیغِ اِسلام کے سلسلے میں

بڑے طُول طویل سفر کئے ہیں۔ میں نے ہاتھ مِلاتے ہی کہا کہ "حضرت! میں مولانا نواب الدین مرحوم کا بڑا بیٹا ہوں"۔ والد صاحب کا نام سُنتے ہی حضرت نے میرے چہرے پر نظریں گاڑ دیں اور بڑے سکون آمیز لہجہ میں فرمایا کہ "الحمدللہ کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی نشانی کو دیکھا ہے"۔

جب حضرت کو اندر لیجا کر صوفے پر بٹھایا گیا تو آپ نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ کہ "آپ میرے پاس بیٹھیں"۔ حضرت سے میرا پہلا سوال یہ تھا کہ آپ کی عمر کتنی ہے؟ کسی تامل کے بغیر فرمانے لگے کہ اِسوقت ایکسو اکیاون سال ہوگئی ہے۔ حضرت امداد اللہ صاحب رح مہاجر مکی کا ذِکر چھڑا تو فرمانے لگے کہ حاجی صاحب سے میری عمر ۱۷ سترہ سال زیادہ ہے۔

میں نے پوچھا کہ حضرت آپ نے کتنے حج کئے ہیں؟ فرمایا کہ ۸۰ اسی حج کر چکا ہوں۔ ۱۳ تیرہ حج میں نے پیدل کئے۔

حضرت اقدس کیلئے اپنا مجموعۂ نعت "جلوہ گاہ" میں ساتھ لیگیا تھا۔ یہ پیش کیا تو بے تکان پڑھنے لگے اور فرمایا کہ یہ بہترین تحفہ ہے۔ جو آپ نے مجھے دیا ہے۔ کچھ تحسینی کلمات بھی فرمائے۔

میں نے پوچھا کہ "حضرت! آپ کا یہ سفر کتنی مدت جاری رہا"؟ فرمانے لگے کہ "ایک سال تک"۔

میں نے پھر سوال کیا کہ حضرت! آپ گلگت سے حج کیلئے کیسے جاتے ہیں؟ جواباً فرمایا کہ عہدِ خلافت میں سلطان عبدالحمید نے میرا وظیفہ مقرر کر رکھا تھا۔ خلافت ختم ہوئی اور سعودی حکومت ظہور میں آئی تو سلطان عبدالعزیز نے میرے تاحیات حج کا ذمہ لے لیا۔" یہاں پہنچ کر حضرت کچھ مسکرائے اور میری طرف بغور دیکھنے کے بعد فرمایا۔ کہ "ابتدا میں سعودی حکومت کو میرے متعلق کچھ غلط فہمیاں تھیں لیکن جب سلطان عبدالعزیز سے ملاقات ہوئی تو یہ غلط فہمیاں دور ہوگئیں اور اُنہوں نے مجھے اس انعام سے نوازا"۔ حضرت اقدس کا عربی قصیدہ سُن کر مجھے آپ کے تبحر علمی کا اندازہ تو ہو چکا تھا۔ اِسی ضمن میں حضرت نے ایک اور بات فرمائی جو آپ کے علم نحو میں یدِ طُولیٰ کی دلیل تھی۔ اور وہ بات یہ تھی کہ ایکدفعہ میں اور آپ کے والدِ ماجد شیخ الجامعہ مولانا غلام محمد گھوٹوی سے مِلنے گئے۔ وہاں عُلماء کا اجتماع تھا۔ اور زیرِ بحث یہ عبارت تھی۔ "الفاء فی الشفاء خبرٌ من اللہ و رسولہٗ"۔ شیخ الجامعہ نے آپ کے والد ماجد کو دیکھ کر کہا۔ کہ اِس کا جواب مولانا نواب الدین صاحب رح دیں گے۔ آپ کے والد صاحب نے برجستہ فرمایا۔ کہ یہاں

شبیہِ مبارک امام العلماء سلطان العارفین قطب الاقطاب!

حضرت علامہ مولانا نواب الدین صاحب چشتی صابری قدس سرہ العزیز



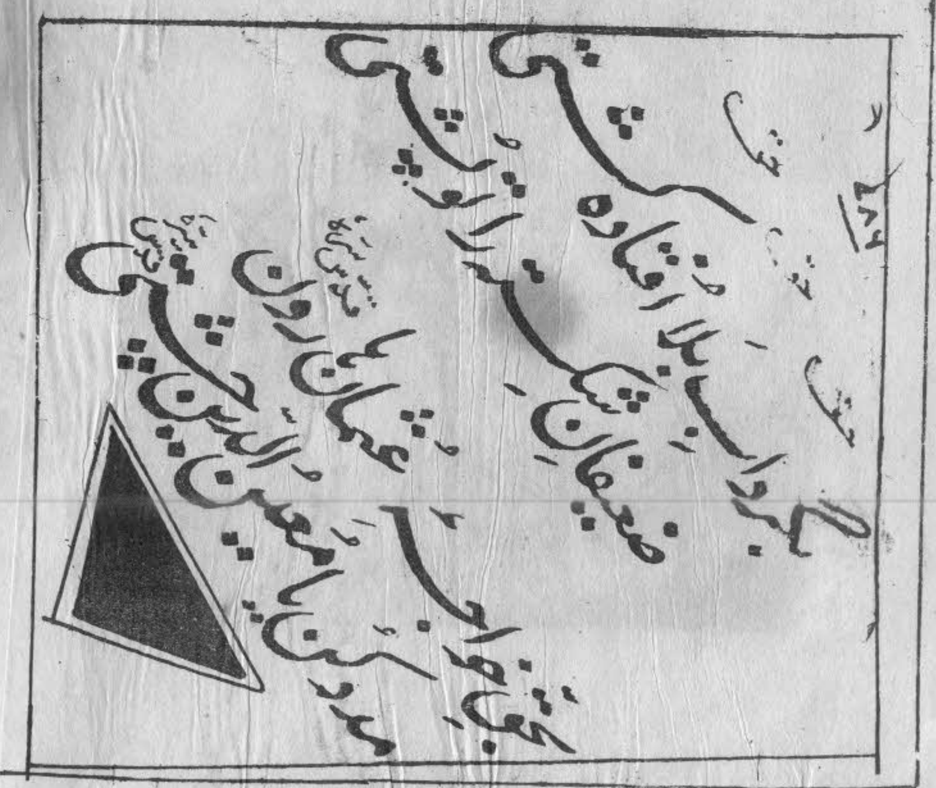
شبیہِ مبارک امام العلماء سلطان العارفین قطب الاقطاب!

حضرت علامہ مولانا نواب الدین صاحب چشتی صابری قدس سرہ العزیز



حیدر آباد (دکن) میں شہید کربلاؑ کے موضوع پر اثر انگیز تقریر

(۲) نظام حیدر آباد دکن، حضرت اقدسؒ کا ازحد معتقد تھا۔ ایکمرتبہ آپؒ جالندھر میں قیام فرما تھے۔ کہ نواب دکن نے آپکو محرم الحرام کے موقعہ پر ریاست میں مدعو کیا۔ چنانچہ آپ چند ساتھیوں کیساتھ حیدر آباد پہنچے۔ یکم محرم الحرام کو آپنے نواب دکن کی موجودگی میں نمازِ عشاءؒ کے بعد سے نماز فجر تک ایک عظیم الشان اجتماع میں سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السّلام کے فضائل اور واقعہ کربلا کے موضوع پر اسقدر جامع اور جانگداز تقریر فرمائی۔ کہ حاضرین پر شدید رقّت طاری رہی۔ اور بعض لوگ دھاڑیں مار مار کر روئے۔ عورتوں اور مردوں نے زیورات اور نوٹوں کی بارش کر دی اور دولت کے انبار لگ گئے (جو کم از کم پچاس لاکھ کی مالیت کے تھے) کچھ ساتھیوں کے دل میں لالچ پیدا ہوا۔ کہ اب خوب عیش میں دن گذریں گے۔ حضرت اقدسؒ نے بذریعہ کشف یہ خیال بھانپ لیا۔ اور سب لوگوں کی موجودگی میں یہ سارا مال خزانہ میں بیت المال کی مد میں جمع کرنے کے لئے نواب دکن کے حوالے کر دیا۔



حیدر آباد (دکن) میں شہید کربلاؑ کے موضوع پر اثر انگیز تقریر

(۲) نظام حیدر آباد دکن، حضرت اقدسؒ کا ازحد معتقد تھا۔ ایکمرتبہ آپؒ جالندھر میں قیام فرما تھے۔ کہ نواب دکن نے آپکو محرم الحرام کے موقعہ پر ریاست میں مدعو کیا۔ چنانچہ آپ چند ساتھیوں کیساتھ حیدر آباد پہنچے۔ یکم محرم الحرام کو آپنے نواب دکن کی موجودگی میں نمازِ عشاءؒ کے بعد سے نماز فجر تک ایک عظیم الشان اجتماع میں سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السّلام کے فضائل اور واقعہ کربلا کے موضوع پر اسقدر جامع اور جانگداز تقریر فرمائی۔ کہ حاضرین پر شدید رقّت طاری رہی۔ اور بعض لوگ دھاڑیں مار مار کر روئے۔ عورتوں اور مردوں نے زیورات اور نوٹوں کی بارش کر دی اور دولت کے انبار لگ گئے (جو کم از کم پچاس لاکھ کی مالیت کے تھے) کچھ ساتھیوں کے دل میں لالچ پیدا ہوا۔ کہ اب خوب عیش میں دن گذریں گے۔ حضرت اقدسؒ نے بذریعہ کشف یہ خیال بھانپ لیا۔ اور سب لوگوں کی موجودگی میں یہ سارا مال خزانہ میں بیت المال کی مد میں جمع کرنے کے لئے نواب دکن کے حوالے کر دیا۔



"مِن" قسمیہ ہے۔ یہ فرمانے کے بعد حضرت نے "مِن" کی اقسام پر فاضلانہ گفتگو کی۔

میں نے پوچھا کہ حضرت! آپ نے کوئی کتاب بھی لکھی ہے؟ فرمایا کہ کتابیں تو عربی فارسی میں بہت لکھی ہیں لیکن "قتابِ فتوشیثون" میری رودادِ حیات کا ایک زرّیں باب ہے۔ اور جس تصنیف پر میری زبان شکر ادا نہیں کر سکتی۔ وہ میری بے نقط تفسیرِ قرآن ہے۔ جو میں نے عربی زبان میں لکھی ہے۔ بے نقط تفسیرِ قرآن کے الفاظ سن کر میرے ذہن میں دربارِ اکبری کے فیضی کا نام گھومنے لگا۔ اور ساتھ ہی یہ احساس بھی اُبھرا کہ اکبر نے فیضی کی بے نقط تفسیر کو شائع کر دیا تھا۔ جو آج تک علمی ادبی دنیا میں ایک شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے۔ لیکن سید عبد المعبود کی بے نقط تفسیر کو کون شائع کرے؟ آج علم کا قدردان کون ہے؟ ہمارا ملکی سرمایہ اللّوں تللّوں اور ثقافتی وفود پر ضائع ہو رہا ہے۔ یہاں عبد المعبود شاہ صاحب کی بے نقط تفسیر کو پوچھنے والا کون ہے؟ ع

مرا در دورِ بے سوز آفریدند

حضرت سے میری گفتگو طویل سے طویل تر ہوتی جا رہی تھی اور دل میں یہ احساس بھی بڑی شدت سے اُبھر رہا تھا کہ سارا وقت تو میں نے لے لیا ہے۔ آخر دوسروں کا بھی کوئی حق ہے۔ میں نے ذرا خاموشی اختیار کی۔ تو حاضرین میں سے ایک صاحب بولے کہ "حضرت! آپ نے انگریزوں کی آمد کا زمانہ دیکھا ہوگا؟" فرمایا۔ "خوب دیکھا ہے۔ یہ عہد بڑی مصیبت کا تھا۔"

بہرحال مجھے یہ خوشی ہے کہ حضرت کی اور میری گفتگو صاحبِ خانہ ملک غلام نبی نے ٹیپ کر لی۔ اِن میں والد صاحب کے دو غیر مطبوعہ قصیدے بھی ہیں۔ ایک اردو اور ایک عربی۔ اور پھر میری طرف مخاطب ہو کر فرمانے لگے کہ لیجئے۔ اب میں آپکو آپکے والدِ ماجد کا کلام سناتا ہوں۔ اور کسی توقف کے بغیر ایک طول وطویل عربی قصیدہ سنانا شروع کر دیا۔ اِس سے پہلے مجھے معلوم نہ تھا کہ والد صاحب عربی زبان کے بھی بلند پایہ شاعر تھے۔ پھر ایک اپنا عربی قصیدہ سنایا۔ یہ دونوں قصائد تیس تیس شعروں سے کیا کم ہوں گے۔ میں حضرت کا یہ حافظہ دیکھ کر حیران ہو گیا۔ اور یہ خیال بھی گزرنے لگا۔ کہ والدِ ماجد نے تقریباً ایک صدی پیشتر یہ قصیدہ لکھا ہوگا۔ جو حضرت کو ازبر ہے۔ یہاں سے حضرت کے والد صاحب سے قلبی ربط کا اندازہ بھی ہوتا تھا۔ شاید حضرت نے میری اِس قلبی کیفیت کو

بھانپ لیا تھا۔ فوراً مخاطب ہو کر فرمانے لگے۔ کہ میں مولانا کیلئے تین عمرے کر چکا ہوں۔ میں نے پوچھا۔ کہ حضرت آپ کی والد صاحب سے کب ملاقات ہوئی تھی؟ فرمانے لگے۔ "ملاقاتیں تو بہت ہوئی ہیں اور تبلیغی سفر بھی ہم دونوں نے بہت کئے ہیں۔ لیکن پہلی ملاقات جب ہوئی تھی اُسوقت مولانا کی شادی ہو چکی تھی اور اِن کے گھر ایک لڑکی بھی پیدا ہو چکی تھی۔ اِس عہد میں ہم نے طویل سفر کیا تھا۔ میں نے پوچھا کہ یہ سفر کس طرف کا تھا؟ فرمانے لگے کہ "اس عہد میں آمدورفت کے ذرائع نہ تھے۔ راولپنڈی سے پیدل چلکر ہم دونوں ایبٹ آباد پہنچے۔ اور پھر وہاں سے وادیٔ کاغان ریاست سوات سے ہوتے ہوئے ھنزہ پہنچ گئے۔" میں نے پوچھا کہ اس سفر میں آپکے پاس کچھ سامان بھی تھا؟ فرمایا۔ "نہیں۔ صرف ایک ایک گرم چادر تھی۔" مجھے یہ داستان ایک الف لیلوی داستان معلوم ہو رہی تھی۔ چنانچہ میں نے حیرت سے پوچھا کہ زادِ سفر کے بغیر آپ نے یہ سفر کیسے طے کیا؟ خورد و نوش کا کیا انتظام تھا؟ فرمایا۔ "الحمد للہ! ہم دونوں متوکل تھے۔ اور کوئی تکلیف پیش نہ آئی۔" میں نے پھر سوال کیا کہ اِن پہاڑوں اور جنگلوں میں اور دشوار گذار راستوں میں درندوں اور رہزنوں سے تو سابقہ نہیں پڑا؟ یہ سوال سن کر مسکرائے اور فرمایا۔ "راستے میں ایسی چیزیں ملتی تھیں تو وہ ہمارے تابع ہو جاتی تھیں۔"

حضرت سے گفتگو کرتے وقت مجھے یہ محسوس ہو رہا تھا کہ یہ شخص آیاتِ الٰہیہ میں سے ہے۔ جسے قدرت نے اپنی نشانی کے طور پر زندہ رکھ چھوڑا ہے۔ میں نے یہ بھی پوچھا۔ کہ ھنزہ سے آپ کی واپسی کس طرف سے ہوئی تھی؟ فرمانے لگے کہ "ہم بشام کے پہاڑوں کے راستے سے آئے تھے۔"

اُسوقت میرے ذہن میں یہ سوال اُبھر رہا تھا۔ کہ اس متمدن دور میں جب کہ فاصلے سمٹ گئے ہیں۔ اور سائنس کی ایجادات نے سفر کی صعوبتوں کو ختم کر کے رکھ دیا ہے۔ کیا کوئی مبلغِ اسلام ایسا ہے۔ جس نے تبلیغِ اسلام کی خاطر اِن دشوار گذار وادیوں اور پہاڑوں کا سفر کیا ہو؟ اور وہ بھی اتنا طول وطویل؟ نہ جانے کیوں میرے ذہن میں علامہ اقبال کا یہ مصرعہ آگیا۔ ع

فغاں کہ تخت و مصلّی کمالِ زرّاقی

(حافظ مظہر الدّین عفی عنہ)

تحصیلِ علوم کے لئے اور تبلیغی سفروں میں بہت سے درویشوں۔ قلندروں اور خدا رسیدہ لوگوں کی تلاش میں دور و دراز مقامات تک بھی جاتے اور اُن کے باطنی احوال سے استفادہ کرتے رہے ہیں۔ ایسے ہی چند بزرگوں کا ذکر آپ نے اپنی تصنیف "پیغامِ حق" کے مقدمہ میں صفحہ ۵۶ کی چند سطور میں بھی کیا ہے :-

"ایسے ہی لوگ، جن کے باطن میں روشنی اور حرارت موجود ہے۔ اُن کا یہی حال ہے اگر وہ نظرِ کرم کریں تو ایک نگاہ میں طالب کا بیڑا پار کردیں۔ اور تمام عمر کے گناہ جلا کر خاک کردیں۔ مجھے اُس خدا کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ میں نے ایسے رُوحانی لوگ بہت دیکھے ہیں۔ ایک دفعہ ڈلہوزی پہاڑ پر مقیم تھا۔ اور میری عادت تھی کہ میں اپنے کھانے سے پہلے کھانا اُٹھا کر نزدیک و دُور پھرتا۔ کہ کوئی خدا کا بندہ بھوکا ملے تو اُس کو کھلاؤں۔ میں ایک پہاڑ کے نیچے جا رہا تھا۔ جب سڑک کی گولائی پر پہنچا۔ تو پہاڑ کے اُوپر ایک ضعیف اور نحیف شخص کو دیکھا۔ اور میں اُس کو غریب اور عاجز جان کر اس کی طرف بڑھا۔ اور جاکر کھانا اُس کے سامنے رکھدیا۔ وہ مردِ خدا کھانا کر خوش ہوا۔ اور میری طرف نگاہ کی۔ اِس نگاہ میں جو میرا حال ہوا۔ وہ تحریر نہیں کر سکتا۔ اور میری عمر کے تمام گذشتہ حالات بیان کیئے۔ اور میرا اُسوقت وہ حال ہوا۔ جو بیان نہیں کیا جاتا۔ میں ڈرتا ہوں۔ کہ بعض کم عقل اور ظاہر بین شاید گمراہ نہ ہو جاویں۔"

اِسی جگہ ایک اور بزرگ کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"کئی دفعہ میں امرتسر میں مسجد خیر الدّین میں رات کیوقت نماز پڑھا کرتا۔ اور ایک بڈھے کو رات بھر عبادت میں دیکھتا۔ اور جو وہ طلب کرتا میں حاضر کرتا۔ ایکدفعہ وہ بزرگ فرمانے لگے۔ کچھ ہمیں بھی آج کہو۔ اُس وقت میری زبان سے نکلا۔ "حضرت قبلہ ام! یہ سامان محمد شریف ولد مولوی نظام الدّین جرم فروش کے گھر سے آتا ہے۔ آپ اُس کے لئے دُعا کریں۔ اُس بزرگ نے محمد شریف کیلئے بڑی لمبی دُعا فرمائی۔ اور بعد اِس دُعا کے میری طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے۔ "تم کچھ مانگو" میں خاموش رہا۔ بعد میں پھر فرمایا۔ غرض کئی دفعہ اُنہوں نے فرمایا۔ مگر میں خاموش رہا۔ مگر بعد میں ایک نگاہ مجھ پر

ڈالی۔ میں بے ہوش ہو گیا۔ اور مُدّت تک بے ہوش رہا۔ جب قدرے ہوش آیا۔ تو میں نے یہ شعر پڑھا۔ ؎

ہوشم بنگاہے بُرد جانانہ چنیں باید
یک جرعہ خرابم کرد پیمانہ چنیں باید

بعد میں میرے حق میں چند کلمات ارشاد فرمائے۔ وہ اُسی طرح ہوئے۔ جس طرح فرمائے تھے۔ وہ قابلِ تحریر نہیں۔"

عظیم معرکے

حضرت مولانا علّامہ نواب الدّین قدّس سرّہٗ العزیز نے اپنی زندگی میں اربابِ باطل سے جو مناظرے کئے اُن کا شمار ممکن نہیں۔ یہ مناظرے آریاؤں۔ عیسائیوں۔ مرزائیوں کے علاوہ مُسلمانوں کے بعض غیر مقلّد فرقوں سے بھی ہوتے تھے۔

مولاناؒ جب مناظرے کیلئے سٹیج پر تشریف لاتے تو سامعین پر سکوت طاری ہو جاتا۔ ہر شخص کی نگاہیں اُن کی سحر انگیز ذات پر مرکوز ہوتیں۔ مولاناؒ کی ذات چونکہ جلال و جمال کا پیکر تھی۔ اسلئے فریقِ مخالف بھی متأثر ہوئے بغیر نہ رہتا۔ ابتدائے کلام میں ہی فریقِ مخالف پر رعب طاری ہو جاتا بہت کم مناظر ہوتے جو اپنی گھبراہٹ چھپانے میں کامیاب ہو سکتے۔ ایک تو آپکی آواز میں گھن گرج کے ساتھ شگفتگی بھی تھی۔ جو دلوں پر اثر انداز ہوتی۔ پھر شخصیت کا سحر اس پر مستزاد تھا۔ زندگی میں کبھی بھی کتابیں سامنے رکھکر آپ نے مناظرہ نہیں کیا۔ طرزِ استدلال معقولی ہوتی تھی۔ اور آپ اتنی روانی اور تیزی سے بولتے تھے جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یُوں محسوس ہوتا تھا۔ کہ فصاحت وبلاغت اور دلائل و براہین کا ایک دریا امڈا چلا آرہا ہے۔ مسلمان مناظروں کیساتھ آپ بلا کی تیزی کے ساتھ آیاتِ قرآنی پڑھتے تھے۔ غیر مسلم مناظر کیساتھ آپ تمثیل و نظائر پیش کر کے اُسے بدحواس کر دیتے تھے

مناظروں کے علاوہ حضرت مولاناؒ کی بعض دُشمنانِ اِسلام سے جنگیں بھی ہوئیں۔ اور آپ پر خطرناک مقدمے بھی قائم ہوئے۔ لیکن ہر جگہ اللہ کی نصرت آپ کے شاملِ حال رہی۔

(۱) تحصیل دسوہہ میں بھمن نامی ایک شخص خدا ہونیکا دعویدار تھا ۔ اُسے یہ قلق تھا ۔ کہ مولوی نواب الدین اس علاقہ پر چھا گیا ہے ۔ غالباً ۱۹۲۰ء میں آپ رح اپنے مرید چوہدری احمد علی خان کے پاس ہیجووال موسٰی میں مقیم تھے کہ مختلف ذرائع سے خبریں ملیں کہ سائیں بھمن شاہ اپنے معتقدوں کو جمع کر رہا ہے تاکہ آپ پر حملہ آور ہو سکے ۔ یہ سُن کر آپ رح بڑی بیتابی سے اُسکا انتظار کرنے لگے ۔ جب وہ اپنا لشکر لے کر آیا ۔ تو مولانا رح نمازِ ظہر کیلئے وضو کر رہے تھے ۔ ابتدا میں وہ شرافت سے ملا ۔ لیکن پھر نماز اور شعائرِ اسلامی کا مذاق اڑانے لگا ۔ اُسکا لڑکا کرک شاہ مولانا رح کی توہین پر اُتر آیا ۔ وہ کہہ رہا تھا کہ ”مجھے معلوم ہے کہ تجھے اپنی طاقت پر گھمنڈ ہے ۔ اور تو اپنے مخالفوں کو مار رہا ہے آج میں تیری گردن توڑ دوں گا ۔“ غرض اُس نے بہت گستاخیاں کیں ۔ سائیں بھی شیطنت کا اظہار کر رہا تھا ۔ آخر جنگ شروع ہو گئی ۔ سائیں تو بھاگ کر اپنے ایک ماننے والے کے گھر چھپ گیا ۔ اور کرک شاہ اور دوسرے بھمن شاہی بُری طرح زخمی ہوئے ۔

(۲) جن دنوں حضرت اقدس رح کا سنکوہا میں قیام تھا سنکوہا کے رئیس سردار خاں کو یہ تکلیف تھی کہ ایک ارائیں یہاں آکر پیر بن گیا ہے ۔ اِسکی فسق و فجور کی زندگی بھی بے مزا ہو گئی تھی ۔ لیکن اُسے سامنے آنیکی جرأت نہ تھی ۔ عجیب اتفاق یہ ہوا ۔ کہ محال کے ایک مریض کا غسلخانے میں پاؤں پھسل گیا ۔ اور اینٹ پر گرنیسے اُسکا پیٹ پھٹ گیا ۔ یہ ایک شخص فرقے کا فرد تھا ۔ جو مناظرے میں آپ سے شکست کھا چکا تھا ۔ اِن لوگوں نے مقدمہ کر دیا کہ مولانا نے تلوار سے وار کرتے ہوئے اِسکا پیٹ پھاڑ دیا ہے ۔ سرکاری کارندہ یہ اطلاع دینے آیا تو سردار خاں اُسے لیکر مولانا رح کے دروازے پر پہنچ گیا ۔ یہ دن اُس کے لئے انتہائی مسرت کا دن تھا کہ دُشمن پھنس گیا ۔ دروازے پر پہنچکر اُس نے بڑی زیادتی کی ۔ اُسی روز کشمیر سے مولانا رح بھی آگئے ۔ سردار خاں مسجد کے غسلخانہ سے نہا کر نکلا تو مولانا رح وضو کر رہے تھے ۔ سردار خاں سے اُنہوں نے اِس زیادتی کی وجہ پوچھی تو وہ اور بھی گستاخ ہو گیا ۔ اُسے سزا دینے کیلئے اگلی صبح کا وقت دیدیا گیا ۔ اگلے دن حضرت مولانا رح وظائف سے فارغ ہو کر سردار خاں کے کھیت کیطرف چلدیئے ۔ جہاں وہ ہل چلا رہا تھا عقیدتمندوں نے بھی ساتھ چلنے کی کوشش کی لیکن آپ نے لوگوں کو سختی سے روک دیا ۔ سردار خاں تو مولانا کو دیکھکر بھاگ گیا لیکن اُس کے لڑکے نے آپ پر کلہاڑی سے حملہ کر دیا ۔ مولانا رح نے وار روک کر لاٹھی ماری تو وہ ڈھیر ہو گیا ۔ ایک قتل کا مقدمہ پہلے قائم تھا ۔ اب یہ اور قتل ہو گیا ۔ اسوقت حضرت مولانا رح کا ایک

صاحبزادہ فوت ہو گیا ۔ جس کا تاریخی نام غیور حسن تھا ۔ اُسے دفن کیا گیا تو قوال آگئے ۔ اور مولانا رح نے محفلِ سماع قائم کر لی ۔ غالباً تاریخ میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی اپنے رب پر کامل یقین اور بھروسے کی یہ بہترین مثال ہے ۔

(۳) سنکوہا میں قیام کے ابتدائی دنوں کی بات ہے ۔ کہ آپ کے پاس ۳۰۰ لاکھ روپیہ نقد تھا ۔ آپ رات کیوقت نمازِ تہجد اور اوراد و وظائف میں مشغول رہتے تھے ۔ خیال آیا کہ بوڑھی والدہ محترمہ اتنی بڑی رقم کی رکھوالی کیسے کر سکیں گی ۔ چنانچہ اگلے روز ہی آپ رح نے مزدور و معمار بلوا کر ڈبل مزدوری اور دو وقت کھانا پر سنکوہا میں گڑھے ۔ گندے تالاب اور بیڈ بھروانا شروع کروا دیئے ۔ مٹی کے ڈھیر اُٹھوا کر سڑک اور گلیاں بنوا دیں ۔ آپ کے خاندان کے کسی فرد نے آپ کے پیر و مرشد حضرت شاہ سراج الحق رح صاحب سے شکایت کی ۔ کہ نواب الدین بیدردی سے رقم لٹا رہا ہے ۔ تو حضرت کرنالوی رح نے فرمایا کہ ”مولانا نواب الدین تو قلندر ہیں ۔ اِن کے معاملات میں دخل مت دو ۔ اور اِن کو اِسی حال میں رہنے دو ۔“

(۴) تحصیل انبالہ امرتسر میں موضع بھوبہ سکھوں کا گڑھ تھا ۔ یہ علاقہ ڈیرہ بابا نانک اور گورداسپور کے درمیان میں واقع تھا ۔ وہاں کا ایک سکھ منشی مہر سنگھ اور اُس کے بیٹے قتل کے مقدمہ میں ماخوذ تھے ۔ مہر سنگھ کی بیوی نے حضرت اقدس رح سے دُعا کی درخواست کی تھی ۔ مہر سنگھ اور اُس کے بیٹے قتل سے بری کر دیئے گئے تھے ۔ مگر سکھوں نے مسلمانوں کی مخالفت شروع کر دی ۔ کچھ عرصہ بعد اذان پر پابندی لگا دی اور مسجد کو شہید کر دیا ۔ حضرت اقدس رح اُسوقت مدراس میں تھے ۔ آپ کے ایک مرید نے آپکو اِن واقعات کی خبر دی ۔ اور کہا کہ ”لوگ مجھے آپ کی مُریدی کا طعنہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم اتنے بڑے پیر کے مرید ہو ۔ اُنہیں سے امداد کے لئے کہو ۔“ حضرت اقدس رح نے لال دین سے فرمایا کہ ”لال دین ! جا کر لوگوں کو کہدو کہ مسجد بن کر رہے گی ۔ اور عدالتی مقدمہ بھی مسلمان جیت جائیں گے ۔“ (اُسوقت مدراس کے آنریری مجسٹریٹ مہاراجہ اجیت سنگھ کی عدالت میں مقدمہ چل رہا تھا) آپ نے اپنے ایک مرید خان محمد سے کہا ۔ کہ وہ ان تمام دُور و نزدیک کے دیہات میں اعلان کروا دے کہ آئندہ جمعہ کی نماز بھوبہ کی مسجد میں پڑھاؤں گا ۔ اِن دنوں گھوڑے سے گر کر آپ کی ٹانگ ٹوٹ گئی تھی مگر آپ رح اُسی حالت میں نئی تعمیر شدہ مسجد کو وقتِ مقررہ پر پہنچ گئے ۔ آپ کی تقریر سُننے کیلئے ہزار دو

کی تعداد میں لوگ مسجد میں جمع ہو گئے۔ اور بیشمار لوگ سڑکوں پر کھڑے تھے۔ حضرت اقدسؒ منبر پر تشریف لیگئے۔ دستِ مبارک میں آپؒ کا موٹا عصا بھی تھا۔ آپ نے اپنی ولولہ انگیز تقریر میں مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ "لوگو! آج تمہاری غیرت و حمیتِ اسلامی کو چیلنج کیا گیا ہے۔ اور تمہیں ثابت کرنا ہے۔ کہ مسلمان دُنیا میں اِسلئے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ اللہ جل شانہٗ اور اُس کے حبیب پاکﷺ کا نام بلند کرے۔ کون ہے جو مجھے اذان دینے سے روک سکتا ہے۔ جس میں طاقت ہو روک لے۔ ہم اپنی جانوں پر کھیل جائیں گے۔" اس ایمان افروز تقریر سے لوگ جذبۂ جہاد سے سرشار ہو گئے۔ پھر آپؒ نے اپنی جادو بھری آواز میں اذان پڑھی۔ کہ سکوتِ مرگ طاری ہو گیا۔ اور اذان کی گونج دُور دراز مقامات تک سُنی گئی۔ کسی بھی سکھ کو جُرأت نہ ہوئی۔ کہ وہ مسلمانوں کی مزاحمت کر سکیں۔

واضح ہو کہ اس مسجد کیلئے منشی مہر سنگھ مذکور کے بیٹے نے زمین دی تھی۔ حالانکہ اُس کا باپ سخت متعصب اور آپؒ کا مخالف تھا۔ رمداس کا وہ مہنت جسے حضرت اقدسؒ نے مسلمانوں کو تنگ کرنے پر خوب پیٹا تھا۔ اس مسجد کی تعمیر کو رکوانے کیلئے سکھوں کو بُلا کر خفیہ اجلاس کرتا رہا تھا۔ مگر اپنے اِرادوں میں ناکام رہا۔ یہ حضرت اقدسؒ کی شخصیت کا اعجاز تھا۔ "تذکرۂ کریمیہ" کے حوالہ سے روایت کیگئی ہے۔ کہ موضع تھوبہ کا بڑا با اثر سکھ مہر سنگھ جو مسلمانوں کا بڑا دشمن تھا۔ اور مسجد کے ہنگامہ میں پیش پیش تھا۔ اور جو حضرت اقدسؒ کے درپئے آزار رہتا تھا۔ آخر کار ذلیل و خوار ہوا۔ اُس کی لڑکی کو سکھوں نے اِغوا کر لیا۔ مقدمہ بازی میں ساری جائداد برباد ہو گئی اور وہ پاگل ہو کر گھر چھوڑ گیا۔ اللہ کے بندوں سے بَیر رکھنے کی اُسے سخت سزا مِلی۔

(۵) **جوگی سے مقابلہ** :- (بروایت حافظ مظہر الدین صاحب مدظلہ) ایک روز فقر و درویشی کے موضوع پر گفتگو ہو رہی تھی۔ اِس ضمن میں آپؒ نے فرمایا۔ کہ "شعبدے دِکھانا فقر نہیں۔ یہ کام تو کافر بھی کر لیتے ہیں۔ میں بھی مداریوں کا پیر ہوں۔ میں بھی یہ کام کر سکتا ہوں۔" اِس ضمن میں کئی چشم دید واقعات بیان کئے جو حیرت انگیز تھے۔ ایک واقعہ یہ بیان کیا کہ "میں کانگڑہ کے علاقہ میں چند احباب کے ساتھ بیٹھا تھا۔ کہ ایک بوڑھا جوگی شاہانہ طمطراق سے

گھوڑے پر بیٹھا نظر آیا۔ اُس کے اردگرد عقیدتمندوں کا ہجوم تھا۔ جو گا بجا رہے تھے۔ ایک صاحب بولے کہ "حضرت! فقیری تو یہ ہے۔ ہمیں تو کوئی پوچھتا بھی نہیں۔" میں نے کہا۔ "یہ فقیری نہیں میں چاہوں تو ان کا شیرازہ ابھی منتشر کر دوں۔" بعض احباب بولے کہ "اچھا یہ تماشا بھی ہو جائے۔" چنانچہ میں نے گیروے رنگ کی چادر گٹھڑی سے نِکال کر باندھ لی۔ اور جوگی کے گھوڑے کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اور زور سے کہا۔ کہ "ٹھہر جاؤ! کون ہو تم؟" جوگی نے گھوڑا روک کر کہا کہ "سنت ہوں۔ تم کون ہو؟" میں نے جواب دیا کہ "فقیر ہوں۔" وہ بولا۔ کہ "کیا کچھ دیکھو یا دِکھاؤ؟" میں نے کہا۔ "پہلے تم دِکھاؤ۔" چنانچہ اُس نے ایک پتھر کو قہر آلود نگاہوں سے دیکھا۔ جو تڑ تڑ [illegible] گیا۔ میں نے کہا۔ "یہ عمل جاندار پر بھی کر سکتے ہو؟" چنانچہ یہ عمل اُس نے ایک [illegible] پر بھی کر کے دِکھایا۔ میں نے کہا۔ "اب مجھ پر کرو۔" وہ بولا۔ "تمہاری جوانی پر رحم آتا ہے۔" مگر میرے اصرار پر اُس نے یکے بعد دیگرے دو عمل کئے۔ جو مؤثر ثابت نہ ہو سکے۔ میں آہستہ آہستہ سورۂ ناس اور فلق پڑھ رہا تھا۔ وہ میرے ہوش و حواس قائم رہنے پر حیران تھا۔ پھر مجھے کہنے لگا۔ کہ "اب تم کچھ دِکھاؤ۔" میں نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر خوب دبایا۔ وہ چیخنے لگا۔ اور میں بھاگ گیا۔ لوگ میرے پیچھے آ گئے۔ اُنہیں یہ گمان گذرا کہ میں جوگی کی فقیری چھین کر بھاگ گیا ہوں۔ لوگ میرے پیچھے آ گئے اِن سے پیچھا چھڑانا مشکل ہو گیا۔"

اب حضرت اقدسؒ کے چند عظیم مناظروں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اگرچہ آپ کی زندگی کا بیشتر حصہ مناظروں میں گذرا جن میں آپ ہمیشہ کامیاب رہے۔ مگر ان سب کا فراہم ہونا امر مشکل ہے

مُلتان کے عظیم معرکے

(۱) ایکدفعہ مولوی ثناء اللہ امرتسری (جو کٹر قسم کا غیر مقلد تھا۔ اور بزرگانِ دین و صوفیاء کے مسلک کو بدعت سمجھتا تھا) حضرت اقدسؒ سے ملتان میں "غیر اللہ سے استمداد" کے مسئلہ پر مناظرہ کرنے کیلئے آیا۔ مقامِ مناظرہ دہلی گیٹ کے قریب تھا۔ مولوی ثناء اللہ اپنے ساتھ بڑی تعداد میں پولیس کے آدمی بھی لایا تھا۔ جن میں ایک ڈی۔ ایس۔ پی بھی تھا۔ حضرت اقدسؒ نے ڈی۔ ایس۔ پی سے پوچھا کہ جب یہاں امنِ عامہ کو کوئی خطرہ لاحق نہیں تو یہ پولیس کی جمعیت

کیوں ؟" ڈی۔ایس پی نے مولوی ثناء اللہ کی طرف اشارہ کرکے کہا۔کہ "یہ اپنی امداد کے لیئے لائے ہیں"۔ تو حضرت اقدسؒ نے مولوی ثناء اللہ سے فرمایا۔کہ "یہی غیر اللہ سے امداد اور وسیلہ ہے جو کہ تم لائے ہو۔" چنانچہ مولوی ثناء اللہ لاجواب ہو گیا۔ اور بغیر مناظرہ کیئے بھاگ کھڑا ہوا۔ لوگوں نے اُسے بڑا مطعون کیا۔

(۷) ۲۲-۱۹۲۰ء کے دوران مُلتان کے معروف باغ لانگے خاں میں ایک بہت عظیم تاریخی معرکۃ الآراء شنی مناظرہ ہوا۔جس کے سینکڑوں چشم دید گواہ آج بھی موجود ہیں۔ اہلسنّت والجماعت کی طرف سے حضرت مولانا نواب الدین صاحبؒ اور مولانا حشمت علی صاحب اکبر دیگر علماء تھے۔ دیو بندیوں کی طرف سے معروف کانگرسی اور احراری لیڈر مولانا سیّد عطاء اللہ شاہ بُخاری اور مولوی منظور نعمانی وغیرہ تھے۔ دورانِ مناظرہ مولوی عطاء اللہ شاہ بُخاری کی کسی گستاخانہ بات پر حضرتِ اقدسؒ یکدم جوش میں آکر کھڑے ہو گئے اور گرجدار آواز میں مولوی عطاء اللہ شاہ بُخاری کو مخاطب کر کے فرمایا کہ "آؤ! اس کا جواب میں دُوں گا۔ اور مجھ سے بات کرو۔" تو عطاء اللہ شاہ بُخاری نے آپ کے سامنے ہاتھ باندھے اور معافی مانگی۔ اور ریش مبارک کو ہاتھ لگا کر کہا۔کہ "جناب تو میرے اُستاد ہیں۔ میں آپ کے سامنے بات نہیں کر سکتا۔ میں آپ کو اُستاد مانتا ہوں۔" یہ کہکر مولانا عطاء اللہ شاہ بُخاری نے مناظرہ سے دستبرداری کا اعلان کر دیا۔ اس مناظرہ کو دیکھنے کے لیئے لاکھوں انسانوں کا اجتماع تھا۔ دُور دراز سے لوگ آئے ہوئے تھے۔

(۸) ایک اور واقعہ مولانا اسماعیل چشتی نے بیان کیا ہے۔کہ ایک دفعہ مُلتان میں مُسلسل کئی ہفتے مولوی عطاء اللہ شاہ بُخاری نے اہلسنّت والجماعت کے عقائد کیخلاف تقاریر کیں۔ محرم کے مہینہ میں باغ لانگے خاں میں ھی ایک مُشترکہ جلسہ منعقد ہوا۔جسمیں مولوی عطاء اللہ شاہ بُخاری نے درگاہ حضرت بابا فرید الدین گنجشکر پاکپتن شریف کے جنّتی دروازے کی بابت نہایت غیر شریفانہ الفاظ میں جلسوں میں تقریریں کرنے پر۔ حضرت اقدسؒ نے اُسے گھیرتے ہوئے فرمایا۔کہ "او۔عطاء اللہ اب ایک بار پھر وہی بیہودہ بکواس میرے سامنے بکنے کی جُرأت کر۔" تو مولوی عطاء اللہ شاہ بُخاری نے بھرے جلسہ میں ہاتھ باندھ کر معافی مانگی۔ اور کہا کہ "آئندہ ایسا نہ کہوں گا۔ میری توبہ۔ میں معافی چاہتا ہوں۔" تو حضرت اقدسؒ نے اُسے چھوڑ دیا۔ ورنہ آپ بہت ہی جلال میں آگئے تھے۔

ایک عظیم تاریخی مُناظرہ

(۹) ایک اور عظیم مناظرہ جو ایک اہم تاریخی حیثیت رکھتا ہے تحصیل نکودر کے ایک معروف قصبہ مُلدھ گہیراں میں ایک غیر مقلّد مولوی عبد اللہ روپڑی کیساتھ ہوا۔ ہزاروں لوگ یہ مناظرہ دُور دراز مقامات سے دیکھنے گئے تھے۔ حضرت حافظ مظہر الدین۔ حضرت مولانا غلام ربانی اور مولانا محمد یوسف سیالکوٹی بھی حضرت اقدسؒ کے ہمراہ تھے۔ اور اس مناظرہ میں حضرت اقدسؒ کے شاگرد مشہور مناظر مولانا محمد عُمر اچھروی (مرحوم) بھی موجود تھے۔

بعد از نماز ظہر یہ تاریخی مُناظرہ شروع ہوا۔ حضرت مولانا صاحبؒ اکیلے تھے۔ اور مخالف فریق مولوی عبد اللہ روپڑی کے معاون کئی غیر مقلّد مولوی تھے۔ غیر مقلّدوں نے پُولیس کی بھاری تعداد اور ڈی ایس پی کو بھی بُلوایا ہُوا تھا۔ حضرت اقدسؒ نے پولیس والوں سے پُوچھا۔کہ "آپ کے آنے کا کیا مقصد ہے؟" ڈی ایس۔پی نے جواب دیا کہ "حضرت! ہمیں مولوی عبد اللہ نے اپنی حفاظت کے لیئے بُلایا ہے کہ آپ انہیں ماریں گے۔" اس پر حضرت اقدسؒ نے فرمایا۔کہ "میں انہیں ضرور ماروں گا۔ وہ بھی تمہاری موجودگی میں۔ کیونکہ یہ بدعقیدہ لوگ سخت بدزبان ہیں اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم کی شان میں سخت گستاخیاں کرتے ہیں۔"

مُناظرہ شروع ہوا۔ تو حضرتِ اقدسؒ نے مولوی عبد اللہ کی ایک تحریر پیش کی (جو حضورؐ کے علم غیب کے خلاف فتوٰی کی صُورت میں آپ کے پاس موجود تھی) جلسۂ عام مولوی عبد اللہ پر شدید عقابی حملے شروع کر دیئے اور ایسی گرفت کی کہ وُہ تاب نہ لاسکا۔ اور اس تحریر سے صاف انکار کر دیا۔کہ یہ اُس کی نہیں۔ اس پر ڈی۔ایس۔پی نے مولوی عبد اللہ کے دستخط لیکر ملائے۔ تو وہ فتوٰی کی تحریر سے مِل گئے۔ ڈی۔ایس۔پی نے مولوی عبد اللہ کو سخت الفاظ میں ڈانٹا۔ خیر حضرت اقدسؒ نے ڈی۔ایس۔پی سے اُس کی جان چھڑائی۔ مگر مولوی عبد اللہ مناظرہ میں حضرت اقدسؒ کے عُقابی حملوں کی تاب نہ لاسکا۔ اور عشاء کے بعد شروع ہونیوالی دُوسری نشست سے قبل ہی اپنے بستر اور متعدد کتابیں چھوڑ کر اپنے حواریوں کو لیکر بھاگ گیا۔ عوام نے غیر مقلّدوں کے عیارانہ فرار سے اہلسنّت کے حق میں بڑا اچھا اثر لیا۔ اکثر غیر مُسلم بھی اس

متأثر ہوئے اور حضرت اقدسؒ کے دستِ حق پرست پر تائب ہوئے۔

اور سب سے عظیم معرکہ "فتنۂ مرزائیت" تھا۔ جس کے استیصال میں حضرت اقدسؒ نے نمایاں اور اہم کردار انجام دیا۔ جو تاریخ میں یادگار رہے گا۔

حضرت مولانا نواب الدین صاحبؒ نے فتنۂ مرزائیت کے ردّ و ابطال کے سلسلہ میں جو مجاہدانہ خدمات سر انجام دی ہیں۔ جناب صاحبزادہ حافظ ظہیر الدین صاحب مدظلہٗ نے ان حالات پر ایک تفصیلی مضمون بعنوان "مولانا نواب الدین ستکوہیؒ کی خدمات" ارسال کیا ہے۔ یہ مضمون ماہنامہ ضیائے حرم لاہور" میں چند سال قبل شائع ہو چکا ہے۔

جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد کے دورِ فتنہ و شر میں جبکہ ہند میں ملتِ اسلامیہ پر باطل کی قوتوں نے یورش کی۔ اور سیاسی اور مذہبی محاذوں پر انگریز حکومت اور ہندوؤں نے مسلمانانِ ہند کا شیرازہ منتشر کرنے کے لئے زبردست محاذ قائم کر رکھا تھا۔ ان میں سب سے خطرناک محاذ "فتنۂ مرزائیت" تھا۔ جسے انگریز نے مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنے کی غرض سے پروان چڑھایا تھا۔ اس زمانہ کے مقتدر علماء۔ صوفیاء اور مصلحین ملت جنہوں نے اس فتنہ کے استیصال میں علمِ جہاد بلند کیا۔ ان حضرات میں حضرت مولانا نواب الدین صاحبؒ کی خدمات تاریخِ ملتِ اسلامیانِ ہند کا ایک درخشاں باب ہے۔ اس مضمون میں حضرت مولاناؒ اور آپ کے پیر و مرشد حضرت مولانا شاہ سراج الحق صاحب قدس سرہٗ اور آپ کے بزرگ ساتھیوں کی کاوشوں کا ذکر نہایت ہی عالمانہ اور مؤثر پیرایہ میں کیا گیا ہے۔ اور اس تذکرہ میں ایک بیش قیمت اضافہ ہے۔ جس کے لئے میں حضرت حافظ صاحب کا نہایت ہی شکر گزار ہوں اور مضمون کو قارئین کے استفادہ کیلئے درج ذیل کرتا ہوں:۔ (مؤلف)

"مولانا نواب الدین ستکوہیؒ کی خدمات"

"مرزا غلام احمد قادیانی کے ردّ و ابطال کے سلسلے میں علماء و مشائخ کی خدمات بڑی وقیع ہیں۔ اگر انہیں منضبط کیا جائے تو یہ تاریخی سرمایہ بڑا مفید ثابت ہوگا۔ ہمیں اپنے اسلاف کے

ولولہ انگیز کارناموں سے نئی زندگی ملے گی۔ اور ہماری بصیرت میں بھی بے پناہ اضافہ ہوگا۔ انگریز کے عہد میں قرآنِ حکیم کو تحریفِ معنوی سے بچانے کیلئے جن بزرگوں نے انتھک کوششیں کیں۔ وہی لوگ ہیں۔ صوفیاء کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ ایک وہ جو کھل کر سامنے آ گئے۔ اور ایک طبقہ وہ تھا جس نے پس منظر میں رہ کر خدمات سر انجام دیں۔ اس طبقے کی حیثیت وہی تھی جو فوج کے اعلیٰ افسر کی ہوتی ہے۔ جو پس منظر میں اپنے سپاہیوں کو ہدایات دیتا ہے اور ان کی نقل و حرکت پر گہری نظر رکھتا ہے۔ اس نوع کے بزرگوں میں یوں تو تمام صوفیائے کرام شامل ہیں۔ لیکن خصوصیت سے اس سلسلے میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اور صوفی محمد حسین صاحبؒ مراد آبادی کا نام لیا جا سکتا ہے۔ حاجی صاحب نے حضرت پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کو یہ کہہ کر حجازِ مقدس کی اقامت سے باز رکھا۔ کہ ہندوستان میں ایک فتنہ پیدا ہونے والا ہے جس کا استیصال آپ کے ہاتھوں ہوگا۔ اور حضرت صوفی صاحبؒ نے اپنے نامور خلیفہ خواجہ سراج الحق صاحب کرنالویؒ کو بنفسِ نفیس مراد آباد سے تشریف لا کر گورداسپور بٹھایا تھا۔ اور حضرت خواجہؒ نے یہیں سے تبلیغ کا آغاز کیا۔

مرزا نے جب سنسنی خیز پیشین گوئیوں کے ذریعے عوام کو اپنی طرف متوجہ کرنا شروع کیا تو حضرت خواجہؒ نے علماء اور صوفیا کی جماعت لیکر قادیان کے گرد ایک تبلیغی حصار قائم کر لیا۔ دیہات کے لوگ مرزا سے واقف تھے۔ مرزا کی کریہہ صورت میں ان کیلئے کوئی جاذبیت اور کشش نہ تھی۔ جب وہ خواجہ سراج الحق کرنالویؒ کی صورت میں نور کے پیکر کو اپنی نگاہوں کے سامنے دیکھتے تو ان کیلئے حق و باطل میں امتیاز کرنا مشکل نہ رہتا۔ وہ حضرتؒ کی بیعت کر لیتے۔ حضرت خواجہؒ نے کوئی دس بارہ افراد کو خلعتِ خلافت سے سرفراز کر کے تبلیغ کا کام سونپ دیا۔ یہ علماء اور صوفیاء اسی علاقہ کے رہنے والے تھے۔ میرے والدِ ماجد مولانا نواب الدین صاحبؒ قصبہ رمداس ضلع امرتسر کے تھے۔ والدِ ماجد چونکہ حضرتؒ کے خلیفۂ اعظم تھے اور غیر معمولی اوصاف و کمالات کے حامل تھے۔ اس لئے انہیں قادیان کے خطرناک محاذ ستکوہا پر متعین کیا گیا۔ جو قادیان سے تین کوس کے فاصلے پر تھا۔ اور بٹالہ سے اگلے سٹیشن چھینا سے اتر کر قادیان جانیوالوں کی رہگذر میں ایک اہم مقام کی حیثیت رکھتا تھا۔ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد جب والد صاحب قادیان پر حملہ آور ہوتے تو تیزی سے دیہات میں یہ خبر پھیل جاتی کہ مولوی صاحب مرزا سے مناظرہ کرنے آ رہے ہیں۔ اور دیہاتی عوام اپنے

ہل چھوڑ کر ساتھ ہو جاتے - یہ واقعہ میری پیدائش سے چند سال پہلے کا ہے - مرزا غلام احمد اور حکیم نور الدین سے گفتگو کا سلسلہ صرف علمی مباحث تک ہی محدود نہ رہتا - بلکہ والد صاحب اُسے شدید طعنوں بھی کرتے - یہ خبریں مجھ تک عینی شاہدوں سے بکثرت پہنچی ہیں کہ مرزا غلام احمد دِق ہو کر عجز و انکسار کی راہ اختیار کر لیتا اور اپنے دعووں کی تاویلیں کرنے لگتا - مرزا کی موت کے بعد مناظروں کا دور شروع ہوا - تو والد صاحب پنجاب کے عظیم مناظر ہونے کی حیثیت سے اِن کا مقابلہ کرنے لگے - اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان مناظروں کی تعداد کتنی ہے ؟ سینکڑوں یا ہزاروں - بہرحال مناظروں میں زبانی کلامی ہی باتیں نہ ہوتی تھیں - بلکہ جہاد فی سبیل اللہ کا آغاز بھی ہو جاتا تھا - بہت سے کم مناظرے ایسے ہوئے ہیں جن میں والد صاحب نے اپنے چھ سات فٹ لمبے لٹھ کا استعمال نہ کیا ہو -

غالباً ۱۹۳۲ء کا واقعہ ہے کہ پاکپتن شریف کی درگاہ میں والد صاحب سے جو مناظرہ ہوا تھا - اُس میں والد صاحب نے لٹھ سے کام نہ لیا تھا - شاید اِس لئے کہ یہ اُن کے پیر و مرشد کی درگاہ تھی - اِس وقت پاکپتن شریف کی جامع مسجد کے خطیب ایک متبحر عالمِ دین مولانا عبد الغنی صاحب تھے - جو بہیں کے ایک امیدوار بن تھے - مرزائیوں سے شرائطِ مناظرہ طے کرنے کے لئے مولانا تشریف لیجانے لگے - تو میں بھی اُن کے ساتھ ہو گیا - مرزائی بڑے کرّ و فر کے ساتھ آئے تھے - میں ان کی کتابوں کے انبار اور ان کا کرّ و فر دیکھ کر مرعوب ہو گیا - دِل میں یہ خیال گذرنے لگا کہ میرے والد صاحب کے پاس کوئی کتاب نہیں وہ کیسے مناظرہ کریں گے - چنانچہ جب میں نے اپنے خدشہ کا والد صاحب سے اظہار کیا تو وہ ہنس پڑے - اور مولانا عبد الحق سے فرمانے لگے - کہ دیکھو! مظہر کیا کہہ رہا ہے - پھر مولانا سے فرمایا - "اِس لڑکے کو سمجھاؤ کہ مناظرہ کتابوں سے نہیں - تائیدِ ربانی سے ہوتا ہے - اور الحمدُ للہ یہ ہمیشہ میرے شاملِ حال رہی ہے - میں نے زندگی میں ادیانِ باطلہ سے تمام مناظرے کتاب کے بغیر کئے ہیں"

یہاں یہ ذکر بھی خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ مرزائیوں نے عام دستور کے خلاف پاکپتن شریف کے مناظرے میں والد ماجد کے مقابلہ میں کہن سال اور گرگانِ بارانِ دیدہ کی بجائے نوجوان مناظروں کو بھیجا جو والد ماجد کے تبحرِ علمی - زورِ خطابت - شخصیت - ذہانت و فطانت اور شجاعت سے قطعی طور پر نا آشنا تھے - اِن نوجوانوں کے سرخیل تین مناظروں کا نام تو مجھے ابتک یاد ہے جلال الدین شمس - عبد الرحمٰن اور سلیم - الحمدُ للہ اسی مناظرے میں تینوں آدمیوں نے مرزائیت سے توبہ کی - اور والد صاحب کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئے -

محمدی بیگم کے قصبہ "پٹی" میں جب والد صاحب کا مناظرہ ہوا - تو فریقِ مخالف آنکھ ملا کر بات کرنے سے گریز کر رہا تھا - والد ماجد نے متعدد بار کڑک کر کہا - کہ اِدھر دیکھو! لیکن وہ آنکھیں چُرا رہا تھا - سٹیج پر بیٹھے ہوئے لوگوں نے کہا - حضرت اِن لوگوں کا خیال ہے کہ آپ جادوگر ہیں اور آپ کی آنکھوں میں سحر ہے - یہ سُن کر والد صاحب ہنس پڑے اور اپنے مخصوص انداز میں شعر پڑھا

"تم نے جادوگر اسے کیوں کہہ دیا
دھلوی ہے داغ بنگالی نہیں"

ضمناً یہ بات بھی سُن لیجئے جو میں نے والد ماجد سے اُن کی زبان سے سُنی ہے - فرمایا کہ "ایک روز قادیان سے گزر ہوا - تو میں نے احباب سے کہا کہ مرزا غلام احمد سے ملے بغیر یہ سفر نا تمام رہے گا - آؤ مرزا سے ملنے چلیں - جب میں گیا تو مرزا اور حکیم نور الدین چند لوگوں کے سامنے مثنوی مولانا رومؒ پڑھ رہے تھے - مرزا کی زبان سے مولانا رومؒ کی تعریف و توصیف سُن کر میں نے کہا کہ مولانا رومؒ توحیاتِ مسیحؑ کے قائل ہیں - فرماتے ہیں ؎

عیسیٰؑ و ادریسؑ چوں این راز یافت | بر فرازِ گنبدِ چہارم شتافت
عیسیٰؑ و ادریسؑ بر گردوں شدند | زانکہ از جنسِ ملائک آمدند

مرزا نے جواب دیا کہ یہ ان کی انفرادی رائے ہے - میں نے کہا کہ آپ کی رائے انفرادی نہیں یہ اجتماعی ہے ؟ مرزا نے جھٹ حکیم نور الدین سے کہا کہ بھئی! مولانا کے لئے چائے لاؤ - ایک صاحب نے جھٹ پوچھا - کہ حضرت! آپ نے چائے پی ؟ فرمایا - استغفر اللہ! یہ کیسے ممکن تھا ؟"

یہاں مجھے بے اختیار ایک واقعہ یاد آگیا - اور وہ یہ کہ والد صاحب نے اپنی موت سے ہفتہ عشرہ پہلے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا - کہ "مظہر! اللہ کریم مجھے بخش دیگا - تھوڑے سے وقفہ کے بعد فرمانے لگے - کہ "اعمال کے باعث نہیں - اعمال کا محاسبہ ہوا تو جہنم کا کوئی مناسب گوشہ بھی نہیں ملیگا - میں نے زندگی میں مرزائیوں کو بہت مارا ہے - اِسی لئے اُمید ہے کہ اللہ کریم مجھے بخش دے گا -"

جب مرزا ایک مقدمے میں ماخوذ ہو کر گورداسپور کی کچہری میں آیا۔ تو والد صاحب بھاگم بھاگ کچہری میں پہنچ گئے۔ اور مرزا کے گرد لوگوں کا حلقہ توڑ کر مرزا کا بازو پکڑ لیا۔ بازو کو ایک شدید جھٹکا دے کر فرمانے لگے۔ کہ "مردود! نبوت اگر جاری ہوتی۔ اور اللہ تعالیٰ اِس علاقے میں کوئی نبی بھیجتا۔ تو بتا کہ مجھ جیسے وجیہہ انسان کو بھیجتا یا تجھ جیسے بجو کو؟" یہ سن کر حاضرین کے انبوہ سے ایک قہقہہ بلند ہوا۔ اور مرزا پر سکتے کا عالم طاری ہو گیا۔ والد صاحب کی روانگی کے وقت ہی خواجہ سراج الحق صاحبؒ کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ مولوی صاحب مرزا سے باتیں کرنے کے لئے گئے ہیں۔ چنانچہ بہت جلد حضرت بھی پہنچ گئے اور والد صاحب کو اپنے ساتھ لے آئے۔

میری عمر ابھی بہت تھوڑی تھی کہ ہمارے خاندان میں سے ایک خاتون کا رشتہ ایک مرزائی سے ہو گیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ شخص مرزائی ہے۔ تو والد صاحب کو بہت صدمہ ہوا۔ وہ کہہ رہے تھے کہ کافر سے مسلمان خاتون کا رشتہ جائز نہیں۔ لیکن میرے ماموں چودھری ابراہیم تحصیلدار۔ جو مشہور ناول نگار نسیم حجازی کے والد صاحب تھے۔ اگرچہ مرزا کے بہت مخالف تھے اور مرزا کے رد میں بالعموم یہ دلیل دیا کرتے تھے۔ کہ میں نے اور مرزا غلام احمد نے سیالکوٹ میں پٹوار کا امتحان دیا۔ وہ فیل ہو گیا اور میں پاس ہو گیا۔ جو پٹواری نہ بن سکے وہ شخص فرستادۂ خدا کیسے ہو سکتا ہے؟ مگر وہ کہہ رہے تھے کہ ہمارے خاندان کی لڑکی عدالت میں نہ جائے۔ چنانچہ والد صاحب نے یہ کہہ کر موصوفہ سے نکاح کر لیا کہ عدالت کا معاملہ میں نپٹ لوں گا۔

مرزائیوں کو جب اِس نکاح کی اطلاع ملی تو انہوں نے گورداسپور کی عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا۔ یہ مقدمہ سات سال تک جاری رہا۔ انجام کار والد صاحب کو فتح ہوئی۔ اور میری دوسری والدہ مرزا بشیر الدین اور چوہدری ظفر اللہ خاں کی انتہائی سعی و کوشش کے باوجود ایک بار بھی عدالت میں پیش نہ ہو سکیں۔

جب مرزا بشیر الدین بطور گواہ عدالت میں آیا۔ تو ظفر اللہ خاں نے یہ مسئلہ کھڑا کر دیا۔ کہ بشیر الدین کو عدالت میں کرسی ملنی چاہیئے۔ اِدھر سے یہ تقاضہ تھا کہ کرسی ملے تو دونوں کو۔ ورنہ دونوں کھڑے رہیں۔ والد صاحب بیٹھنے پر کھڑے رہنے کو ترجیح دے رہے تھے۔ کافی بحث کے بعد یہی فیصلہ ہوا۔ کہ دونوں کھڑے رہیں۔ بشیر الدین اور ظفر اللہ خاں پر والد صاحب کی جرح دیدنی تھی جس کا تھوڑا سا تصور اب بھی میرے ذہن میں محفوظ ہے۔ والد صاحب کہہ رہے تھے کہ "برخوردار! تیرے والد کو حیض آتا تھا؟" اور ظفر اللہ سٹپٹا رہا تھا۔ مختصر یہ کہ تنسیخ[1] نکاح کا یہ پہلا مقدمہ تھا جو والد صاحب نے جیتا۔ مقدمۂ بہاولپور[2] تو بہت بعد کی بات ہے۔

تحریکِ ختمِ نبوت کے دوران تنسیخِ نکاح کے سلسلے میں جتنی تحریریں میرے سامنے آئی ہیں اِن میں کہیں بھی یہ مذکور نہیں کہ تنسیخِ نکاح کا یہ پہلا مقدمہ مولوی نواب الدین ستکوہی نے جیتا تھا۔ حالانکہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے۔

یہاں میں ایک ضروری بات کہنا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ جب مرزا غلام احمد قادیانی نے محمدی بیگم سے اپنے آسمان پر نکاح ہونے کا دعویٰ کیا۔ تو والد صاحب محمدی بیگم کے قصبہ "پٹی" پہنچ گئے یہاں پہنچ کر انہوں نے اپنی سحر بیانی اور روحانی قوت سے "پٹی" کے مغلوں کو اپنے حلقۂ ارادت میں شامل کر لیا۔ محمدی بیگم کا خاندان بھی والد صاحب کا مرید ہو گیا۔ یوں مرزا غلام احمد کا آسمانی نکاح زمین پر نہ ہو سکا۔ یہ والد صاحب کا مرزا پر سیاسی حملہ تھا۔ پٹی میں والد صاحب کے ورودِ مسعود کی داستان ان کے ایک مرید مشہور صحافی اور شاعر حاجی لق لق (مرحوم) کے قلم سے چند سال پیشتر ہفت روزہ رسالہ "چٹان" میں چھپ چکی ہے۔

آج سے تقریباً نصف صدی پیشتر کے اِسلامی اجتماعات کے اشتہارات کو اگر دیکھا جائے

ع۱: مقدمہ گورداسپور کے دوران مسلمانوں کی طرف سے تنہا حضرت مولانا نواب الدین صاحبؒ ہی تھے۔ اور مرزائیوں کے خلاف عدالت میں فتویٰ آپ ہی نے دیا تھا۔ اور بالآخر اللہ تعالیٰ نے حق کو فتح دی۔ اور فیصلہ حضرت مولانا نواب الدین صاحبؒ کے ہی حق میں ہوا تھا۔ اور یوں سب سے پہلے عدالت کے مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوانے کا سہرا بھی حضرت اقدسؒ کے سر بندھا۔ یہ فیصلہ ۱۹۲۵ء میں ہوا تھا۔ (فیصلہ کرنے والا جج ایک انگریز تھا)

ع۲: مقدمہ بہاولپور میں بھی سب سے پہلے گواہ (۱۹۳۳ء کے اوائل میں) بقول شیخ حسام الدین صاحب (ریٹائرڈ چیف آفیسر ڈسی جی خاں) علامہ نواب الدین ہی تھے۔ جب شہریوں نے آپ کا سُنا کہ آپ گواہی دیں گے اور جرح کریں گے تو دکانیں اور تعلیمی ادارے بند ہو گئے تھے۔ مقدمہ بہاولپور میں اِس وقت کے جج اکبر صاحب نے مقدمہ گورداسپور کے فیصلے کو مثال مانتے ہوئے مرزائیوں کے خلاف

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۱۸ پر)

دوران میں والدِ ماجد کے نام کے ساتھ "فاتحِ قادیان" کے الفاظ بولے گئے - یہ خطاب عُلمائے اسلام
والد صاحب کو اِسی لئے دیا تھا کہ اُنھوں نے تنسیخِ نکاح کا پہلا مقدمہ جیتا تھا - ورنہ مناظر تو
اِس عہد میں اَور بھی تھے -

غالباً ۱۹۲۵ء کا واقعہ ہے - کہ مرزائیوں نے ریاست جموں و کشمیر کو اپنی تخریبی سرگرمیوں
کی آماجگاہ بنا لیا تھا - چنانچہ حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحبؒ نے اِس فتنے کے سدِّباب کے
لئے جموں میں ایک تبلیغی کانفرنس منعقد کی - اَور مشاہیرِ اسلام کو دعوت نامے بھیجے - اِن میں والدِ ماجد
کا نام بھی تھا - یہ وُہ عہد تھا کہ والد صاحب اپنے آبائی وطن رمداس ضلع امرتسر میں تشریف لاچکے تھے
اس وقت ہمارا عظیم الشّان مکان زیرِ تعمیر تھا - اَور والد صاحب کی ساری توجہ مکان کی تعمیر پر مرکوز تھی
اِسی دوران میں حضرت امیرِ ملّت کا دعوت نامہ آگیا - اَور والد صاحب تمام کام چھوڑ کر جموں روانہ
ہوگئے - روانگی کے وقت مجھے خطاب کر کے فرمایا - کہ تُم بھی چلوگے؟ لیکن اس وقت عہدِ طفولیت میں میری
تمام تر توجہ اپنے کبوتروں پر مرکوز تھی - مَیں نے جواب دینے میں تامّل کیا - تو مسکرا کر فرمانے لگے - کہ
تیرے کبوتروں کی حفاظت کیلئے خاص آدمی مقرّر کر دیتا ہُوں - جموں میں مَیں مرزائیوں کو جو
پٹخنیاں دوں گا - وُہ تیرے کبوتروں کی قلابازیوں سے بہتر ہوں گی - مزہ آنہ آیا - تو کہی کیا ...

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۷) فیصلہ دیا تھا -

۱۹۵۳ء میں مرزائیوں کیخلاف فسادات میں بے شمار گرفتاریاں عمل میں آئیں - اَور عدالت میں
مقدمات چلے - جناب آغا شورش کاشمیری مرحوم نے اپنے مقدمہ بمقام مغربی پاکستان - لاہور
ہائیکورٹ میں جسٹس مُنیر کی انکوائری رپورٹ میں جسٹس محمد گُل اور جسٹس کرم الٰہی چوہان کی عدالت
میں - اپنے دائر کردہ مقدمہ میں مقدمہ گورداسپور ۱۹۲۵ء اَور مقدمہ بہاولپور ۱۹۳۳ء کے فیصلوں
کی نقول منسلک کی تھیں - اَور حوالے بھی پیش کئے تھے - یہ عدالتی ریکارڈ پر موجود ہیں -
(بحوالہ عدالتی ریکارڈ مطبوعہ ۱۹۶۷ء پی ایل ڈی صفحہ ۸۰)

عہ : مقدمہ گورداسپور کی رُوئیداد شیخ الجامعہ حضرت مولانا مُفتی غلام محمد صاحب نظامی گولڑوی
علیہ الرّحمۃ کی زیرِ قیادت کئے جانیوالے مقدمہ بہاولپور کی رُوئیداد میں عُلمائے دیوبند کی طرف
شائع کی جاچکی ہے - مقدمہ جیتنے کے بعد ہندوستان کے تمام فرقوں کے جیّد عُلماء اَور مشائخ نے
مِل کر حضرت مولانا انوار الدّین صاحبؒ کو "فاتحِ مرزائیت" اَور "فاتحِ قادیان" کے القابات دیئے تھے

پیش کر مَیں ہنس پڑا - اَور ساتھ جانے کے لئے تیار ہوگیا -

کانفرنس میں زیادہ تر والدِ ماجد ہی کی تقریریں ہوتی تھیں - اِس معرکے سے خُوش ہو کر حضرت پیر
جماعت علی شاہ صاحبؒ والد صاحب کو اپنے ساتھ علی پُور لے گئے - علی پُور میں والد صاحب کا قیام
طویل تر ہوتا گیا - ہر روز رات کو والد صاحب کی تقریر ہوتی تھی - اَور سارا دن علمی اَور عرفانی
باتوں میں گُذرتا تھا - ایک بچے کیلئے ایسے ماحول میں زیادہ تر ٹھہرنا مُشکل ہوتا ہے - چُنانچہ مَیں گاؤں
میں گھومنے پھرنے لگا - بلکہ حضرت امیرِ ملّت خود فرما دیتے کہ مظہر! جاؤ اَور مسجد - مدرسہ اَور تہ خانے
دیکھ آؤ - ایک روز مَیں واپس آیا - تو حضرت نے فرمایا - کہ مسجد اَور مدرسہ پسند آیا؟ مَیں نے
اثبات میں جواب دیا - تو فرمانے لگے کہ بس تعلیم کے لئے یہیں آجاؤ - مُختصراً یہ کہ یہیں سے میرے
صاحبزادگان سے تعلقات کی اِبتدا ہُوئی -

کچھ زیادہ مدّت نہ گُذری تھی کہ مرزائیوں نے حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحبؒ - مولانا
دیدار علی شاہ صاحب اَور والدِ ماجد کا جموں و کشمیر میں داخلہ قانوناً رُکوا دیا - اِس سے عوام نے اَور
بھی خُوشگوار اثر لیا - وُہ سمجھنے لگے کہ مرزائی مُسلمان عُلماء کی تاب نہیں لاسکتے -

میرے عنفوانِ شباب میں والد صاحب کے مرزائیوں سے جو مناظرے ہُوئے اُنہی کا یہ نتیجہ ہے کہ مجھے
تمام سوالات و جوابات یاد ہوگئے - جنہیں مَیں نے قلمبند کر کے "خاتم المرسلین" کے نام سے
شائع کر دیا - یہ میری پہلی تصنیف تھی جس پر اُستادُ المحترم ابو البرکات سید احمد صاحب -
والدِ ماجد اَور مرتضیٰ احمد خاں میکش نے تقریظیں لکھیں - میرے سنِّ بلوغ کو پہنچنے کے بعد
والد صاحب کے جو مناظرے ہُوئے - ان کی علمی باتیں اب تک میرے حافظے میں محفوظ ہیں -

جن نفوسِ قُدسیہ نے تبلیغ حق کے سلسلے میں حضرت خواجہ سراج الحق صاحبؒ اَور والدِ ماجد
کا ساتھ دیا جی تو یہی چاہتا ہے کہ ان کا تذکرہ بھی کروں - لیکن ان کی فہرست بہت طویل ہے - مختصر طور پر یہی
کہہ سکتا ہُوں کہ حضرت خواجہؒ کے ساتھ درویشوں کی ایک جماعت ہوتی تھی جنہیں دیکھ کر یہ گمان گذرنے
لگتا کہ سلف صالحین کی کوئی جماعت قبروں سے نکل آئی ہے - دراز قامت چہرے درخشندہ
طویل ڈاڑھی - مُودراز - ہاتھ میں لمبا عصا اور تسبیح اَور رنگین لباس میں ملبُوس - قُدسیوں
کی اس جماعت کے ساتھ حضرت خواجہؒ کسی گاؤں میں پہنچتے تو لوگ جمع ہو جاتے - غایت

درجہ عقیدت و اظہار کرنے لگتے ۔ اور دُعاؤں اور تعویذات کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ نمازِ تہجد کے بعد حضرت خواجہ ذکرِ جہر فرماتے ۔ تو سامعین پر وجد و کیف کا عالم طاری ہو جاتا ۔ مرزائیوں میں ۔ ذوق شوق کی یہ متاع کہاں تھی؟ وُہ عوام کا تأثر زائل کرنے کے لیئے کمالِ بے حیائی سے یہی کہتے ۔ کہ یہ جذب و شوق نہیں ، نئی گندم کھانے کا اثر ہے ۔ لیکن ایسی خرافات سے عوام کے تأثر کا زائل ہونا ناممکن ہے ۔

والد ماجد کے ساتھ زیادہ تعداد علما و فضلاء ۔ ادباء اور شعراء کی ہوتی تھی ۔ جن میں حفیظ جالندھری ۔ مرتضیٰ احمد خان میکش ۔ حاجی لق لق ۔ عبد المجید قریشی (اسیر کیمبل پور والے) اور مہدی بیگم کے ایک قریبی عزیز مرزا نوازش علی بیگ بھی تھے ۔ مولانا عبد المجید سالک بھی کبھی کبھار آجاتے تھے ۔ خیر یہ تو معروف شخصیتوں کا ذکر ہے ۔ غیر معروف شخصیتوں میں بھی بڑے باکمال لوگ موجود تھے ۔ زندگی میں کبھی فرصت ملی تو اس داستان کو پُوری تفصیل سے لکھوں گا ۔ اور ان اصحاب کا ذکر بھی کروں گا ۔ جنہوں نے مرزائیوں کے ساتھ مقدمہ میں سات سال تک اپنا سرمایہ صرف کیا ۔ ان لوگوں کو بڑی شدت سے یہ احساس تھا ۔ کہ اگر ہمارے پیر و مرشد مقدمہ ہار گئے ۔ تو مرزائیوں کو بڑی تقویت ملے گی ۔

آخر میں ایک ضروری بات کہنا چاہتا ہوں اور وُہ یہ کہ تمام خواجگانِ چشت کے عرسوں کی تاریخیں ھجری سنہ کے اعتبار سے مقرر چلی آرہی تھیں ۔ بخلاف اس کے خواجہ سراج الحق صاحبؒ نے گورداسپور میں عُرس کا افتتاح کیا تو عُرس کی تاریخ عیسوی سنہ کے اعتبار سے مقرر کی ۔ میرے عہدِ طفولیت میں ایکدفعہ ایک صاحب نے سوال کیا ۔ کہ حضرت! اپنے بزرگوں کے مسلک کے خلاف عُرس کی تاریخ عیسوی کیوں مقرر کی گئی ہے ؟ حضرت نے فرمایا کہ انہی تاریخوں میں قادیان کا جلسہ ہوتا ہے ۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ لوگ اُدھر نہ جائیں ۔ بلکہ اِدھر آئیں ۔ بظاہر یہ ایک معمولی سی بات معلوم ہوتی ہے ۔ لیکن اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عوام کو مرزائیت سے باز رکھنے کی حضرت کو کسقدر فکر تھی ۔ عین ممکن ہے کہ یہ تدبیر بھی حضرتؒ نے اپنے پیر و مرشد صُوفی محمد حسین صاحبؒ مراد آبادی کے ایماء اور مشورہ سے اختیار کی ہو ۔"

(حافظ مظہر الدین)

فتنۂ مرزائیت کے استیصال اور مقدمات کے سلسلہ میں چند مزید واقعات مستند ذرائع سے ملے ہیں جو حضرت اقدسؒ کے رُوحانی تصرفات کی طرف دلالت کرتے ہیں ۔ درج ذیل کیے جاتے ہیں ۔

(۱) گورداسپور کی عدالت میں جو مقدمہ حضرت اقدسؒ کے خلاف مرزا بشیر الدین نے دائر کیا تھا ۔ اس میں جج نے لڑکی (جو حضرتؒ کی دُوسری بیوی تھیں) کو حاضرِ عدالت کرنے کا حکم دیا تھا ۔ آپؒ بیحد متفکر ہوئے کہ ان کی اہلیہ عدالت میں حاضر ہونگی ۔ ایکدن آپ نمازِ فجر کے بعد شجرہ شریف نہایت ہی خشوع و خضوع سے پڑھنے لگے ۔ جب حضرت خواجہ عُثمان ہارونی زندنی قدس سرہٗ العزیز کے نام پاک پر پہنچے تو ازخود رفت طاری ہو گئی ۔ اُسی لمحہ حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ ظاہری جسم سے مجسّم تشریف لائے ہوئے ۔ اور حضرتؒ کی تسلّی فرمائی ۔ اور فرمایا کہ "مولانا! گھبرائیے نہیں عدالت آپکی بیوی کو نہ بلوا سکیگی ۔ اور اللہ تعالیٰ آپ کو مقدمہ میں بھی فتح عطا فرمائے گا ۔" چنانچہ ایسا ہی واقع ہوا ۔ حضرت حافظ مظہر الدین صاحب مدظلہ کے مضمون "مولانا نواب الدین ستکوھیؒ کی خدمات" میں یہ ذکر آچکا ہے ۔ کہ مرزا بشیر الدین اور ظفر اللہ کی انتہائی کوشش کے باوجود آپ کی دُوسری بیوی ایک بار بھی عدالت میں پیش نہ ہوئیں ۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس مقدمہ پر خواجگانِ سلسلہ کی نگاہ تھی ۔ اس کے علاوہ بھی زندگی میں بارہا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ۔ حضرت خضر علیہ السلام ۔ اصحابہؓ کرام اور اولیائے عظام کی جسمِ ظاہری سے زیارت نصیب ہوئی ۔ وصال کے وقت بھی آپ کی یہی کیفیات تھیں ۔ کہ آپ بار بار فرماتے کہ "واہ سبحان اللہ کیا شان والا دربار ہے ۔"

(۲) گورداسپور کے اسی مقدمہ[۲] کے دوران ابتدا میں جج نے حضرت مولانا کو جرمانہ اور ½۳ ماہ قید بامشقت کی سزا ۔ اور لڑکی کو مرزائیوں کے حوالہ کرنے کا فیصلہ کیا (جو ابھی سُنایا نہیں گیا تھا) وکیل نے

---

[۱] : حضرت مجدد الف ثانی سرھندی قدس سرہٗ مکتوبات شریف میں تحریر فرماتے ہیں ۔ کہ اسی طرح حاجتمند لوگ زندہ اور فوت شدہ بزرگوں سے خوف و ہلاکت کیوقت مدد طلب کرتے ہیں ۔ اور دیکھتے ہیں کہ ان بزرگوں کی صُورتوں نے حاضر ہو کر ان کی بلا کو دفع کیا ۔ - - - - یہ بھی ان بزرگوں کے لطائف کی شکلیں ہیں ۔ شکلیں کبھی عالمِ شہادت میں ہوتی ہیں ۔ اور کبھی عالمِ مثال سے جس طرح ایک ہی شب میں ہزار آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو خواب میں مختلف صُورتوں میں دیکھتے ہیں ۔ اور فائدہ حاصل کرتے ہیں - - - - - اسی طرح مرید اپنے پیروں کی مثالی صُورتوں سے مستفید ہوتے اور مشکلات کو حل کرتے ہیں ۔ (مکتوب ۵۸ جلد دوم)

[۲] = یہ دونوں واقعات حضرت اقدسؒ کی سیالکوٹ والی صاحبزادی کی وساطت سے ملے ہیں

حضرت اقدسؒ کو جب اِس فیصلہ کی اطلاع دی۔ تو آپ نے جج کو یُوں مخاطب کیا۔ کہ " او ملعون! جتنی سزا تُونے مجھے لکھی ہے۔ اُتنی دیر تک تُو پاگل ہو کر دیواروں سے ٹکریں مار مار کر مرے گا۔ تیرے دونوں ہاتھ برباد ہوں گے۔" (یہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ کہ آپ عدالت کے کٹہرہ پر چڑھ گئے اور جج کو اُٹھا اُٹھا کر زور زور سے زمین پہ مارا۔ اور خوب پیٹا) چنانچہ وہ جج پاگل ہو کر تین ماہ تک دیواروں سے ٹکریں مار مار کر مرا۔ اور اُس کے دونوں ہاتھ بھی گل چکے تھے۔

(۳) یہ واقعہ بھی حضرت اقدسؒ کی سیالکوٹ والی صاحبزادی سے روایت کیا گیا ہے۔ کہ سنگوہا میں قیام کے دوران حضرت اقدسؒ نے مرزا غلام احمد کو خُوب خُوب مارا تھا۔ مرزائی اُسے ڈاکٹری رپورٹ حاصل کرنے کیلئے بٹالہ لیگئے تھے۔ تاکہ اس بناء پر آپ پر مقدمہ چلایا جائے۔ تو حضرت اقدسؒ نے فرمایا تھا۔ کہ " جو ڈاکٹر میرے خلاف رپورٹ لکھے گا اُسے اِس سے زیادہ ماروں گا۔ اور اُس کا حشر بُرا ہوگا۔" چنانچہ کسی ڈاکٹر کو آپ کے خلاف رپورٹ لکھنے کی جُرأت نہ ہوئی۔

(۴) حضرت اقدسؒ کے پیر بھائی جناب مولوی دین محمد انصاری چشتی (جن کی عُمر اسوقت سو سال بتلائی جاتی ہے) نے بیان کیا ہے کہ " حضرت اقدسؒ نے مرزا کذّاب کے 360 سوالات کے جوابات پر مشتمل ایک جہازی سائز کی کتاب " برقِ آسمانی علیٰ اُفُقِ فتنہ قادیانی " المعروف " کڑکِ آسمانی " مرزا کذاب کی جھوٹی پیشین گوئیوں کے رد میں لکھی تھی۔ جس کا جواب مرزا کبھی نہ دے سکا۔" مولوی دین محمد صاحب کہتے ہیں کہ یہ کتابیں پُورے ہندوستان اور بیرونِ مُلک بھیجی گئی تھیں۔ اور یہ کہ اُنھوں نے اس کتاب کے اہم حصے ہزاروں کی تعداد میں اشتہارات کی صُورت میں چھپوا کر پُورے ہندوستان خصوصاً گورداسپور اور آس پاس کے اضلاع میں دیواروں پر چسپاں کر رکھے تھے۔

(۵) حضرت اقدسؒ کے سب سے چھوٹے صاحبزادہ جناب عزیز حسن صاحب (مقیم فیصل آباد) روایت کرتے ہیں۔ کہ ایکدفعہ مرزا کذّاب کے سالے میر اُلفت دہلوی نے سنگوہا میں آکر مرزائیت کی تبلیغ شروع کردی۔ حضرت اقدسؒ اُسوقت شدید علیل تھے۔ مگر اسی حالت میں مرزائیوں کے جلسہ میں چلے گئے اور لوگوں سے پُوچھا کہ اِسوقت کیا بجا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ ۱۲ بجے ہیں۔ پھر پُوچھا کہ سُورج کہاں ہے؟ لوگوں نے کہا۔ کہ پُوری آب و تاب سے چمک رہا ہے؟ پھر فرمایا کہ " اگر کوئی احمق دن کے بارہ بجے دیا سلائی لے کر سُوئی ڈھونڈے یا اس (دیا) سے روشنی لینے کو کہے۔ تو سب لوگ؟" لوگوں نے جواب دیا کہ " سُورج کے ہوتے ہُوئے دیئے کی قطعاً ضرورت نہیں۔" اِس منطقی جواب سے لوگ بہت محظوظ ہُوئے۔ اور مرزائیوں کو مار بھگایا۔

(۶) صاحبزادہ عبدالغفور حسن یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ جب مرزا کذّاب نے " بلوں سے آسمان پر محمدی بیگم سے نکاح " کا الہام گھڑا۔ اور پیشگوئی کی کہ جو شخص محمدی بیگم سے نکاح کریگا وہ دو سال میں مر جائیگا۔ اور اس کے کوئی اولاد نہ ہوگی۔ تو حضرت اقدسؒ نے اعلان کروادیا کہ " جو شخص محمدی بیگم سے نکاح کریگا اُس کی عُمر ۶۰ سال ہوگی۔ اور اُس کے کئی بچے ہوں گے"۔ پھر آپ نے ایک معتقد سے باضابطہ طور پر محمدی بیگم کا نکاح کردادیا۔ اس کے چار پانچ سال کے بعد اُس معتقد کو لے جاکر قادیان میں مرزا کے گھر کے سامنے جلسۂ عام کیا۔ جس میں اُس شخص سے پوچھا کہ " بتا تُو کون ہے؟"۔ اُس نے عرض کیا کہ " میں محمدی بیگم کا خاوند ہُوں۔ اور آپ کا رُوحانی فرزند"۔ اس کے بعد اُس شخص سے یہ بھی کہلوایا۔ کہ اُس کے تین بچے ہیں۔ (گویا کہ مرزا کا الہام قطعی جھُوٹ ثابت کردیا) اس کے بعد لوگوں سے آپ نے مخاطب ہو کر فرمایا۔ کہ بھئی! مرزا کذّاب تو کہتا ہے کہ جو مجھے نہ مانے وہ جہنمی ہوگا۔ چنانچہ اس کے مطابق تو ہم جہنمی ٹھہرے۔ اور یہاں تو میں نے اُس کا نکاح نہ ہونے دیا۔ مگر قیامت کو جب وہ اپنی اس آسمانی بیوی کی بارات لیکر دوزخ میں آئیگا۔ تو ہم اُسے گھر داماد رکھ لیں گے۔ چنانچہ مرزا قطعی جہنمی ٹھہرا اور اس کے ماننے والے بھی پھر جہنم میں آکر آباد ہوں گے۔" تو اس دلیل پر لوگ بہت محظوظ ہُوئے۔ اور کئی مرزائی فوراً مسلمان ہوگئے۔ تو ان کو مسلم شہریوں نے مرزا کے گھر پر سخت پتھراؤ کیا۔ کہ بدبخت ہمیں بھی جہنمی بنوانے لگا تھا۔"

(۷) صاحبزادہ عبدالغفور حسن اور قبلہ مولانا غلام ربّانی صاحب دامت برکاتہم نے روایت کیا ہے کہ جب مرزا کذّاب نے دعوئ نبوّت گھڑا۔ تو آپ (حضرت اقدسؒ) قادیان جا پہنچے اور مرزا کو مخاطب کرکے فرمایا۔ کہ " او ملعون! آجتک جتنے بھی انبیاء تشریف لائے اُن سب کے نام مبارک مُفرد تھے اور کسی کا نام مرکّب نہ تھا۔ بتلا کہ تیرا نام مرکّب کیوں ہے"۔ تو یہ منطقی دلیل سُننے کے بعد مرزا کذّاب نے کہا کہ " نبی منطقی دلیل کا جواب نہیں دیا کرتے۔" یہ سُن کر

آپؒ نے فرمایا کہ "تو کذاب و مفتری ہے۔ اور خارج از اسلام ہے۔ اور تیرا دعویٰ جھوٹا ہے" تو مرزا کہنے لگا۔ "یہ لکھ کر دو۔ میں تم پر مقدمہ کروں گا" چنانچہ آپؒ نے سب سے پہلے مرزا پر فتویٰ کفر لگایا۔ اور چیلنج کر دیا کہ جاؤ جا کر عدالت میں مقدمہ کرو۔ مگر مرزا کذاب کو یہ جرأت نہ ہوئی۔ ورنہ وہ اللہ کے فضل سے یہاں بھی مات کھاتا اور مزید ذلیل و رسوا ہوتا۔

(۸) اپنے قیامِ ستکوہہ کے دوران حضرت اقدسؒ جب ہفتہ عشرہ بعد مرزا غلام احمد اور حکیم نور الدین وغیرہ سے مناظرہ کرنے قادیاں تشریف لیجاتے تھے۔ تو لوگ کام چھوڑ کر آپؒ کے جلو میں ان دلچسپ علمی معرکوں کو سننے کیلئے بے تابی و شوق سے ساتھ ساتھ چلتے۔ وہاں جا کر حضرت اقدسؒ مرزا قادیانی اور حکیم نور الدین کو زبردست اور پے در پے شکستیں دینے کے علاوہ بے حد مطعون بھی کرتے تھے۔ مرزا قادیانی نے کئی بار آپ کو شہید کرانے کی خاطر قاتلانہ حملے کرائے اور طرح طرح کے الہامات و جھوٹی پیشین گوئیاں گھڑیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ہر بار انگریزوں کے اس خود کاشتہ پودے کو ذلیل و خوار کیا۔ ایک بار مرزا قادیانی نے آپ کی عدم موجودگی میں آپ کے گھر کو آگ لگوادی تھی۔

حضرت اقدسؒ کے ایک خلیفہ محمد شفیع خاں (مرحوم) نے بتایا۔ کہ ایک بار ہم لاہور حضرتؒ کیساتھ گئے ہوئے تھے کہ ہمیں پتہ چلا کہ حضرت امیرِ ملت پیر جماعت علی شاہ صاحبؒ بھی لاہور تشریف لائے ہیں۔ تو میں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ انہیں ملنے گیا۔ تو اسی دوران مرزا قادیانی آگیا اور اگر حضرت پیر جماعت علی شاہؒ کو مناظرہ کا چیلنج کیا۔ اس کے بار بار کہنے پر آپ (پیر جماعت علی شاہؒ) نے فرمایا۔ کہ پہلے تم شیرِ اسلام مولانا نواب الدین صاحبؒ سے تو مناظرہ کر کے دکھاؤ۔ تو اس جواب پر مرزا قادیانی نے کہا۔ کہ "وہ تو مجھے ماریں گے"۔ یہ واقعہ لوگوں نے آکر حضرت اقدسؒ کو بتایا تو آپؒ نے فرمایا کہ "اے اللہ! جو جھوٹا ہو۔ تو اس دنیا سے ایک ہفتے کے اندر اندر اسے اٹھا لے"۔ تو اس کے بعد مرزا سخت پاگل پن اور بیماری کی حالت میں قادیان و لاہور میں پاگلوں کی طرح چکر لگا لگا کر مر گیا۔"

میں نے حضرت اقدسؒ سے اکثر بار سُنا تھا۔ آپؒ فرمایا کرتے تھے۔ کہ مرزا کذاب کیساتھ آخری بار مباہلہ ہوا۔ تو آپؒ نے دعا فرمائی۔ کہ "اے اللہ اگر یہ جھوٹا ہے۔ تو ایک ہفتہ کے اندر اندر مر جائے۔ اور اگر میں جھوٹا ہوں تو ایک ہفتہ کے اندر اندر مر جاؤں"۔ چنانچہ مرزا کذاب اسی ہفتہ کے اندر واصلِ جہنم ہو گیا۔ (مؤلف)

(۹) ملتان کے نامور ادیب اور شاعر جناب مولانا نور احمد خاں صاحب فریدی نے بیان کیا ہے۔ کہ سنہ ۱۹۴۳ء میں حضرت اقدسؒ حسین آگاہی میں جیلانی پریس ملتان میں بیٹھ کر "پیغام حق" کے کتابت شدہ حصوں کی پروف ریڈنگ کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ میرے ایک سوال پوچھنے پر حضرتؒ نے فرمایا۔ کہ "مولوی صاحب! مرزا کذاب کو نبی ماننا تو کجا۔ اُسے تو ایک شریف و عقلمند انسان بھی نہیں مانا جا سکتا۔ وہ پاگل اور احمق تھا۔ کیونکہ اس کذاب کی تحریروں سے الیسا ہی ظاہر ہوتا ہے"۔

(۱۰) مناظرِ اسلام حضرت علامہ مولانا نواب الدین صاحبؒ نے خدا جانے کتنے مناظرے۔ مباہلے اور مقابلے زندگی بھر کئے۔ یہ ان گنت ہیں۔ بہر حال مرزائیوں کے علاوہ مولانا نواب الدین صاحبؒ نے بد مذہب۔ سکھ۔ ہندو۔ یہودی۔ پارسی۔ اچھوت۔ عیسائی اور وہابیوں اور رافضیوں کے تمام گروہوں کے ساتھ مناظروں کے علاوہ شدھی تحریک۔ سناتن دھرمی۔ آریہ سماجی ٹولہ۔ سکھوں کی اکالی پارٹی۔ مسلم دشمن تحریکوں اور کانگریس جماعت کے طوفان کے آگے بہت عظیم ترین بند باندھے۔ غرض کوئی بھی فتنہ جو مسلمانوں اور اسلام کے خلاف اٹھایا گیا ہو۔ آپؒ نے اسے سختی سے کچل دیا۔

اس واقعہ کے عینی گواہ شاید اب بھی موجود ہوں گے۔ کہ مرزا کذاب کی عذابناک موت کے بعد ایک بار حضرت اقدسؒ اپنے سمدھی مولانا دولت علی صاحب (دوسوہہ والے) حکیم قادر بخش صاحب مقصود پوری اور ملتان کے ایک بڑے تاجرِ چرم کے ہمراہ قادیان گئے۔ اور جلسۂ عام میں اعلان کر دیا۔ کہ فلاں دن ہم مرزا کی قبر کھودیں گے۔ کہ وہ قبر میں صحیح و سالم موجود ہے؟ کیونکہ احادیثِ مبارکہ میں آیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے اجسام کو کچھ نہیں ہوتا۔ ان کو قبر کی مٹی نہیں کھاتی۔ اور وہ صحیح و سالم ہوتے ہیں۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ "میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ مرزا اپنی قبر میں گل سڑ کر بدبودار اور بدصورت ہو چکا ہے۔ اگر مرزا صحیح و سالم پایا گیا۔ تو میں اور میرے لاکھوں مُرید مرزا کو سچا مان لیں گے۔"

اس اعلان کے بعد مرزائیوں نے راتوں رات ایک چوکور کمرہ مرزا کی قبر پر بنا دیا۔ کافی پولیس بھی منگوا لی تھی۔ اور کافی ہنگامہ ہوا۔ حضرت مولاناؒ کے اس اعلان کا مقصد یہ تھا۔ کہ "اب مرزا کے مرنے کے بعد کا حشر بھی عوام کو دکھلا دوں"۔

حضرت مولاناؒ ایک مدت تک ستکوہا میں مقیم رہے ۔ یہ آپ کی زندگی کا ایک طوفانی دور تھا ۔ جس کی چند جھلکیاں آپ اُوپر ملاحظہ فرما چکے ہیں ۔ ستکوہا سے آپ تبلیغِ اسلام کرتے رہے ۔ اپنی سحر بیانی اور بے پناہ قوتِ استدلال سے آپؒ کی مجلسِ وعظ میں بھاری جمعیت میں لوگ شریک ہوتے ۔ بےشمار لوگ آپؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے ۔ کہ آپ نے عظیم شہرت اور مقبولیت حاصل کرلی ۔ اِسی مناسبت سے آپؒ "مولانا نواب الدین ستکوہی" کی عرفیت سے معروف ہوئے ۔

آپکے وہاں تشریف لاکر ستکوہا کے دوران قیام پیشتر بیان کردہ معرکوں کے علاوہ شرپسند اور حاسد لوگوں سے بھی آپکو بڑی اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا ۔ علاوہ ازیں آپکے چند اہل خاندان کی طرف سے بھی آپ کو مخالفتوں اور ذہنی پریشانیوں اور اُلجھنوں سے بھی سابقہ رہا ۔ اِن حالات نے آپکی رُوحانی کیفیات میں نہایت سوز و درد بھر دیا ۔ اور آپ دُنیاوی بندھنوں سے کنارہ کش ہو کر جذب و مستی کے عالم میں شہر شہر قریہ قریہ جاتے ۔ اور کسی مقام کو اپنا مستقر بنانے سے گریز کرتے ۔ آپ ویرانہ میں بھی ہوتے ۔ تو لوگوں کا جمگھٹا ہو جاتا ۔ اور آپکے کلامِ بلاغت نظام کے سوز سے لوگوں کے دِل پگھل جاتے ۔ مسلمان تو مسلمان ۔ اہلِ ہنود بھی آپکے عقیدتمند ہو گئے ۔

(آپؒ کی جذب و مستی کے حالات آئندہ صفحات میں "تصرفات و کرامات" کے ضمن میں آئیں گے)

حضرت مولاناؒ کا جالندھر شہر میں ورودِ مسعود

حضرت مولانا نواب الدین صاحب قدس سرہٗ کے تبلیغی دورے نہ صرف پنجاب کے اضلاع بلکہ ہندوستان کے دُور و دراز علاقوں تک پھیلے ہوئے تھے ۔

یہ اس صدی کے آغاز کا زمانہ تھا ۔ میرے والد ماجد ماسٹر شاہ محمد مرحوم اُن دنوں مصوری میں کاروبار کرتے تھے ۔ والد صاحب درویشوں اور عُلماءؒ سے بہت عقیدت رکھتے تھے ۔ مصوری میں ایک مجلسِ وعظ میں والد صاحب کی حضرت مولاناؒ سے ملاقات ہوئی ۔ حضرت مولاناؒ کی تقریر دلپذیر میں آپکے تبحرِ علمی کے ساتھ درویشانہ اور رُوحانی کیفیات سے والد صاحب بڑے متاثر ہوئے ۔ جلسہ کے اختتام پر اصرار کر کے حضرت اقدس کو اپنی دوکان پر لے آئے ۔ اور کچھ دن قیام کیلئے درخواست کی ۔ اِس قیامِ مصوری اور بعد کی ملاقاتوں میں حضرت اقدسؒ اور والد صاحب میں باہم گہری موانست اور یگانگت پیدا

ہو گئی (حضرت اقدسؒ اس یادگار سفرِ مصوری اور بعد کی ملاقاتوں میں آپؒ سے والد صاحب کے باہمی روابط اور گہری موانست و محبت کا اکثر ذکر فرمایا کرتے تھے ۔ اور اِسی نسبت سے اس ناچیز سے میرے بچپن اور عہدِ طفولیت ہی سے ازحد شفقت و محبت فرماتے تھے) والد صاحب اپنی نسبتِ سجادگان درگاہ حضرت خواجہ امام ناصر الدین صاحبؒ جالندھر شہر سے اپنا تعارف کرا چکے تھے ۔ ایکدفعہ آپ نے حضرت مولاناؒ سے جالندھر تشریف لانے کی درخواست کی ۔ اور حضرت علیہ الرحمۃ نے ازراہِ عنایت دعوت قبول فرمالی ۔ غالباً ۱۹۱۰-۵ء میں والد صاحب جالندھر آگئے ۔ تو حضرت مولاناؒ بھی پہلی مرتبہ جالندھر تشریف لائے ۔ اور مسجد شریف حضرت خواجہ امام ناصر الدین صاحبؒ میں قیام فرمایا ۔ اِس طرح میرے والدِ ماجد اوّلیں ذریعہ بنے آپؒ کی جالندھر میں تشریف آوری کا ۔ اِس میں اللہ تعالیٰ کی بہترین حکمت پوشیدہ تھی ۔ جالندھر میں درگاہ حضرت خواجہ امام ناصر الدینؒ میں حضرتِ اقدسؒ کو وہ مقام نصیب ہوا ۔ کہ اس کی مثال نہیں ملتی ۔ اہلِ جالندھر نے آپؒ سے خاص طور پر فیوض و برکات حاصل کئے ۔ آپ کے تبحرِ علمی کا جالندھر کے گھر گھر میں چرچا ہوا ۔ اور آپ کا حلقۂ ارادت وسیع ہوتا چلا گیا ۔ یہ حضرت اقدسؒ کی تبلیغی سرگرمیوں اور جالندھر میں سلسلۂ چشتیہ صابریہ کی وسعت و مقبولیت کا روشن ترین دور ہے ۔

حضرت مولاناؒ جالندھر شہر میں تھوڑے تھوڑے وقفہ سے تشریف لاتے ۔ تو مسجد درگاہ شریف حضرت اِمامؒ میں قیام فرماتے ۔ اور ذِکر و فکر کی مجالس گرم ہوتیں ۔ تا ایں دم کہ ماسٹر رحیم بخش صاحبؒ سجادہ نشین درگاہ حضرت امام صاحبؒ کے صاحبزادے خلیفہ محمد صدیق صاحب ناصری حضرت اقدسؒ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے ۔ اس ذریعہ سے ہمارے خاندان سے حضرت مولاناؒ کے روابط انتہائی گہرے ہو گئے ۔ حضرت خلیفہ محمد صدیق صاحب ناصری شروع سے ہی آپ سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے اور آپؒ بھی اِن پر خاص نظرِ کرم رکھتے ۔ آپؒ کی توجہ سے خلیفہ صاحب قلیل عرصہ میں ہی آپکے حلقۂ ارادت میں مقامِ محبوبیت پر فائز ہو گئے ۔ اور اسی نسبت سے حضرت اقدسؒ ہمارے سارے خاندان سے شفقت و محبت کا برتاؤ کرتے گویا کہ یہ آپؒ ہی کا کنبہ ہو ۔ ماسٹر رحیم بخش صاحب سجادہ نشین انتہائی صاحبِ ذوق

بزرگ تھے ۔ جو حضرت اقدسؒ سے از حد متأثر تھے ۔ ان بزرگوں کے آپس میں گہرے مراسم دوستی اور بھائی چارہ کی حد تک قائم ہو گئے ۔ اس کے بعد حضرت مولاناؒ جالندھر تشریف لاتے تو مہینہ مہینہ بھر ماسٹر صاحب کی بیٹھک میں ہی قیام فرماتے ۔ یہاں مجالسِ خاص قائم ہوتیں اور انوار و برکات کی بارشیں ہوتیں ۔ ماسٹر رحیم بخش صاحب کی بیٹھک جسے حضرتِ اقدسؒ "فانوسِ خیال" بھی کہا کرتے تھے ۔ شاعروں ۔ صوفیوں اور عارفوں کا مرکز سمجھی جاتی تھی ۔ یہاں کلیئر شریف کے سجادہ نشین (جو حضرتِ اقدسؒ کے مرید تھے) نے بھی چند روز قیام فرمایا ۔ اور بھی کئی بزرگ یہاں آتے رہتے تھے ۔ جن میں حضرت بابا میراں شاہ صاحبؒ قادری (ماسٹر صاحب کے مرشدِ پاک) حضرت مولانا گرامی ہوشیار پوری ۔ مولانا ولی محمد صاحبؒ جالندھری ۔ حضرت بیدم شاہ صاحبؒ وارثی ۔ حضرت حیرت شاہ وارثیؒ ۔ حضرت حفیظ صاحب جالندھری وغیرہم خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں ۔ حضرت مولانا نواب الدین صاحبؒ کی مجالس میں ایسے ایسے دلگداز احوال مشاہدہ ہوتے تھے کہ دلوں پر وجد کا عالم طاری ہو جاتا ۔ غرض حضرت اقدسؒ کے جالندھر شہر کے قیام کے عرصے آپ کی روحانی زندگی کے زریں باب تھے ۔ جن کی یاد آج بھی قلوب میں وجدان و سوز و گداز کی کیفیات پیدا کر دیتی ہیں ۔ اور ناقابلِ فراموش ہیں ۔

اسی بیٹھک میں بابو جلال الدین صاحب بیٹ حضرت مولاناؒ کی صحبت میں مباحثِ علمی میں حصّہ لیتے اور آپؒ کے تبحرِ علمی سے بہرہ ور ہوتے ۔ آجکل وہ اسلام آباد میں رہائش پذیر ہیں ۔ میری درخواست پر انھوں نے حضرت مولاناؒ کی علمی فضیلت اور آپؒ کی بلند مرتبہ شخصیت کے جمالیاتی پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے نہایت بلیغ اور دلپذیر پیرایہ میں اپنے تأثرات کا اظہار فرمایا ہے ۔ ملاحظہ کیجئے :-

"مولانا نواب الدین صاحبؒ رملداس ضلع امرتسر کے رہنے والے تھے ۔ آپؒ مسلکِ طریقت سلسلہ چشتیہ صابریہ سے تعلق رکھتے تھے ۔ آپ نے جب جالندھر آنا شروع کیا تو آپ مسجد درگاہ شریف حضرت امام ناصر الدین صاحبؒ میں اقامت پذیر ہوا کرتے تھے جہاں آپ کے دم سے ھُو حق کی مجلسیں قائم ہوتیں اور لوگ جوق در جوق آپؒ کے دستِ مبارک پر بیعت کرتے ۔ بعد ازاں ماسٹر رحیم بخش صاحب سجادہ نشین درگاہ امام سوخوفؒ کا صاحبزادہ محمد صدیق آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوا ۔ تو پھر جب کبھی آپ تشریف لاتے تو محلہ امام ناصر الدین صاحبؒ میں ماسٹر رحیم بخش صاحب کی دکان میں قیام کرتے ۔

قد آپؒ کا سَرو ۔ چہرہ پُر نور اور آنکھیں مست و مخمور ۔ تقریر آپ کی ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ۔ آواز آپ کی دلوں میں اُتر جانے والی ۔ نکات آپ کے فکر انگیز بیان آپ کا بصیرت افروز ۔ اور استدلال آپ کا باطل سوز ۔ آپ اپنے بیان کی تائید میں جب آیاتِ قرآنیہ پیش کرتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ آپؒ حافظِ قرآنِ کریم ہیں ۔ اور جب باعتبارِ موقع و محل اشعار سے رنگ باندھتے ۔ تو یوں لگتا ۔ کہ آپ منبعِ شعر و شاعری ہیں ۔ آپ مولانا رومؒ کی مثنوی اور مولانا غلام رسولؒ کی یوسف زلیخا بآوازِ ترنم پڑھتے ۔ تو سامعین پر عالمِ وجد و محویت طاری ہو جاتا اور جب آپ تقریر ختم کرتے تو لوگ آپ کے گرد اس طرح جمع ہو جاتے جس طرح شمع کے گرد پروانے ۔

اتنے میں نمازِ مغرب کی اذان ہوتی ۔ مولاناؒ مسجد میں داخل ہوتے ۔ اور آپ کے ساتھ آپ کے پروانے بھی ۔ امامِ مسجد کے اصرار پر مولانا اقامتِ نماز کے لئے محراب میں داخل ہوتے ۔ تو مقتدیوں پر مسرت و شادمانی کی لہر دوڑ جاتی ۔ کہ اس سے اُن کی مولانا صاحبؒ کی رقت انگیز اور وجد آفرین قرأتِ قرآنی سننے کی آرزو بر آتی ۔ اور تکبیر کے بعد جب مولانا اللہ اکبر کہہ کے ہاتھ باندھتے اور ثنا کے بعد قرأت کا آغاز ہوتا ۔ تو مسجد کے در و دیوار کے ہمہ تن گوش اور مقتدیوں کے فیضانِ کلام اللہ سے ہم آغوش ہونے کا ایمان افروز منظر ہوتا ۔ نور و انوار کی بارش میں سلام کے ساتھ نماز ختم ہوتی ۔ اور دُعا کیلئے ہاتھ اُٹھتے ۔ تو ایسا محسوس ہوتا ۔ کہ خود خدا کے حضور میں محتاجیاں ہاتھ پھیلا رہی ہیں ۔ اور جب دُعا ختم ہونے کو ہوتی تو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا ذکر بلند آواز میں شروع ہوتا ۔

تو یوں لگتا جیسے نور و سرور کا ایک سمندر موجزن ہے۔ ع

اَب جس کے دیکھنے کو اکھیاں ترستیاں ہیں

یہ تھے مولانا نوابُ الدّین صاحب رحمتہ اللہ علیہ۔ ع

خُدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

آپؒ کے صاحبزادگان میں سے حافظ مظہر الدّین راولپنڈی میں۔ اور صُوفی غُلام ربّانی صاحب مُلتان میں آباد ہیں۔ حافظ صاحب عُشّاقِ رسُول کریمؐ میں سے ہیں۔ اور ایک شگفتہ بیان شاعر۔ صُوفی صاحب (مولانا غلام ربّانی) پر اپنے والد ماجد کا رنگ غالب ہے۔ اور آپ اہلِ درد میں سے ہیں۔ خُدا اِنہیں شاد و آباد رکھے۔ آمین!"

مورخہ ۲۰-۸-۷۸ / ۲۳-۸-۷۸ — جلال الدین بٹ (اِسلام آباد)

جالندھر شہر میں حضرتِ اقدسؒ کا چرچا

(۱) معلوم ہوتا ہے کہ یہ عاجز عالمِ صغر سنی سے ہی حضرت مولانا صاحبؒ کی ذاتِ سے متعارف تھا۔ غالباً ۱۹۲۱ء کا زمانہ ہوگا۔ مَیں نے سنِ شعور کو پہنچنے پر پہلی دفعہ مسجد درگاہ شریف حضرت خواجہ اِمام ناصِر الدّین صاحبؒ چشتی جالندھر شہر میں آپؒ کی شخصیت اور کلام سے شناسائی کا شرف حاصل کیا۔ حضرتِ اقدسؒ نمازِ جمعہ کے بعد مسجد شریف کے صحن میں منبر پر رونق افروز وعظ فرما رہے تھے۔ سبز کلاہ سر پر رکھے۔ ریشمی تہہ بند باندھے اور قیمتی مخملی شال اوڑھے ہوئے تھے۔ اِس شاہانہ ٹھاٹھ میں چہرۂ مبارک پر ہیبت و جلال کی وجہ سے نگاہ نہیں ٹکتی تھی۔ میں مسجد کے جنگلے کے ساتھ لگا کھڑا تھا۔ آپؒ بزرگانِ دین کی زندگیوں پر تقریر فرما رہے تھے۔ لوگوں پر محویت کا عالم طاری تھا۔ آپ کی تقریر میں جادو تھا۔ مَیں سحر زدہ سکوت کے عالم میں وعظ سُن رہا تھا۔ اگرچہ علمی استعداد سے قاصِر اور رُوحانیت کی ابجد سے نا آشنا تھا۔ تاہم ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آپ کے کلام سے قلب و رُوح پر ایک انجانی سی مسحُور کُن کیفیت پیدا ہو رہی ہے۔ وعظ کے خاتمہ پر لوگ آپؒ کے گرد والہانہ دست بوسی کے لئے جمع ہو گئے۔ پھر آپ ایک جماعت کیساتھ محلہ اِمام صاحبؒ میں ماسٹر رحیم بخش صاحب کی بیٹھک میں تشریف لے گئے۔ میں بصد عقیدت و احترام آپؒ کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

(۲) درگاہ شریف میں انجمن اِصلاح المسلمین" (جس کے بانی و مہتمم جناب بابو جلال الدین صاحب بٹ اور جنرل سیکرٹری جناب ممتاز پرویز شامی مرحوم تھے) کی طرف سے ہر سال مجالسِ وعظ کا اہتمام ہوتا تھا۔ جس میں حضرت مولانا نواب الدّین صاحبؒ کو خاص طور پر مدعُو کیا جاتا تھا۔ ۲۸-۱۹۲۷ء کا جلسہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ جو دو روز تک درگاہ حضرت خواجہ اِمام ناصر الدین صاحبؒ میں جاری رہا۔

اِس جلسہ میں جلیل القدر عُلمائے اہلسُنّت والجماعت نے شرکت فرمائی۔ اور اپنے مواعظ سے لوگوں کو مُستفید فرمایا۔ اِن عُلماء میں خاص طور پر حضرت مولانا نواب الدّین صاحب رتڑ چھتڑؒ۔ مولانا مُختار احمد صاحب صدّیقی مولانا محمد اسحاق خان صاحب (ڈھوگڑی والے) اور پیر زادہ مولانا بہاؤ الحق صاحب قاسمی (امرتسری) وغیرہم قابلِ ذکر ہیں۔ جناب حفیظ جالندھری بھی اس جلسہ میں مدعُو تھے۔

حضرت مولانا نواب الدّین صاحبؒ رات کے بارہ بجے اسٹیج پر تشریف لائے۔ ایک جمِّ غفیر آپ کی تقریر سُننے کیلئے جمع تھا۔ درگاہ شریف کا وسیع میدان لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہُوا تھا۔ یہ عاجز سٹیج پر حضرت مولاناؒ کے عقب میں کھڑا پنکھا جھلنے کی خدمت پر مامُور تھا۔ تلاوت کے بعد حضرت اقدسؒ نے "تصوّف" کے بلند پایہ موضوع پر تقریر دلپذیر شروع کی۔ آپ کا خطاب اسقدر جامع اور رُوح پرور تھا کہ مجمع پر سکوت کا عالم طاری ہوگیا۔ جیسے اِس پر جادُو کر دیا گیا ہو۔ ہر چند کہ یہ بندۂ ناچیز رموز و نکاتِ تصوّف سے قطعی نابلد تھا۔ مگر ایسا محسوس ہو رہا تھا (غالباً آپؒ کی قُربت کیوجہ سے آپ کے کلامِ بلاغت نظام کے اسرار و معانی کا عکس میرے قلب و رُوح پر مُنعکس ہو رہا ہو) کہ مَیں لق و دق صحرا میں کھڑا

ہُوں - چاروں طرف ھُو کا عالم ہے - نہ اسٹیج ہے - نہ مجمع - آپؒ کی پُرشکوہ آواز آواز گُونج رہی ہے - آپؒ کا کلام ایک موجیں مارتا ہوُا سمندر ہے - مجھے ایسے محسُوس ہو رہا تھا کہ جو رموز و اسرارِ تصوّف آپ بیان فرما رہے ہیں - اِن کے معانی میرے لوحِ قلب پر نازل ہو رہے ہیں - اور مَیں جذب کے عالم میں بے خود اور سحر زدہ تھا - یہ کیفیات ایسی تھیں جن کے بیان سے قاصر ہُوں - اور جو آج تک میرے میرے قلبِ حزیں پر ثبت ہیں

حضرت اقدسؒ کی تقریر ایسی ہی جانگداز ہوتی تھی - جب حسبِ حال مثنوی مولانا رومؒ - کلام حافظؒ - اور مولانا غلام رسولؒ کی یوسفؑ زلیخا سے بہ آوازِ تر " پڑھتے تو سامعین مست و مخمور ہو جاتے - آپؒ کی دل نشین وعظ سے بڑے بڑے فاسق و فاجر آپؒ کے دستِ مبارک پر تائب ہو جاتے اور آپؒ کی غلامی میں داخل ہو جاتے -

(۳) حضرت اقدسؒ کی اِسی تقریر سے متأثر ہو کر جناب حفیظ جالندھری بھی آپؒ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہُوئے - بیعت کی درخواست حفیظ جالندھری نے اس شعر سے کی تھی ؎

جو لوگ کہلاتے ہیں سگ آپ کے در کا
اُن لوگوں کے دفتر میں میرا نام بھی لکھ لیں

شاہنامۂ اِسلام " حفیظ جالندھری کی اِسی دَور کی تصنیف ہے -

(۴) اِس زمانہ میں آپؒ جب بھی جالندھر تشریف لاتے تو مہینہ مہینہ بھر بیٹھک ماسٹر رحیم بخش صاحب میں قیام پذیر رہتے - آپ کی مجلس میں ہر وقت ارادتمندوں اور

ے : اِس ضمن میں ایک واقعہ یاد آ گیا جو کچھ عرصہ پہلے حضرتؒ کے حالات میں حضرت قبلہ مولانا علام ربانی صاحب دامت فیوضہ نے روایت کیا تھا - کہ ایک دفعہ ایک جلسہ میں جو چوک لوہاری گیٹ مُلتان میں تھا حضرت اقدسؒ تقریر فرما رہے تھے - تقریر کا موضوع " اِنسان کے ظاہر و باطن میں یکسانیت " تھا - اس جلسہ میں ایک جمِ غفیر آپکی تقریر سُننے کیلئے جمع تھا - اور ایک طبقہ طوائف کا بھی ایک طرف میں بیٹھا ہوُا تھا - حضرتؒ نے دوران تقریر گروہ طوائف کیطرف اشارہ کرتے ہُوئے فرمایا - کہ یہ طوائف ہم سے بدرجہا بہتر ہیں کہ ان کا ظاہر و باطن ایک ہے - یہ ریاکار نہیں بلکہ اپنے اعمال پر نادم رہتی ہیں - لہجہ اِسقدر دِلگداز تھا کہ تمام طوائف پر شدید رقت طاری ہو گئی - اور ان سب نے بچشمِ گریاں صدقِ دِل سے آپؒ کے دستِ مبارک پر بیعت کی اور اپنا کسب چھوڑ کر نکاح پڑھوا لئے اور گھر گرہستی کی زندگی گذارنے لگیں -
اِسی نوعیت کے کچھ اور واقعات حضرتؒ کی مُلتان میں تقاریر کے سلسلہ میں آئندہ صفحات میں آپ کے " تصرفات و کرامات " کے تحت درج کئے گئے ہیں -

صاحبِ ذوق لوگوں کا ہجوم رہتا - گرمیوں کا موسم ہوتا تو بیٹھک کے باہر وسیع میدان میں چارپائیاں دُور تک بچھی ہوتیں - بیشمار مریدین حاضر ہوتے اور آپؒ کے کلام سے مستفیض ہوتے - یہ منظر دیدنی ہوتا - انوار و برکات کی بارشیں ہوتی نظر آتیں -

مشہور قوال فتح علی خاں مبارک علی خاں کو آپؒ کی آمد کا پتہ چلتا تو کشاں کشاں حلقۂ خدمت ہوتے - مجالسِ سماع منعقد ہوتیں - آپؒ جذب کی کیفیت میں رہتے اور حاضرین پر کیف و سرور طاری رہتا - مَیں نے اِن مجالس میں عربی اور فارسی کا بلند پایہ کلام بھی سُنا ہے - اور جو کیف و وجدان نصیب ہوتا تھا - وہ آج تک کسی مجلس میں نصیب نہیں ہوُا -

(۵) ایک صاحبِ تصرف درویش کامل حضرت بابا سائیں میراں شاہ صاحب قادری قدس سرہٗ (دسوہہ شریف والے جو ماسٹر رحیم بخش صاحب کے مرشد تھے) حضرت مولاناؒ کے زمانہ ہی سے جالندھر تشریف لاتے تھے - باباجیؒ اکثر حضرت مولاناؒ کی جالندھر آمد پر ان سے ملنے آتے - دونوں بزرگ ایکدوسرے سے والہانہ عقیدت و محبت رکھتے تھے - اِن کی شرکت سے مجالس کا ایک مخصوص رنگ ہوتا تھا - حضرت مولاناؒ بھی اکثر دسُوہہ شریف باباجیؒ کے سالانہ عرسوں پر تشریف لے جاتے - جالندھر اور دسُوہہ شریف کے عُرسوں پر جو مجالس ہوتیں - ان میں حضرت مولانا صاحبؒ - باباجیؒ اور ماسٹر رحیم بخش صاحب کی شرکت میں وجد و سُرور کی کیفیات بیحد مستی لئے ہوتیں - ماسٹر صاحب - باباجیؒ اور مولانا صاحبؒ فنِ موسیقی میں بڑی دلچسپی اور درک رکھتے تھے - اکثر مجالسِ سماع میں فتح علی خاں مبارک علی خاں کو تال و طرزیں ان کی رہنمائی کرتے اور موسیقی کی طرزیں سکھایا کرتے تھے - اِن قوالوں نے اپنے زمانہ میں فنِ قوالی میں جو جدّت پیدا کی اور عالمگیر شہرت پائی - وہ اِنہی بزرگوں کے فیضِ صحبت اور روحانی توجہ کی مرہونِ منت ہے -

(۶) دسُوہہ شریف میں سالانہ عُرسوں کے مواقع پر ان بزرگوں کی شرکت میں - مجالس وعظ و میلاد پاک اور سماع منعقد ہوتیں - جن میں علم و عرفان کے انوار کی بارشیں ہوتیں - دسُوہہ شریف میں حضرت مولانا اپنے مرید مولانا دولت علی صاحب کے ہاں بھی قیام فرماتے اور ان کے بھائی مولوی عبدالغنی صاحب سے بھی آپؒ کے گہرے روابط تھے -

دسوہہ شریف میں حضرت مولانا صاحبؒ کے قیام کا ایک واقعہ خلیفہ محمد صدیق صاحب ناصری نے یوں بیان کیا ہے :-

"ایکمرتبہ حضرت مولانا صاحبؒ دسوہہ شریف عرس کے موقع پر اقامت پذیر تھے۔ چھوٹی مائی صاحبہ اور بچے بھی ساتھ تھے۔ بقضائے الٰہی آپ کا ایک صاحبزادہ کا انتقال ہوگیا۔ آپ نے حضرت خلیفہ صاحب کو جالندھر میں پیغام بھیجا۔ کہ قوالوں کو لے کر آجاؤ۔ خلیفہ صاحب نے فتح علی قوال کو بلاکر حضرت اقدسؒ کا پیغام سنایا۔ دونوں حیران تھے کہ اس سانحہ پر آپ کا قوالوں کو بلانے کا مقصد کیا ہوسکتا ہے؟ مگر یہاں چون و چرا کی گنجائش نہ تھی۔ حسب الحکم خلیفہ صاحب قوالوں کو ساتھ لیکر دسوہہ پہنچ گئے۔ تو جنازہ قبرستان لیجایا جاچکا تھا۔ قوالوں کو ایک مکان پر ٹھہرا کر خلیفہ صاحب قبرستان پہنچے۔ کفن دفن سے فارغ ہوکر حضرت اقدسؒ نے خلیفہ صاحب سے فرمایا۔ کہ "قوالوں کو لے آؤ" پھر آپ سب احباب کو لے کر مولوی دولت علی صاحب کے مکان پر چلے گئے۔ وہاں محفلِ سماع منعقد ہوئی۔ آپؒ پر جذب اور رقت کی شدید حالت طاری رہی۔ سماع کے بعد دعا فرمائی اور کھانا کھایا۔ اللہ اللہ کسقدر صبر و ضبط اور رضائے الٰہی پر صابر و شاکر تھے۔

(۷) جالندھر شہر میں حضرت مولانا ولی محمد صاحبؒ[۱] ایک بزرگ اور بلند مرتبہ عالم اور مناظر گذرے ہیں۔ ان کے پایہ کا دور دور تک کوئی عالم نہ تھا۔ ان کے متبحر عالم اور مناظر ہونے کی ایک بین دلیل ہے کہ مدینہ شریف میں آپ کا ایک بڑے غیر مقلد مناظر سے عربی زبان میں مناظرہ ہوا۔ جس میں آپ نے مخالف گروہ کو شکست فاش دی تھی ~~اس~~ اس اعزاز میں عرب حکومت نے آپکو "شمس العلماء" کا خطاب دیا۔ اور خلعت فاخرہ عطا کی۔ یہ خلعت عرب حکومت کی طرف سے جالندھر میں کوٹ عبدالکریم میں عبدالکریم خاں کے بیتہ پر بھیجی تھی۔
حضرت اقدسؒ جب جالندھر تشریف لائے۔ تو مولانا ولی محمد صاحب سے ملاقات کیلئے گئے۔ دونوں حضرات ایکدوسرے سے علمی مسائل پر گفتگو کرکے بیحد خوش ہوئے۔ اور ان کی اکثر و بیشتر ملاقاتیں ہوتیں۔ حضرت اقدسؒ مولانا ولی محمد صاحبؒ کا اکثر ذکر فرماتے اور فرماتے۔ کہ "آپکے پایہ کا عالم آج تک نہیں دیکھا۔"

(۱) مولوی ولی محمد صاحب اہلسنت والجماعت کے ایک جلیل القدر مناظر تھے۔

(۸) حضرت مولانا گرامیؒ ہوشیارپوری ایک بلند مرتبہ اور مشہور و معروف اردو فارسی کے شاعر تھے۔ اور عالمگیر شہرت کے مالک تھے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ علامہ اقبالؒ اُن سے اصلاح لیا کرتے تھے۔ گرامی صاحب حضرتِ اقدسؒ سے بیحد متاثر تھے۔ اکثر جالندھر میں حضرتِ اقدسؒ سے ملاقات کے لئے آیا کرتے تھے۔ حضرت اقدسؒ اکثر فرمایا کرتے کہ مولانا گرامیؒ کے کلام میں بڑا سوز ہے۔ حضرت اقدسؒ مندرجہ ذیل رباعی اکثر سنایا کرتے جو آپ کی فرمائش پر مولانا گرامیؒ نے سرکار دو عالم صلعم کی شان میں برجستہ کہی تھی ؎

رباعی

خاور دمید از رُخم بایں تیرہ شبی
کوثر چکد از لبم بایں تشنہ لبی
اے دوست ادب کہ در حریمِ دلِ ما
شاہنشہِ انبیاء رسولِ عربی

(۹) مشہور و معروف صوفی شاعر حضرت بیدم شاہ صاحب وارثیؒ دو تین دفعہ جالندھر میں بغرض علاج تشریف لائے اور کئی کئی ماہ ماسٹر رحیم بخش صاحب کے پاس ٹھہرے۔ بیدم وارثی کی ملاقات حضرت اقدسؒ سے ہوئی تو وہ بڑے متاثر ہوئے۔ حضرت مولاناؒ بیدم وارثی اور ماسٹر صاحب کی مجالس میں فتح علی خاں۔ مبارک علی خاں حضرت بیدم شاہ صاحب کا عارفانہ کلام پیش کرتے۔ تو محفل پر عجیب کیفیت طاری ہوتی۔ ان مجالس سماع میں حیرت شاہ صاحب وارثی مرحوم، اور اکبر شاہ وارثی مرحوم بھی شرکت کرتے۔ حضرت مولاناؒ بے خودی کے عالم میں گم رہتے اور بحالتِ سوز و گداز کلام فرماتے جس سے سامعین پر محویت طاری ہوجاتی۔ ان بزرگوں کی مجالس کی کیفیات بیان کرنا میرے بس کی بات نہیں۔ مگر نہ ہی ایسی مجالس اور نہ ہی ایسے احوالِ جذب و کیف آجتک دیکھنے نصیب ہوئے ہیں۔

(۱۰) ۱۹۲۶ء سے ۱۳۵۰ھ - ۱۹۳۰ء تک کے عرصہ میں حضرت اقدسؒ کی شہرت اور فضیلت علمی کا چرچا جالندھر اور نواحی اضلاع میں بامِ عروج تک پہنچ چکا تھا۔ آپؒ جب بھی جالندھر تشریف لاتے تو شہر کے مختلف علاقوں اور محلوں میں آپ کی مجالسِ وعظ منعقد ہوتیں۔ ان جلسوں میں آپؒ خاص طور پر بزرگانِ دین اور صوفیائے کرام کی زندگیوں پر تقاریر فرماتے۔ تقویٰ و طہارتِ ظاہری و باطنی۔ تزکیۂ نفس۔ اسلام کے ظاہری و باطنی اعمال۔ اخلاقِ حسنہ۔ خوش خلقی وغیرہ کی خوبیاں بیان فرماتے۔ لوگ بیحد متاثر ہوتے اور جوق در جوق آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوتے۔

آپ کا سراپا۔ اوصافِ حمیدہ اور شخصیت کا سحر (بالاختصار)

حضرت اقدسؒ بے حد وجیہہ و شکیل۔ دراز قامت۔ متناسب الاعضا۔ سُرخی مائل گندم گوں رنگت۔ دلکش و روشن چہرہ جمال و جلال کی جھلک لئے ہوئے۔ شخصیت میں شاہانہ وقار اور دبدبہ و ہیبت کے باوجود آپؒ نہایت حلیم الطبع اور منکسر المزاج تھے۔ خوش گفتاری و خوش خلقی کے ساتھ طبیعت میں حد درجہ سنجیدگی و متانت پائی جاتی تھی۔ نرم خو۔ ذوقِ سلیم اور نفاستِ طبع کے مالک تھے۔

مشفقوں کے مشفق۔ محبوں کے محبّ۔ غمزدوں اور بے چاروں کے غمگسار و چارہ گر۔ جود و سخا کے مخزن۔ لطف و عطا کے معدن۔ اخلاص و ایثار کے پیکر۔ بے سہاروں اور مجبوروں پر مہربان۔ متکبروں اور ظالموں کے لئے قہرِ الٰہی۔ شجاعت و شہامت کے شہنشاہ۔ حق گوئی آپ کا شیوہ۔ سادگی اور استغناء آپؒ کا طرۂ امتیاز تھا۔ آپ بیحد سخی تھے۔ جو کچھ پاس ہوتا حاجتمندوں میں تقسیم فرما دیتے اور اپنے پاس کچھ نہ رکھتے۔ دنیوی آسائشوں اور ضروریاتِ زندگی سے بے نیاز رہتے تھے۔

آپ کے کلام میں غایت درجہ شیرینی اور دلکشی تھی۔ کہ دل آپ کی طرف کھنچے جاتے۔ آپ کی قرأتِ قرآنی نہایت وجد آفرین تھی۔ نماز میں تلاوت فرماتے تو فیضانِ کلامِ ربانی سے نور و عرفان کی بارش ہوتی۔ اور مسجد کے در و دیوار رقص کرتے نظر آتے اور مقتدیوں پر وجد و سرور کا عالم طاری ہو جاتا۔ نماز کے بعد دعا کیلئے ہاتھ اٹھاتے تو آپ کا لہجہ بیحد رقت آمیز ہوتا۔ اور تضرع و زاری سے بارگاہِ ایزدی میں اپنی التجائیں اور تمنائیں بیان فرماتے۔ کہ دل پھڑک اٹھتے۔ اور ہاؤ ہو کا شور برپا ہو جاتا۔ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت اقدسؒ کے بارہ میں مشاہیر و زعمائے ملت کے تاثرات

اس صدی کے پہلے ربع میں برصغیر کے بیشمار اخبارات و رسائل میں حضرت مولانا نواب الدینؒ حسینی جہانگیری کی دینی ملی اور سیاسی خدمات کے اعتراف میں متعدد مضامین شائع ہوئے۔ نیز فتنۂ مرزائیت کے خلاف آپ کے جہاد اور فتوحات کا تذکرہ رسائل اور بڑے بڑے پوسٹروں کی شکل میں منظرِ عام پر آیا۔ اس وقت ان معلومات کا حاصل کرنا ایک دشوار کام ہے۔ تاہم مشاہیر و زعمائے ملت کے حضرتؒ کے بارہ میں تاثرات جو مستند روایات سے ملے ہیں درج ذیل کئے جاتے ہیں:-

قائدِ اعظم حضرت محمد علی جناحؒ کے تاثرات

تحریکِ پاکستان کی حمایت میں حضرت مولاناؒ نے حضرت قائدِ اعظم حضرت محمد علی جناحؒ۔ شہیدِ ملت جناب لیاقت علی خاں۔ نواب ممدوٹ۔ سردار عبدالرب نشتر وغیرہم کے شانہ بشانہ برصغیر میں طوفانی دورے کئے اور اپنی تقاریر میں قیامِ پاکستان کیلئے عوام کو آل انڈیا مسلم لیگ کو کامیاب بنانے کیلئے اپیلیں کیں۔ آپ کی خدمات کے اعتراف میں حضرت قائدِ اعظمؒ نے ارشاد فرمایا تھا: کہ

"ایسے برگزیدہ شخص کا قیامِ پاکستان کی حمایت کرنا ہمارے لئے کامیابی اور فتح کی دلیل ہے اور اب یقیناً پاکستان بن کر رہے گا۔"

جناب طارق اسماعیل صاحب

چیف رپورٹر روزنامہ نوائے وقت لاہور" اپنی کتاب "پنجاب ان پالیٹکس" میں تحریر فرماتے ہیں کہ "پنجاب بھر میں مسلم لیگ کی کامیابی کا دار و مدار صرف اور صرف مولانا نواب الدین صاحبؒ کی علمی و روحانی خداداد قوت اور بے پناہ اثر و رسوخ اور شعلہ نوا خطابت کا مرہونِ منت ہے۔"

نیز کچھ عرصہ پیشتر طارق صاحب نے روزنامہ نوائے وقت میں "آخری عید" کے تحت حضرتؒ کی قیامِ پاکستان کے سلسلہ میں مجاہدانہ خدمات کو یوں بیان کیا ہے:-

سکھوں کی کرپانوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تلواریں

میرا آبائی گاؤں "اعوان" ضلع امرتسر میں واقع ہے۔ تحصیل اجنالہ میں یہ گاؤں قصبہ رمداس سے

حرف پون میل پر واقع ہے۔ رمداس کے سنگھم میں ڈیرہ بابا نانک سکھوں کا متبرک مقام ہے۔ اِسی علاقہ میں ہمارے گاؤں کے علاوہ نواح میں جتنے دیہات آباد تھے اِن میں مُسلمانوں کے مقابلے میں سکھوں کی آبادی بہت زیادہ تھی۔ غیر مسلموں حتیٰ کہ عیسائیوں کے ایسے تعلیمی ادارے قائم تھے جن میں مسلمان بچے زیرِ تعلیم تھے۔ جس پر علاقہ کے اہلِ درد مُسلم حضرات نے رمداس میں ایک ہائی سکول قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ مشہور لغت گو حافظ مظہر الدین کے والدِ محترم اور مرحوم روزنامہ کوہستان کے مدیر نسیم حجازی کے خسر حضرت مولانا نواب الدینؒ نے اِس علاقے میں تحریکِ پاکستان کیلئے بلاشبہ قائدانہ کردار ادا کیا۔ حافظ جماعت علی شاہ علی پوری کے مُریدین کی اس علاقہ میں بہت زیادہ تعداد تھی۔ جنہیں شاہ صاحب نے تحریکِ پاکستان کیلئے کام کرنے کی ہدایات دے رکھی تھیں۔ مولانا نواب الدینؒ کی تحریک پر رمداس کے ایک درد مند مُسلمان قدرت اللہؒ نے رمداس میں اِسلامیہ ہائی سکول کے قیام کیلئے چندہ جمع کرنے کی ذمہ داریوں کا بیڑہ اُٹھایا۔ اُنہوں نے اس کام کیلئے جسقدر جدوجہد کی اِس پر نہ صرف اِس علاقے میں بلکہ دیگر اضلاع کے مسلمانوں نے شاندار عملی تعاون کا مظاہرہ کیا۔ اس ہائی سکول کے لئے دکن کے نظام الملک نے بھی مالی معاونت کی تھی۔ جس پر اس سکول کا نام اِسلامیہ عثمانیہ ہائی سکول رمداس رکھا گیا۔ یہ ہائی سکول دراصل خالصہ ہائی سکول رمداس کے مقابلہ میں قائم کیا گیا تھا۔ سکھوں کے سکول کے ساتھ گوردوارہ تھا جس کے سامنے وُہ جامع مسجد تھی جس میں حضرت مولانا نواب الدینؒ خطبہ دیا کرتے تھے۔

مولاناؒ کا خُطبہ جمعہ سُننے کے لئے رمداس اور نواحی دیہات کے مسلمان بڑے جوش وخروش سے حِصّہ لیتے۔ سِکھوں کی کرپانوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تلواریں جب نیام سے نکلتیں۔ تو مُسلمانوں کے جوشِ جہاد کے سامنے ان کی کوئی پیش نہ جاتی۔

جناب مولانا حکیم سید نعیم الدین صاحبؒ مراد آبادی

(جو تحصیلِ علوم کے سلسلہ میں دھلی میں حضرت مولانا کے ہمدرس رہے ہیں) نے حضرت مولانا کی وفات پر مدرسہ حزب الاحناف کے سالانہ جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے زار زار رو کر فرمایا۔ کہ "لوگو! مولانا نواب الدین صاحبؒ نے تو جہاد فرمایا۔ ساری زندگی اپنے ہاتھوں سے۔ قلم سے لکھ کے۔ علم سے

خطابت سے۔ اصل مُجاہد تو وُہ تھے۔ ہم تو اُن کی گرد کے ہزارویں حِصّہ کے برابر بھی نہیں" اور بے تحاشا روتے جاتے تھے۔ (بروایت صاحبزادہ عبود الحسن صاحب جو جلسہ میں موجود تھے)

جناب سید عبد المعبود صاحب مدظلہ گیلانی (گلگت والے)

فرماتے ہیں کہ "میاں وُہ (مولاناؒ) تو صاحبِ کمال جید عالم و پیرِ طریقت تھے۔ اور ہر میدان کے رہبر و اُستاد تھے۔

امیرِ ملت حضرت سید پیر جماعت علی شاہ صاحب محدثِ علی پوری علیہ الرحمۃ

جناب صوفی فضل حسین صاحب نے روایت کی ہے۔ کہ حضرت اقدسؒ کے انتقال کے چند یوم بعد حضرت مولانا غلام ربانی صاحب دام فیوضہ کے رُوبرو حضرت پیر سید جماعت علی شاہ صاحبؒ محدث علی پوری نے بستی نو جالندھر میں بشدت روتے ہوئے فرمایا تھا۔ کہ "حضرت مولانا نواب الدین صاحبؒ تو اِسلام کے شیرِ ببر تھے۔ وُہ درجہ محبوبیت پر فائز تھے۔ عالمِ باعمل۔ صاحبِ کمال ولی اور عظیم ترین مناظرِ اسلام تھے۔ اُن کے وصال سے جو عظیم خلا پیدا ہو گیا ہے۔ اب وہ کبھی پُر نہ ہو سکے گا۔ کیونکہ کفار بالخصوص انگریز حکومت کے پٹھو اور نام نہاد گمراہ کُن ٹولے تو ان کا نام سُنکر ہی دبک جاتے تھے۔ اُن کے سامنے کسی کو دَم مارنے کی مجال نہ تھی۔"

جناب مولانا عبد الستار خان نیازی صاحب مدظلہ

فرماتے ہیں کہ "مَیں نے ساری زندگی میں حضرت مولانا نواب الدین صاحبؒ سے بڑھ کر زبردست شُعلہ نوا خطیب اور جید عالم نہیں دیکھا۔"

حضرت سید مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب بُخاریؒ

کے ایک عزیز روایت کرتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحبؒ اکثر کہا کرتے تھے۔ کہ "میں نے ساری عمر کوشش کی۔ کہ مَیں علم و خطابت اور اثر و رسوخ میں آپ (حضرت مولاناؒ) کا توڑ

کر سکوں، لیکن میں ان کے ناخنوں سے لیکر سر کے بالوں تک کوشش کی۔ مگر رائی برابر کامیابی حاصل نہ کر سکا۔"

مشہور ادیب و عظیم ناول نگار جناب نسیم حجازی صاحب مدظلہٗ

فرماتے ہیں کہ "میں نے ساری زندگی میں ان (حضرت مولانا رح) جیسا بڑا اجید اور صاحب کمال عالم باعمل نہیں دیکھا۔ وہ بہت بااثر۔ بارعب۔ زبردست مناظر۔ بہادر و دلیر۔ ولیِ کامل اور پیر۔ زبردست خوبیوں کے مالک۔ نہایت باوقار و خوبصورت انتہائی سنجیدہ مزاج اور بے ریا شخص تھے۔"

شمس العلماء حضرت مولانا ولی محمد صاحب رح جالندھری

(جنہیں عرب حکومت کی طرف سے شمس العلماء کا خطاب اور خلعت ... ملا تھا) نے ایک ملاقات میں حضرت اقدس رح سے فرمایا تھا کہ "مجھے ڈر تھا۔ کہ میرے بعد جالندھر سے علم رخصت ہو جائے گا۔ لیکن آپ سے مل کر یقین ہو گیا ہے۔ کہ میرے بعد آپ رح جالندھر میں علم و عرفان کی شمع مزید روشن کریں گے۔" یہ ایک حقیقت ہے کہ مولانا ولی محمد صاحب رح کے بعد جالندھر میں حضرت اقدس رح کے علم و عرفان کا عظیم شہرہ ہوا۔

حضرت مولانا مست جمال صاحب مدظلہٗ (ساہیوال)

فرماتے ہیں کہ "حضرت علامہ نواب الدین صاحب رح عالم جوانی میں ہی ایک متبحر اور جید عالم۔ زبردست مناظرِ اسلام اور شعلہ بیان خطیب تھے۔ آپ نے پورے برصغیر میں زبردست شہرت حاصل کر لی تھی۔ آپ بیحد نڈر۔ بے باک اور حق گو خدا پرست تھے۔ آپ کو انگریزی۔ عربی۔ فارسی۔ پشتو۔ ھندی اور اردو ادب پر مکمل عبور تھا۔ اور آپ ان زبانوں کے بلند پایہ شاعر بھی تھے۔ مثنوی مولانا روم رح کے تو حافظ تھے۔ بڑے ہی خوش الحان تھے۔ علمِ فقہ کے تو امام تھے۔ نہایت ہی بے ریا اور بارعب شخصیت کے مالک تھے۔

آپ رح تو ہر میدان کے شاہباز و شاہسوار تھے۔ زبردست صاحب تقویٰ۔ کامل ولی بلکہ اکمل ترین منصب ولایت پر فائز تھے۔

جناب ابوالاثر حفیظ جالندھری مدظلہٗ

جناب صاحبزادہ حافظ مظہر الدین صاحب مدظلہٗ کے ایک مجموعۂ کلام "شمشیر و سناں" کے دیباچہ میں جناب حفیظ جالندھری اپنے پیر و مرشد حضرت مولانا رح صاحب کے حضور مندرجہ ذیل الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں:۔

"مظہر اس شاہراہ پر گامزن ہے جو مولانا حالی اور علامہ اقبال مرحوم نے شعرائے ملت کے لئے تیار کی ہے۔ لیکن اس پر چلنے کے لئے جس بصیرت کی ضرورت ہے وہ اس کی ذاتی ہے۔ مظہر صاحب مولانا نواب الدین صاحب قدس سرہٗ کے فرزند ارجمند ہیں ان کے والد ایک ولیِ کامل۔ ایک عارف باللہ۔ ایک عالم باعمل اور جذب و سلوکِ تصوف کے ایسے جید پیکر تھے۔ جن کا مثیل آج نظر نہیں آتا۔ اپنی زندگی کے ابتدائی مراحل میں مجھے بھی چند ساعت اس شجرِ معرفت کے سایہ تلے آسودہ ہونے اور ایک کیفیت سے بہرہ ور ہونے کا شرف ملا ہے۔ وہ کیفیت جو حبِ رسول صلعم بن کر میرے خون اور روح میں جاری و ساری ہے۔ اور انشاء اللہ ہمیشہ رہے گی۔ مظہر اسی شجر کا ثمر ہے۔ اسی جذبِ نظر کا اصل وارث۔ میرے پیر و مرشد کا فرزند۔"

حضرت امام احمد رضا خان صاحب بریلوی رح

کے ایک نواسے روایت کرتے ہیں کہ ان کے نانا اکثر حضرت علامہ نواب الدین رح کے بارہ میں فرمایا کرتے تھے کہ آپ رح شیرِ پنجاب و فاتحِ پنجاب اور سیف الاسلام تھے۔ اور فرمایا کرتے کہ ان کو کوئی شکست نہیں دے سکتا"

جناب مولانا عبدالحق صاحب رضوی

چیئرمین بلدیہ خانیوال فرمایا کرتے ہیں کہ حضرت مولانا نواب الدین صاحب رح تو بڑے واجب الاحترام بزرگ جید عالم باعمل اور ولیِ کامل تھے۔ ان جیسا متبحر عالم اب شاید ہی پیدا ہو۔ آپ بڑے جراتمند اور دلیر تھے

حضرت مولانا شاہ احمد نورانی صاحب مدظلہ

اکثر فرمایا کرتے ہیں ۔ کہ حضرت مولانا نواب الدین چشتی رح ایک جید ترین متبحر عالم باعمل اور تربیت میں بہت باثر پیرِ طریقت اور راہبر اہلسنت اور ولی کامل تھے ۔ اُن کے دینی ۔ قومی اور ملی کارنامے سنہری حروف سے لکھے جانے چاہئیں ۔ اُن کے شاندار اور حیرت انگیز مجاہدانہ کارنامے ہمارے لئے مشعلِ راہ ہیں ۔ وہ برِصغیر میں تحریکِ خلافت و شہید گنج اور تحریکِ تحفظِ مقامِ مصطفیٰ کے روحِ رواں تھے ۔ اور ایک عظیم ترین قائد تھے ۔

سید محمد عیسیٰ قادری صابری قلندر بیابانی احرام پوش

(المعروف بابا تلوار شاہ صاحب جو بہار ہائی کورٹ کے چیف جسٹس تھے ۔ اور اب ملتان میں شاہ شمس تبریزی رح کے دربار میں مقیم ہیں) اکثر فرماتے ہیں کہ " حضرت مولانا قبلہ نواب الدین صاحب رح سرکار غوث الاعظم جیلانی قدس سرہٗ اور حضورِ پرنور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں ہر وقت حضوری میں رہتے ہیں " ۔ نیز فرماتے ہیں ۔ " کہ آپ رح غوثِ زمانہ ۔ محبوبِ خدا ۔ قطب الارشاد اور حضور ص کے منظور و محبوب تھے " ۔

جناب حکیم مولانا اسد نظامی صاحب مدظلہ

(مقیم جہانیاں تحصیل خانیوال) نے بیان کیا ۔ کہ " مجھے حضرت خضر علیہ السلام نے خواب میں فرمایا ۔ کہ پنجاب میں دو ہستیاں بڑی اولوالعزم اور بلند پایہ ہیں ۔ اِن کو پہچان لو ۔ یہ حضرت مولانا نواب الدین صاحب رح اور حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحب رح ہیں ۔ جو کہ ہر وقت سرکارِ دو عالم ص کی حضوری میں رہتے ہیں ۔

حضرت علامہ سید عارف اللہ قادری (مرحوم)

اکثر فرمایا کرتے تھے کہ آپ (حضرت مولانا رح) تو امام المناظرین والعلماء تھے زبردست صاحبِ کمال ولی اور باثر پیرِ طریقت تھے ۔

فقیہہ اعظم مولانا محمد شریف محدث مدظلہٗ کوٹلی لوہاراں

فرماتے ہیں کہ میں نے ساری زندگی مولانا نواب الدین صاحب رح جیسا حاجی دار و بہادر ۔ دلیر و جرأت مند اور باثر پیر و عالم نہیں دیکھا ۔ وہ نہایت بے ریا پیرِ کامل و جید ترین عالم باعمل ۔ اور بارعب و باوقار صاحبِ کمال ولی تھے "۔

ابو النور مولانا محمد بشیر مدظلہ کوٹلی لوہاراں (سیالکوٹ)

فرماتے ہیں کہ " مولانا نواب الدین صاحب رح تو صاحبِ کمال ولی تھے ۔ اُن جیسا باثر بارعب پیرِ کامل نہیں دیکھا ۔ بہت بڑے عالم بلکہ امام العلماء تھے ۔ اور امام العارفین کہوں تو بے جا نہ ہوگا ۔ نہایت جرأت مند ۔ دلیر ۔ بے باک ۔ و نڈر اور خطیبِ اعظم تھے ۔ بڑے وجیہہ و خوبصورت تھے "۔

حضرت مولانا علامہ سید سعید احمد شاہ صاحب کاظمی مدظلہ (مقیم ملتان)

فرماتے ہیں ۔ کہ " آپ (مولانا صاحب رح) تو مناظرِ اعظم و خطیبِ اعظم اور جید عالمِ باعمل تھے ۔

مولانا مفتی غلام سرور قادری ملتانی صاحب مدظلہ (مقیم گلبرگ لاہور)

(جو مدرسہ نظامیہ کے مدرس اعلیٰ ہیں) فرماتے ہیں ۔ کہ " حضرت مولانا نواب الدین صاحب رح تو زبردست صاحبِ کمال ولی اور عالمِ باعمل تھے "۔

حضرت پیر سید مخدوم صدر الدین شاہ صاحب گیلانی رح

سجادہ نشین درگاہ حضرت موسیٰ پاک شہید ملتان (وصال ۱۹۴۶ء) سے حضرت اقدس رح نے اپنی دستارِ مبارک بدلی ہوئی تھی ۔ یعنی پگڑی بدل بھائی بنے تھے ۔ ساری عمر بڑی پیار و

محبت رہی۔ سید صاحب کی آل و اولاد ابتک حضرت اقدسؒ کو دادا- ابا- نانا اور ابا حضور کے نام سے یاد کرتے تھے۔

جنابِ دیوان سید محمد صاحب مدظلہ

سجادہ نشین درگاہ عالیہ پاکپتن شریف سے حضرت اقدسؒ کے بہت گہرے اور برادرانہ مراسم و تعلقات تھے۔

پروفیسر چوہدری پیر کرم شاہ صاحبؒ قادری علیگ

(مدراسی۔ مدفون ملتان) نے اپنی تالیف "تذکرہ کریمیہ" میں تحریر فرمایا ہے کہ "مولانا علامہ نواب الدین صاحبؒ چشتی بہت بڑے عالم باعمل۔ جرأت مند۔ دلیر و بہادر۔ پیر طریقت۔ مبلغ اسلام۔ سیاحِ عالم۔ پیر کامل اور عارف باللہ تھے۔ بے باک و نڈر مقرر تھے۔ ان کے پایہ کا بااثر پیر و عالم نہیں دیکھا۔"

حضرت علامہ مولانا ڈاکٹر سید عبد القادر خطیب جامع مسجد لندن

(پی۔ ایچ۔ ڈی۔ بار ایٹ لاء۔ فاضل جامع الازہر و جامع مدینہ یونیورسٹی راولپنڈی)

اکثر فرماتے ہیں۔ کہ "قبلہ حضرت مولانا نواب الدین چشتیؒ تو انٹرنیشنل مبلغ اسلام و سلطان المناظرین تھے۔ آپ جید عالم باعمل۔ پیر طریقت اور ولی اللہ تھے۔ علم و عرفان کی منازل کی انتہا کو پہنچے ہوئے بزرگ تھے۔ ان کا حلقۂ ارادت بڑا وسیع تھا۔"

حضرت مولانا محمد سلیم (اسماعیل چشتی امرتسری)

فرماتے ہیں۔ کہ "قبلہ حضرت مولانا نواب الدین صاحبؒ چشتی کی کتاب "پیغام حق" کے مطالعہ سے مجھے یہی تاثر ملا ہے۔ کہ مولانا علیہ الرحمۃ علوم اسلامیہ قدیم و جدید کے بڑے زبردست سکالر۔ امام العارفین اور سلطان المناظرین تھے۔"

حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب چشتی نظامی ملتانی

اکثر فرماتے ہیں کہ "حضرت قبلہ مولانا نواب الدین صاحبؒ چشتی تو امام العلماء، شمس العارفین۔ سلطان المناظرین۔ متبحر و جید عالم باعمل، بااثر پیر طریقت۔ کامل ولی اور امام المتکلمین تھے۔ آپ جیسا مقرر اور بلند پایہ خطیب زندگی میں نہیں دیکھا۔"

(مولانا اسماعیل صاحب مدظلہ کی عمر اسوقت ۱۳۵ سال ہے۔)

حضرت اقدسؒ کے تصرفات و کشف و کرامات اور احوالِ عجیبہ و غریبہ کے بارہ میں

اولیائے کرام سے ایسی ایسی محیر العقول کرامات و خوارق عادات ظہور میں آئی ہیں کو بعض کوتاہ بین۔۔۔ محض داستان طرازی اور قصہ کہانیاں کہکر انہیں رد کر دیتے ہیں یہ سراسر ان لوگوں کی نا سمجھی ہے۔ معجزہ و کرامات ایسے خوارق عادات کی تعبیر میں آتے ہیں جو بغیر کسی اسباب ظاہری کے اور خلافِ عادتِ جاریہ نبی اور ولی سے صادر ہوں۔ جسے عقلِ انسانی سمجھنے سے عاجز و قاصر ہو۔ اگر دیکھا جائے تو دنیا میں آئے دن عام انسانوں کے ساتھ بھی ایسے ایسے محیر العقول واقعات پیش آتے ہیں۔ جن کی بابت عقلِ انسانی کوئی توجیہہ پیش نہیں کر سکتی۔ اور نہ ہی اس کو رد کر سکتی ہے۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ و مقبول بندوں کے بارہ میں یہ رد و قدح کیوں؟

کرامات جمع ہے کرامت کی۔ اور کرامت ایسے خارقِ عادت فعل کو کہتے ہیں۔ جو نبی کے متبع اولیاء اللہ سے صادر ہو۔ "کرامات الاولیاء حق" (اہل السنۃ)

کرامات کا وقوع ہونا حق و جائز ہے۔ اس کا ثبوت کتاب و سنت سے اور تواتر اخبارِ صحابہؓ وغیرہم سے پایا جاتا ہے۔ اگرچہ کرامت کا سرزد ہونا ولی کی ولایت کی دلیل نہیں برخلاف معجزہ کے کہ اس کا صدور نبی کی نبوت کیلئے دلیل ہے۔ البتہ ولی متبعِ سنت ہے

کرامت کا صدور اس کی مقبولیت اور بزرگی کی دلیل ہے۔

(اس کتاب کے حصہ اول کے شروع میں "مقدمہ" کے تحت اس مسئلہ پر کتاب و سنت اور اکابر اولیائے کرام کے حوالہ سے تفصیلی بحث کی گئی ہے)

حضرت اقدس علیہ الرحمۃ سے بیشمار کرامات سرزد ہوئیں۔ کچھ کرامات "فتنۂ مرزائیت کے ردّ و ابطال" کے تحت پچھلے صفحات میں مذکور ہیں۔ چند ایک مزید جو مستند ذرائع سے جمع کی جاسکیں درج کی جاتی ہیں۔ حضرت اقدس کی کرامات و تصرفات احوالِ عجیبہ میں کئی دفتر بن جاتے۔ اگر یہ تذکرہ آج سے تیس چالیس پہلے لکھا ہوتا کیونکہ حضرت اقدسؒ کے اصحاب قدیم اور پرانے ارادتمند آج اس دنیا سے پردہ کر چکے ہیں۔ جن سے کافی روایات مل سکتی تھیں۔ بہرحال جو کچھ احوال بھی مل سکے غنیمت ہیں۔

مُردہ چڑیا کو دم کر کے زندہ کرنا

(۱) حضرت مولانا سید عبد المعبود گیلانی مدظلہٗ سے روایت ہے کہ حضرت مولانا محمدؒ کے ساتھ بہاولپور میں مقیم تھا۔ کہ چند عیسائی پادری اور قادیانی اکٹھے ہو کر آئے۔ اور حضرت اقدسؒ سے کہنے لگے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو مُردے زندہ کر دیا کرتے تھے۔ آپ کے نبیؐ نے بھی کوئی مُردہ زندہ کیا؟ یہ سن کر آپؒ نے ایک چڑیا ذبح کروائی۔ اور تسبیح پر ۲ بار یہ پڑھا۔ "ہمارے نبیؐ کی تو بہت بڑی شان ہے۔ اُن کے غلاموں کے غلاموں کی یہ شان ہے۔" اور مُردہ چڑیا پر دم کر دیا۔ تو مُردہ چڑیا کا سر فوراً دھڑ سے مل گیا۔ اور وہ اُڑ گئی۔"

آپؒ کے ایک نومسلم مُرید[ع۱] پر آگ کا اثر نہ کرنا

(۲) نیز عبد المعبود شاہ صاحب نے یہ بھی بیان کیا کہ بہاولپور میں دورانِ قیام ایک ہندو مسلمان ہو کر آپؒ کا بیعت ہوا۔ چند دن بعد اُس کا انتقال ہو گیا۔ تو ہندوؤں نے اس کی لاش کو جلانا چاہا۔ مگر مسلمانوں نے مخالفت کی۔ جھگڑا اتنا بڑھ گیا اور نواب بہاولپور تک یہ بات پہنچی۔ نواب نے حضرت اقدسؒ کو بلوا کر اس بارہ میں[ع۲] پوچھا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ "اگر اس کے مسلمان ہونے میں شک ہے تو ہندو اس کی لاش جلا کر دیکھ لیں۔ یہ ہمارا مُرید ہے۔ اِسے آگ نقصان نہ پہنچا سکے گی۔" چنانچہ ہندوؤں نے لاش آگ کے سپرد کر دی۔ مگر آگ اُسے جلا نہ سکی۔ پھر اُسے اِسلامی طریق پر دفن کیا گیا۔

ایک خُدائی کا دعویدار تائب ہُوا

(۳) حضرت سید عبد المعبود صاحب نے یہ روایت بھی کی ہے۔ کہ "میں حضرتؒ کے ساتھ ملک رُوس گیا ہُوا تھا۔ وہاں ایک شخص نے خُدائی کا دعویٰ کیا تھا۔ حضرت مولاناؒ نے اُس کے گھر جا کر اُسے آواز دی کہ "اے شخص! باہر آ کر مجھ سے بات کر"۔ وہ شخص رُوس میں آپ کی تبلیغی سرگرمیوں سے خوفزدہ تھا۔ اسلئے سامنے نہ آسکا۔ آپ نے لکڑیاں منگوائیں اور اُس کے مکان کو آگ لگانے لگے۔ یہ دیکھ کر وہ شخص چیختا چلاتا باہر آگیا۔ اور کہنے لگا۔ کہ "میں نے یہ کام محض دُنیا حاصل کرنے کیلئے کیا ہے۔" پھر آپ کی تبلیغ سے وہ شخص آپؒ کے ہاتھ پر تائب ہُوا"۔

مولانا مرتضیٰ احمد خاں میکش کا آپ کی حکم عدولی کرنا۔ گرفتار ہونا اور آپ کا روحانی امداد کرنا

(۴) حضرت قبلہ مولانا غلام ربانی صاحبزادہ فیوضہٗ سے روایت ہے۔ کہ تحریک خلافت کے دنوں میں مولانا مُرتضیٰ احمد خاں میکش نے حضرت مولاناؒ سے عرض کیا۔ کہ ہجرت کر کے افغانستان چلیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہجرت کی تحریک انگریز اور گاندھی اور ہندوؤں کی طرف سے مسلم اکثریت کو کم کرنے کی ایک سازش ہے۔ مگر میکش نہ مانا۔ اور ناراض ہو کر افغانستان چلا گیا۔ کابل پہنچتے ہی اور لوگوں کی طرح انگریزوں کا جاسوس سمجھ کر گرفتار ہُوا۔ اُدھر عبد السلام کابلی (جن کا انتقال ملتان میں ہُوا) کو حضرتؒ نے خواب میں فرمایا کہ "میکش کی ضمانت کرادو۔ وہ جیل میں بند ہے۔" اور خواب میں ہی ساری تفصیل بتادی۔ چنانچہ ضمانت کے بعد میکش (مرحوم) ہندوستان واپس آ کر آپؒ کے قدموں پر گر گیا۔ اپنی خطا کی معافی مانگی۔ یہ آپ کے رُوحانی تصرف کا ایک عظیم واقعہ ہے۔

علومِ فلکیات میں آپ کی دسترس وہبی تھی

(۵) جناب حکیم مولوی چراغ الدین مرحوم سے روایت ہے۔ کہ ایک بار ہوشیارپور کالج میں فلکی علوم پر کُل ہند کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس میں حضرت مولانا مہمانِ خصوصی تھے۔ آپ سے سیاروں

ستاروں اور دیگر علومِ فلکیات پر تقریر کرنے کی گذارش کی گئی۔ حضرت اقدسؒ نے بڑی روانی سے چار گھنٹے تک قدیم و جدید علومِ فلکیات پر بادلائل کانفرنس میں خطاب فرمایا۔ کہ ہندوستان کے چوٹی کے پروفیسر انگشت بدنداں رہ گئے۔ اور کہہ اُٹھے کہ "ہم حضرتؒ کے مقابلہ میں طفلِ مکتب کی حیثیت رکھتے ہیں"۔

مجذوب شہزادہ

(۶) سید عضل شاہ مجذوب نے یہ واقعہ بیان کیا۔ کہ ایک دفعہ وہ حضرت مولاناؒ کے ہمراہ ریاست دکن کے علاقہ میں ٹرین میں سفر کر رہے تھے کہ دکن کا ایک شہزادہ اس ٹرین میں سوار ہو گیا۔ اور آپ کے روحانی تصرف سے آپ کا مرید ہو گیا۔ تیسرے دن ہی وہ شہزادہ مجذوب ہو گیا۔ اور اُس نے سبز چولا پہن لیا۔ وہ ... تک مجذوبی کی حالت میں حضرت اقدسؒ کے ساتھ رہا۔

بغیر ویزا کے بیرونی سفر

(۷) سید عضل شاہ مجذوب نے یہ واقعہ بیان کیا۔ کہ تبت اور جیتھا کے سفر میں وہ حضرت اقدسؒ کے ہمراہ تھا۔ راستہ میں اُس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا۔ کہ میرے پاس پانچصد روپے ہیں۔ اس سے سفر میں گذارہ ہو جائے گا۔ حضرت مولاناؒ نے یہ کیفیت بھانپ لی۔ اور اُس سے روپے لیکر کھائی میں پھینکدیئے۔ اور فرمایا۔ کہ "شاہ صاحب! اللہ پر بھروسہ کرو۔ یہ روپے کچھ چیز نہیں۔ روپیہ مذہب ہے تو اب کیا کرو گے" یہ سُنکر شاہ صاحب خاموش ہو گئے۔ آگے گئے تو جادوگروں کی بستی میں جادوگروں سے سخت مقابلہ ہوا۔ پھر کئی جادوگر کافر مسلمان ہو کر آپ کے بیعت ہوئے۔ شاہ صاحب نے یہ بھی فرمایا۔ کہ ہم نے حضرت اقدسؒ کی معیت میں کئی بار بغیر پاسپورٹ اور افغانستان کی سرحد پار کی۔ حضرت اقدسؒ سے عرض کیا گیا۔ کہ بغیر کاغذات کے بغیر پاسپورٹ کے سرحد پار نہیں جانا چاہیئے۔ مگر حضرت صاحبؒ سرحد پار لے جاتے۔ پہرہ دار دیکھتے مگر کسی کو پوچھنے اور روکنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

حضرتؒ کا اپنے ایک مریدِ صادق کی میدانِ جنگ میں دیکھ بھال اور باطنی امداد کرنا

(۸) حضرت اقدسؒ کے ایک مرید کیپٹن عطا محمد صاحب دوسری جنگِ عظیم میں برما کے محاذ پر متعین تھے۔ جب واپس آئے تو آپؒ نے اُن کو میدانِ جنگ کے وہ حالات بتلائے جن سے کیپٹن عطا محمد گذر رہے تھے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ "جہاں تم کیپٹن تھے وہاں باطنی طور پر ہم جرنل بنا کر بھیجے گئے تھے۔ اور فلاں فلاں مقام پر ہم نے تمہیں بموں اور بندوقوں کی گولیوں سے بچایا تھا"۔ یہ سُن کر کیپٹن عطا محمد بحد حیران ہوئے اور اقرار کیا کہ آپؒ نے جس طرح فرمایا سب صحیح تھا۔

(یہ روایت حضرت قبلہ و آقا صاحب زادہ فیوضہٗ کی وساطت سے ملی ہے)

حرم شریف میں ایک مرید سے روحانی ملاقات

(۹) صوفی برکت علی صاحب مرحوم (جو بڑے پرہیزگار اور متقی بزرگ تھے) نے حضرت مولاناؒ کے اہلِ خاندان کو بتایا کہ میں حج کرنے گیا ہوا تھا۔ طوافِ کعبہ کے دوران ایک پیر صاحب اپنے مریدوں کے ہمراہ حرم شریف میں آئے۔ میرے دل میں معاً یہ خیال آیا۔ کاش کہ میرے مرشد بھی اسطرح میرے ساتھ ہوتے۔ دیکھتا ہوں۔ کہ حضرت اقدسؒ میرے سامنے تشریف فرما ہیں۔ آپؒ نے فرمایا۔ کہ "برکت علی! دل میں کیا سوچ رہے تھے؟ گھبراؤ نہیں میرا قیام یہیں ہے۔" اور مجھ سے بھی بہت سی باتیں کیں۔ میں نے حرم پاک کے دروازے کی طرف دیکھا، تو آپؒ تشریف لے جا چکے تھے۔

ملا: اسی قسم کے واقعات اولیاء اللہ سے نقل کرتے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ تحریر فرماتے ہیں۔ "اسی قسم کی ہیں وہ بعض حکایتیں جو بعض اولیاء اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک ساعت میں مختلف مکانوں میں حاضر ہوتے ہیں۔ اور مختلف کام ان سے وقوع میں آتے ہیں۔ یہاں بھی اُن کے لطائف مختلف جسدوں میں متجسد ہو کر اور مختلف شکلوں میں متشکل ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اس عزیز کا حال ہے۔ جو ہندوستان میں وطن رکھتا ہے۔ اور کبھی اپنے ملک سے باہر نہیں نکلا۔ بعض بعض حضرات مکہ معظمہ سے آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے اس عزیز کو حرم کعبہ میں دیکھا ہے۔ اور ہمارے اس عزیز سے ایسی ایسی باتیں ہوئی ہیں۔ اور بعض نقل کرتے ہیں کہ ہم نے اس کو روم میں دیکھا ہے۔ اور بعض بغداد میں دیکھ کر آئے ہیں۔" (مکتوب حضرت امام ربانی - مکتوب ۵۸ جلد دوم)

مزار شریف (مدراس) پر رُوحانیوں کا ذِکر کی مجلس قائم کرنا

(۱۰) نشتر کالج مُلتان کے کچھ جنوبی افریقہ کے طالب علم گذشتہ سال بغرض سیاحت انڈیا گئے۔ تو مدراس میں حضرت اقدسؒ کے مزار پر بھی حاضر ہوئے۔ واپسی پر حضرت اقدسؒ کے مکان اور مزار شریف کی فوٹو بھی لائے۔ اِن میں سے ایک طالب علم ڈاکٹر سکندر نے بیان دیا۔ کہ وہ حضرتؒ کے مزار پر بھی بیٹھے اور فاتحہ خوانی کی۔ اور خدمتگار ہندو سادھو سے بھی مِلے۔ جو مزار مبارک کی بڑی صفائی رکھتا ہے۔ وہاں سکھوں نے خاص طور پر یہ بتایا کہ چند یوم قبل پاکستان سے ایک جماعت نے یہاں آکر مزار شریف پر ذِکر کی محفل بھی منعقد کی۔ حالانکہ پاکستان سے اور جماعت کا مدراس جانا۔ اِس موقعہ پر ثابت نہیں ہوا۔ خُدا معلوم وہ کون لوگ تھے۔

(مؤلف کے خیال میں یہ رُوحانیوں کی جماعت ہوگی۔ واللہ اعلم)

حیدر آباد کا ایک مشہور واقعہ۔ پاگل خانہ میں ایک مجذوب سے مُلاقات

(۱۱) صُوفی محمد شفیع صاحب مرحوم) جو حضرت اقدسؒ کے پُرانے ساتھیوں میں سے تھے۔ وُہ اکثر یہ روایت کیا کرتے تھے۔ کہ "ایکمرتبہ میں حیدر آباد میں حضرتؒ کے ساتھ تھا۔ ایکدن آپؒ نے فرمایا۔ کہ یہاں کون کون سے مقامات قابلِ دید ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ دیگر مقامات کے علاوہ یہاں کا پاگل خانہ بڑا مشہور ہے۔ تو آپ فرمانے لگے۔ کہ "وہاں ضرور چلیں گے"۔

یہاں پر صُوفی صاحب نے یہ بتایا۔ کہ حیدر آباد کے اس پاگل خانے میں ایک نابینا حافظِ قرآن (جو ایک پایہ کا ولی اور عالمِ دین تھا) قید تھے۔ جو مادر زاد ننگے رہتے تھے۔ جو شخص بھی اُن کے قریب جاتا۔ تو بے تحاشہ گالیاں دیتے اور اس پر غلاظت پھینکتے۔ پاگل خانہ کے منتظم اُسے کمرہ کے اندر شیروں کی طرح کھانا سلاخوں پر تھالی فٹ کرکے رکھ دیا کرتے تھے۔ جس دن حضرت اقدسؒ نے وہاں جانے کے لئے فرمایا تھا۔

اُس نابینا حافظ نے پاگل خانہ کی انتظامیہ کو قسمیں کھا کر مجبور کیا۔ کہ اُس کے نہانے کا انتظام کیا جائے۔ اور پہننے کے لئے کپڑے فراہم کئے جائیں۔ کیونکہ اُسے ننگا رہنے میں شرم آتی ہے۔ کیونکہ آج بہت بڑے عالم و درویش اور غوثِ زمانہ تشریف لا رہے ہیں۔

حضرت اقدسؒ جب وہاں پہنچے تو آپ نے اُس نابینا کا کمرہ کھلوایا۔ اُس سے مصافحہ کیا اور بغلگیر ہوئے۔ اور بڑی دیر تک راز و نیاز کی باتیں ہوتی رہیں۔ وہ نابینا درویش بھی بڑے ادب اور نیاز مندی سے مِلا۔ کہ اِنتظامیہ کے رکن کو دیکھنے والے انگُشت بدنداں تھے۔

حضرت اقدسؒ نے حافظ صاحب سے فرمایا۔ کہ اگر آپ رضامند ہوں۔ تو ابھی آپ کو یہاں سے نکلوانے کا اِنتظام کیا جائے۔ مگر وہ نہ مانے۔ اور عرض کیا کہ "حضرت! مَیں اِسی حال میں ٹھیک ہُوں"۔ آپ نے فرمایا کہ "حافظ صاحب! یہ کیا حلیہ اور حال بنا رکھا ہے؟" اُس نے عرض کیا کہ "حضرت جی! میں دُنیا سے تنگ آگیا ہُوں۔ مجھے اِسی حال میں رہنے دیں"۔

(یہ واقعہ صُوفی محمد شفیع مرحوم نے آپؒ کے خاندان والوں کو کئی دفعہ سُنایا تھا)

---

۱ : بزرگانِ دین کے تذکروں میں بیشمار ایسے واقعات ملتے ہیں۔ اِسی قسم کا ایک واقعہ حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی قدس سرہٗ العزیز (جو اپنے زمانہ کے قطب الاقطاب تھے) کے ساتھ پیش آیا۔ "حضرات القُدس" (مصنفہ حضرت علامہ بدرُالدّینؒ سرھندی) میں واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ بخارا میں ایک مجذوبہ جو عائشہ دیوانی کے نام سے مشہور تھی۔ ھمیشہ برھنہ رہتی اور تمام دن اِسی برہنہ حالت میں بازاروں میں پھرتی رہتی۔ لوگوں نے پُوچھا کہ تُو کپڑے کیوں نہیں پہنتی۔ اُس نے کہا۔ کہ اس شہر میں مَرد کون ہے جس سے مَیں اپنے آپ کو چھپاؤں۔ ایک روز صبح کے وقت نانبائی کی دُکان سے گذر رہی تھی۔ تنور کا مُنہ کھلا ہوا تھا۔ وہ تنور میں کود گئی اور کہا کہ تنور کا مُنہ بند کر دو۔ اِس شہر میں ایک مَرد داخل ہو رہے ہیں۔ اُن سے چھپنا چاہتی ہوں۔ لوگوں نے تھوڑی دیر بعد تنور کا منہ کھولا اور پُوچھا کہ تمہارا کیا حال ہے؟ اُس نے کہا کپڑے لاؤ کہ مَیں پہنوں۔ پس اُسکو کپڑے دیئے گئے۔ پہن کر باہر نکلی۔ اُس کے جسم کے کسی ایک بال کو آگ نے نقصان نہ پہنچایا تھا۔ سب حیرت زدہ تھے۔ اُسوقت معلوم ہُوا کہ یہ عورت ولیہ ہے۔ لوگوں نے اُس سے پُوچھا کہ تجھے خدا کی قسم جس نے تجھے آگ سے بچایا (بقایا حاشیہ اگلے صفحہ پر)

خونخوار درندوں نے حضرت اقدسؒ کو سلامی دی

(۱۲۱) صاحبزادہ مظفر حسن صاحب مدظلہٗ نے اپنے خسر جناب مولانا حکیم قادر بخش صاحب مرحوم (جو حضرت اقدسؒ کے خلفاء میں سے تھے اور قدیم ساتھی تھے) سے یہ روایت کی۔ کہ :-

تقریباً ۵۰ سال پیشتر وہ حضرت اقدسؒ کے ہمراہ بہاول پور کے ایک جنگل میں سے گذر رہے تھے۔ حکیم صاحب نے عرض کیا کہ "اس جنگل میں بڑے خطرناک ریچھ رہتے ہیں"۔ آپؒ نے فرمایا۔ کہ "جہاں شیر ہو۔ وہاں ریچھ کی کیا مجال؟" اور فرمایا کہ "ایک لکڑی سے کپڑا لپیٹ کر اسے جلا کر ہماری صورت دکھلا دو۔ ریچھ کچھ نہ کہیں گے۔" (غالباً رات کا وقت ہوگا) چنانچہ جب ریچھ سامنے آئے۔ تو حضرت اقدسؒ کو دیکھتے ہی، زمین پر ماتھے ٹیک کر سلامی دی

حضرت اقدسؒ کی حضرت خضرؑ سے ملاقات کا واقعہ اور عجائبات و اسرار کا مشاہدہ

(۱۲۲) صاحبزادہ جناب مظفر حسن صاحب مدظلہٗ نے ملتان کے معروف تاجر چرم حاجی ابراہیم صاحب (جو حضرت اقدسؒ کے مخلص مرید تھے) سے روایت کی ہے:- کہ وہ اور دیگر چند مرید حضرت اقدسؒ کے ہمراہ ڈیرہ غازی خان کے علاقہ میں دریائے سندھ میں کشتی میں سفر کر رہے تھے۔ کہ کشتی بھنور میں پھنس کر ہچکولے کھانے لگی۔ سب لوگ خوف کی وجہ سے چلانے لگے۔ حضرت اقدسؒ نے فرمایا۔ کہ "سب لوگ خاموش رہو۔ اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۱) ہم کو بھی بتا کہ وہ کون مرد ہے۔ مجذوبہ نے کہا کہ میرے ساتھ چلو۔ بالآخر سب لوگ اس کے ساتھ چلے۔ وہ سب کو لیکر حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی قدس سرہٗ کی خدمت میں پہنچی۔ جو اسی وقت داخلِ بخارا ہوئے تھے۔ حضرت خواجہؒ اس مجذوبہ کی تعظیم کے لئے اٹھے۔ اور دونوں میں باہمی اسرار کے متعلق گفتگو ہوتی رہی۔ جس کو وہی سمجھے۔ (حضرات القدس۔ حالات خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ)

قدرت کا تماشہ دیکھو۔" چنانچہ کشتی ڈوب کر زیرِ آب چلی گئی۔ اور سب نے دیکھا کہ خشکی آگئی ہے۔ وہاں حضرت خضر علیہ السلام ظاہر ہوئے۔ حضرت اقدسؒ سے ملاقات کے بعد حضرت خضرؑ نے زمین میں ایک آہنی کڑے پر پاؤں مارا۔ تو زمین پھٹ گئی اور سیڑھیاں نمودار ہوگئیں۔ سب لوگ حضرت خضرؑ کے ساتھ سیڑھیوں پر سے گذر کر ایک خوبصورت دنیا میں پہنچ گئے۔ جہاں باغ۔ محلات۔ مکانات۔ آبادیاں اور شہر دیکھے۔ حضرت خضرؑ نے سب لوگوں کو سیر کرائی۔ اور اس دنیا کے بیشمار لوگوں کو حضرتؒ کا مرید کرایا۔

اس کے بعد چلتے چلتے خضرؑ نے باغ کے ایک کونے سے لمبا سا عصا اٹھایا۔ اور اس پر لکھی ہوئی تحریریں پڑھ کر سنائیں۔ کہ فلاں ابن فلاں کو ابدال۔ اور فلاں ابن فلاں کو قلندر۔ قطب اور غوث بنایا۔ پھر حضرت خضرؑ آپؒ سے فرمانے لگے۔ کہ "حضرت! فرمائیے۔ آپ کو کون سا درجہ پسند ہے؟ میں اس پر آپ کی تعیناتی کردوں"۔ تو حضرت اقدس نے فرمایا کہ "حضرت میں اسی حال میں ٹھیک ہوں۔ عاشق کیلئے

ف ا: حضرت خضر علیہ السلام کے نام میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ صوفیاء میں ان کی کنیت ابوالعباس اور احمد نام مشہور ہے۔ حضرت ابوہریرہ کی روایت سے ایک صحیح حدیث میں ہے۔ کہ ان کو خضر اسلئے کہا گیا ہے۔ کہ آپ بنجر زمین پر بیٹھے تو وہ ہری بھری ہوگئی۔ اسلئے ان کا نام خضر پڑ گیا۔ ان کے نام اور زمانہ کے متعلق مختلف اقوال ہیں۔ اور ان کے نبی یا ولی ہونے میں علماء کا اختلاف نقل ہے۔ اکثر اہل علم کا خیال ہے۔ کہ وہ نبی تھے۔ اور ضعیف حدیث میں خضرؑ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ملاقات کا بھی ذکر ہے۔ بزرگوں کے تذکروں میں اور صوفیاء کے ہاں اولیاء اللہ سے ملاقات کے بہت سے واقعات پائے جاتے ہیں۔ امام شعرانیؒ نے حضرت ابو اسحاق بن اسمٰعیل خواصؒ کی حضرت خضرؑ سے ملاقات کا واقعہ نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ حجاز کے راستہ میں ایک جنگل میں مجھے پیاس لگی۔ تو ایک خوبصورت انسان بھورے رنگ کے جانور پر سوار نے آکر مجھے پانی بھی پلایا اور پیچھے سوار بھی کرلیا۔ پھر کہا۔ "دیکھو یہ مدینہ کا نخلستان ہے۔ اب اتر جاؤ۔ اور صاحب مدینہ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا سلام دینا"۔

امام عبدالکریم قشیری نے حضرت خضرؑ کو نبی نہیں، ولی قرار دیا ہے۔

حضرت سید عبدالعزیز دباغ مغربیؒ نے فرمایا کہ خضرؑ نبی نہ تھے۔ وہ تو ایک بندہ تھے جس کو اللہ تعالیٰ نے دینی معرفت سے سرفراز کیا تھا۔ اور مخلوق میں تصرف کرنے

بس خدا اور اُس کا رسولؐ ہی کافی ہیں"۔

اِس میں یہ بھی روایت کیا ہے۔ کہ واقعہ کے شروع میں حضرت خضرؑ نے آپؒ سے فرمایا تھا۔ کہ "مولانا! آپ مثنوی مولانا رومؒ بہت خوش الحانی سے پڑھتے ہیں ہمیں بھی سنائیں۔" آپ نے سنانے کا وعدہ فرمایا۔

چڑیا گھر لاہور کی سیر۔ درندوں کا حضرتؒ کی تعظیم کرنا۔ حاضرین پر وجد طاری ہو گیا

(۱۴) جناب صاحبزادہ مظفر حسن صاحب مدظلہ اپنا ایک چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں۔ کہ قیام پاکستان سے قبل وہ حضرت اقدسؒ کے ساتھ لاہور آئے۔ آپ کے ارادتمندوں میں سے مولانا میکش۔ حاجی لق لق۔ عبدالمجید سالک۔ مجید نظامی۔ عبدالمجید قریشی وغیرہم بھی ساتھ تھے۔ حضرت اقدسؒ بڑی مقدار میں گنڈیریاں ساتھ لیگئے تھے۔ جب ریچھوں کے پنجروں کے پاس گئے۔ تو ریچھوں نے چنگھاڑنا شروع کر دیا۔ تو حضرت اقدس نے فرمایا کہ "بھئی! کوئی دور سے چلکر آئے تو یہی سلوک کرتے ہو۔ اور ایسے ملتے ہو۔" تو سب ریچھوں نے زمین پر ماتھے ٹیک کر بڑے ادب سے سلامی دی۔ یہ نظارہ دیکھ کر حاجی لق لق اور مولانا میکش (مرحوم) پر وجد طاری ہو گیا۔ اور وجد کے عالم میں کہتے جاتے تھے۔ "دیکھو! ہمارے مرشد کامل کی شان۔ یہ ہیں ولیوں کی شانیں۔ یہ وقت کے غوث کی شان ہے۔" پھر آپ نے ریچھوں کو گنڈیریاں دیں۔ اور وہ کھانے لگے۔ اس کے بعد ہم سب شیروں کے پنجروں کی طرف بڑھے۔ وہاں بھی بالکل ایسا ہی منظر نظر آیا۔ کہ بہت سے لوگوں پر وجد طاری ہو گیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۳) کرنے کا اختیار دیا تھا۔ اور اُسے اللہ تعالٰے نے وہ کمال اور وہ تمام تصرف عطا کیا تھا۔ جو اُمتِ محمدیہ میں غوث کو عطا ہوتا ہے۔ خضرؑ کو یہ بات بغیر کسی پیر اور بغیر راہِ طریقت کے حاصل ہوئی۔ اللہ تعالٰے نے انہیں سب کچھ براہِ راست عطا کیا تھا۔ (رضی اللہ تعالٰی عنہما) (خزینۂ معارف ترجمہ ابریز صفحہ ۶۵)

حضرت مولانا رومؒ کے ایک شعر کی عالمانہ تفسیر
چالیس رات تک مسلسل تقریر

(۱۵) صوفی فضل حسین صاحب (کاتب بخدمت حق مقیم ملتان) نے روایت کی کہ سنہ ۱۹۱۹ء میں جب گھنٹہ گھر ملتان کے آس پاس طوائفوں کا چکلہ تھا۔ تو حضرتؒ نے وہاں مثنوی مولانا رومؒ کے ایک شعر پر مسلسل چالیس راتیں تقریر فرمائی۔ اس شعر کی تفسیر اسقدر دلنشین اور جانگداز اور آواز اسقدر سحر انگیز تھی کہ جملہ طوائف نے آپکے دستِ حق پرست پر توبہ کی۔ اور پاک زندگی گذارنے لگیں۔ مولانا رومؒ کی مثنوی کے یہ ابتدائی اشعار تھے۔

بشنو از نے چوں حکایت میکند
وز جدائی ہا شکایت میکند
سینہ خواہم شرحہ شرحہ از فراق
تا بگویم شرحِ دردِ اشتیاق

صوفی صاحب ہر جلسے میں موجود تھے۔ بیان کرتے ہیں۔ کہ آپ نے مولانا رومؒ کے اشعار کی اسقدر جامع اور عالمانہ تقریر فرمائی کہ اُس دور کے بڑے بڑے علماء و مشائخ گنگ ہو گئے۔ ہزاروں کا اجتماع ہوتا تھا اور بغیر لاؤڈ سپیکر کے آپ کی آواز میلوں تک سنائی دیتی تھی۔ نیز صوفی فضل حسین صاحب نے یہ بھی فرمایا۔ کہ "اِن اشعار کی شرح سُن کر میرے والد میاں علی بخش صاحب اور مولوی ولی محمد صاحب (ملتان میں جن کا شمار مثنوی مولانا رومؒ کے جید شارحین میں ہوتا ہے) بے اختیار پکار اُٹھے تھے۔ کہ آج ہماری انا اور خودی حضرت

بس خدا اور اُس کا رسُولؐ ہی کافی ہیں۔"

اِس میں یہ بھی روایت کیا ہے۔ کہ واقعہ کے شروع میں حضرت خضرؑ نے آپؒ سے فرمایا تھا۔ کہ "مولانا! آپ مثنوی مولانا رُومؒ بہُت خوش الحانی سے پڑھتے ہیں ہمیں بھی سُنائیں۔" آپؒ نے سُنانے کا وعدہ فرمایا۔

چڑیا گھر لاہور کی سیر۔ درندوں کا حضرتؒ کی تعظیم کرنا حاضرین پر وجد طاری ہو گیا

(۱۴) جناب صاحبزادہ مظفر حسن صاحب مدظلہ' اپنا ایک چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں۔ کہ قیامِ پاکستان سے قبل وُہ حضرت اقدسؒ کے ساتھ لاہور آئے۔ آپکے ارادتمندوں میں سے مولانا میکش۔ حاجی لق لق۔ عبدالمجید سالک۔ مجید نظامی۔ عبدالمجید قریشی وغیرہم بھی ساتھ تھے۔ حضرت اقدسؒ بڑی مقدار میں گنڈیریاں ساتھ لیگئے تھے۔ جب ریچھوں کے پنجروں کے پاس گئے۔ تو ریچھوں نے چنگھاڑنا شروع کر دیا۔ تو حضرت اقدس نے فرمایا کہ "بھئی! کوئی دُور سے چلکر آئے تو یہی سلوک کرتے ہو۔ اور ایسے ملتے ہو۔" تو سب ریچھوں نے زمین پر ماتھے ٹیک کر بڑے ادب سے سلامی دی۔ یہ نظارہ دیکھ کر حاجی لق لق اور مولانا میکش مرحوم) پر وجد طاری ہو گیا۔ اور وجد کے عالم میں کہتے جاتے تھے۔ "دیکھو! ہمارے مُرشد کامل کی شان۔ یہ ہیں ولیوں کی شانیں۔ یہ وقت کے غوث کی شان ہے۔" پھر آپنے ریچھوں کو گنڈیریاں دیں۔ اور وہ کھانے لگے۔ اسکے بعد ہم سب شیروں کے پنجروں کی طرف بڑھے۔ وہاں بھی بالکل ایسا ہی منظر نظر آیا۔ کہ بہت سے لوگوں پر وجد طاری ہو گیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۳) عطا کرنے کا اختیار دیا۔ اور اُسے اللہ تعالےٰ نے وہ کمال اور وہ تمام تصرف عطا کیا تھا۔ جو اُمّتِ محمدیہ میں غوث کو عطا ہوتا ہے۔ خضرؑ کو یہ بات بغیر کسی پیر اور بغیر راہِ طریقت کے حاصل ہوئی۔ اللہ تعالےٰ نے انہیں سب کچھ براہِ راست عطا کیا۔ (وعلّمنٰہ من لّدنّا علمًا) (خزینۂ معارف ترجمہ ابریز" صفحہ ۴۶۵)

حضرت مولانا رومؒ کے ایک شعر کی عالمانہ تفسیر چالیس رات تک مسلسل تقریریں

(۱۵) صُوفی فضل حسین صاحب (کاتب بخاری شریف مقیم ملتان) نے روایت کی ہے کہ ۱۹۱۹ء میں جب گھنٹہ گھر ملتان کے آس پاس طوائفوں کا چکلہ تھا۔ تو حضرتؒ نے وہاں مثنوی مولانا رُومؒ کے ایک شعر پر مسلسل چالیس راتیں تقریر فرمائی۔ اس شعر کی تفسیر اسقدر دلنشین اور جانگداز اور آواز اسقدر سحر انگیز تھی کہ جملہ طوائف نے آپکے دستِ حق پرست پر توبہ کی۔ اور پاک زندگی گذارنے لگیں۔ مولانا رومؒ کی مثنوی کے یہ ابتدائی اشعار تھے۔ ؎

بشنو از نے چوں حکایت میکند
وز جدائی ہا شکایت میکند
سینہ خواہم شرحہ شرحہ از فراق
تا بگویم شرحِ دردِ اشتیاق

صُوفی صاحب جو ہر جلسے میں موجود تھے۔ بیان کرتے ہیں۔ کہ آپنے مولانا رومؒ کے اشعار کی اسقدر جامع اور عالمانہ تقریر فرمائی کہ اُس دور کے بڑے بڑے علماء و مشائخ گنگ ہو گئے۔ ہزاروں کا اجتماع ہوتا تھا اور بغیر لاؤڈ سپیکر کے آپ کی آواز میلوں تک سُنائی دیتی تھی۔ نیز صُوفی فضل حسین صاحب نے یہ بھی فرمایا۔ کہ "اِن اشعار کی شرح سُن کر میرے والد میاں علی بخش صاحب اور مولوی ولی محمد صاحب (ملتان میں جن کا شمار مثنوی مولانا رومؒ کے جید شارحین میں ہوتا ہے) بے اختیار پکار اُٹھے تھے۔ کہ آج ہماری انا اور خودی حضرت

مولانا نواب الدین صاحبؒ کے مقابلہ میں ختم ہو گئی ہے۔ ہم اِن کی مثنوی کے ایک شعر کی شرح سُنکر اپنے کو طفلِ مکتب سمجھتے ہیں۔"

یہ آپؒ کی ایک بیّن کرامت تھی کہ جلسہ و نماز میں بھی آپ کی آواز آخری صفوں تک ایسے ہی سُنائی دیتی تھی جیسے کہ پہلی صف والوں کو سُنائی دیتی۔ یہ احوال متعدد لوگوں نے بتائے ہیں۔ (اور یہ فقیر خود بھی اِس حقیقت کا شاہد ہے۔ مؤلف)

(۱۶) نیز صوفی فضل حسین صاحب نے روایت کی ہے۔ کہ سنہ ۱۹۲۰ء میں محرّم کے موقعہ پر حضرت اقدسؒ نے حافظ جمال اللہ مُلتانیؒ کے خلیفہ قاضی مِٹھو صاحب کی درگاہ پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ "لوگو! جب میں تقریر کے اختتام پر دُعا مانگوں۔ تو تم سب اپنی جائز مُرادیں ذہن میں رکھنا اور آمین کہتے جانا۔ اِنشاءاللہ سب ہی کی مُرادیں پُوری ہوں گی۔ اگر نہ ہوں۔ تو میرا نام مولوی نواب الدین نہیں۔" صوفی صاحب فرماتے ہیں۔ کہ جلسہ ختم کر کے جب ہم اپنی رہائش گاہ پر پہنچے۔ تو کچھ دیر بعد لوگ مٹھائیوں پھلوں اور روپوں کے طشت بھر بھر کر لائے۔ اور پیشِ خدمت کئے۔ گویا کہ اُن لوگوں کی مُرادیں اتنی جلدی پُوری ہوئیں۔ تمام لوگ آپ کی اِس کرامت پر بیحد متأثر ہوئے۔

جناب عزیز حاصل پوری بیان کرتے ہیں کہ حضرت اقدسؒ جلسوں میں تقریر فرماتے تو آپ کی آواز اتنی بلند ہو جاتی۔ کہ دُور دُور تک سُنائی دیتی۔ یہ آپ کی کھُلی کرامت تھی۔ آپؒ کی تقریر سے متأثر ہو کر کئی کفّار مسلمان ہوئے اور بہت سے لوگوں نے آپ کے دستِ مبارک پر اپنے گناہوں سے توبہ کی۔ یہ احوال بیشمار اوقات میں دیکھے گئے۔

مُریدوں کے احوال سے دُور رہتے ہوئے بھی باطِناً باخبر رہنا

(۱۷) نیز عزیز حاصل پوری نے حضرت اقدسؒ کے احوال بیان کرتے ہوئے یہ واقعہ خصوصی طور پر بیان کیا ہے کہ "جب حضرتؒ ۱۲ سال تک بیرونی ممالک (خصوصاً روس۔ چین۔ افغانستان۔ لنکا۔ ایران وغیرہ) اور اندرون مُلک تبّت و کشمیر کی مُلحقہ ریاستوں اور کوہ ہمالیہ

وغیرہ میں گُزارے۔ اور واپس تشریف لائے تو مُلتان میں حاجی ابراہیم صاحب کے گودام میں ٹھہرے۔ آپ آٹھ روز تک بیرونی ممالک کے دورہ کے احوال احباب میں بیان فرماتے رہے ایکدن شیخ عبدالکریم عُرف لکڑ بگڑ نے ہاتھ جوڑ کر اور عاجزانہ مسکین صورت بنا کر عرض کیا۔ کہ "حضرت! آپنے اتنے دنوں تک اپنی ہی فرمائی ہے۔ کچھ ہمارا بھی حال پوچھا ہوتا" یہ سُنتے ہی آپؒ نہایت ہی جلال میں آگئے اور فرمایا۔ کہ "پُوچھا اُس سے جاتا ہے۔ جس کا پتہ نہ ہو۔ وُہ پیر ہی کیا جس کو اپنے مُریدوں کے احوال کا پتہ نہ ہو۔ خواہ مُرید کہیں بھی ہو۔" اور یہ فرماتے ہی فوراً ہی شیخ عبدالکریم کے ساتھ اِن بارہ سالوں میں گُزرے ہوئے اہم اہم واقعات بیان فرمائے۔ وُہ بہت شرمسار ہوئے اور معافی مانگی۔ یہ دیکھ کر سب موجود لوگوں پر رِقّت طاری ہو گئی۔ اور ایک دیوبندی مولوی صاحب اپنے باطل عقائد سے تائب ہو کر مُرید ہُوا۔

پھر آپ شیخ عزیز حاصل پوری کے ماموں شیخ مولا بخش کو ساتھ لے کر شُجاع آباد (ضلع ملتان) تشریف لیگئے۔ تو ایکدن وہاں ایک نہایت بزرگ سفید رِیش ایرانی تاجر خِدمت میں حاضر ہُوا۔ اور سلام کے بعد نیاز مندانہ عرض کیا۔ کہ "حضرت! آپ نے مجھے پہچانا؟" آپؒ نے فرمایا۔ کہ آج سے چالیس سال قبل جب اِیران گیا تھا۔ تو وہاں ایک شہر میں جلسۂ عام میں میری تقریر کے بعد تم اور تمہارے فلاں فلاں ساتھی مُرید ہوئے تھے۔ یہ فرما کر آپنے اُس ایرانی تاجر کا نام اور گذرے ہوئے واقعات بیان فرمائے کہ سب حیران ہوئے

ایک ہندو مہنت کا حضرتؒ کے ہاتھ پر مُسلمان ہونا

(۱۸) جناب صاحبزادہ منظور حسن صاحب نے روایت کیا ہے کہ سنہ ۱۹۲۶-۲۷ء کے لگ بھگ ایکدفعہ حضرتؒ ایک طویل تبلیغی دورے پر تبّت تشریف لیگئے۔ وہاں ایک برہمن بارہ سال سے ایک بڑے مندر میں مراقبہ میں بیٹھا تھا۔ آپ کو پتہ چلا کہ وہ مہنت ہندو مذہب کا ایک بڑا گرو ہے۔ اور سب مذاہب میں عالم مانا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت اقدسؒ اُس سے ملنے کے لئے گئے۔ جب آپ اُسکی

کی جھونپڑی میں داخل ہوئے تو وہ مہنت ایکدم مراقبہ سے باہر آکر اٹھ کھڑا ہوا۔ اور والہانہ آپ کی قدمبوسی کی۔ اور بے اختیار پکار اٹھا۔ کہ "حضرت! آج میری مراد پوری ہوئی۔ میں جس چیز کا متلاشی تھا وہ مجھ کو آپ کے دم قدم سے مل گئی۔ آپ مجھے کلمہ پڑھا کر مسلمان کرلیں"۔ چنانچہ آپ رحؒ نے اُسے فوراً مسلمان کر کے سلسلہ عالیہ میں بیعت فرمایا اور اُس کا اسلامی نام مولوی محمد دین رکھا گیا۔ مولوی محمد دین حضرت اقدس رحؒ کے ساتھ واپس مدراس آکر دو سال تک تعلیم و تلقین حاصل کرتا رہا۔ حضرت اقدس کے گھوڑے کی رکھوالی کرتا اور اسے گھاس کھود کر کھلاتا۔ تعلیم و تلقین حاصل کرنے کے بعد حضرت رحؒ نے اُسے کوہ ہمالیہ اور تبت کے علاقوں میں تبلیغِ اسلام کیلئے نامزد کر کے اور خلافت دے کر روانہ فرما دیا۔

(۱۹) اسی نوعیت کا ایک اور واقعہ صاحبزادہ مظفر حسن صاحب نے بیان کیا ہے۔ کہ ایکدفعہ حضرت اقدس رحؒ بغرض تبلیغ ترن تارن تشریف لےگئے۔ ترن تارن کا ایک بااثر زمیندار اور گوردوارہ کا گرو آپ رحؒ کی شہرت سن کر ملنے آیا۔ اور کچھ نذر پیش کی۔ بعد ازاں وہ حلقۂ ذکر میں بیٹھا تو اُس پر جذب و مستی کا عالم طاری ہو گیا۔ اور وہ پکار اُٹھا کہ "مجھے مسلمان کرلو"۔ چنانچہ آپ رحؒ نے اُسے کلمہ پڑھا کر مسلمان کیا اور سلسلۂ عالیہ میں بیعت کرلیا۔ بعد ازاں اُس نے اپنی تمام جاگیر اور جائیداد پر لات مار دی اور اپنی بیوی کو اپنے مسلمان ہونے کا واقعہ بتایا۔ اُدھر اُسکی بیوی نے بتایا کہ وہ پوشیدہ طور پر پہلے ہی مسلمان ہو چکی تھی۔ اور خاوند کے ڈر سے خاموش رہی تھی۔ اُس کی بیوی نے یہ بھی بتایا۔ کہ وہ ایک اللہ کے اوتار کے ہاتھ پر مسلمان ہوئی تھی۔ اور اُس اوتار کا حلیہ اور نام بھی بتلایا۔ تو نومسلم نے چونک کر کہا کہ یہ تو میرے مرشد حضرت حضرت مولانا نواب الدین چشتی ہی ہیں۔ بعد میں دونوں میاں بیوی حضرت رحؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ سنایا تو حضرت اقدس رحؒ مسکرا دیئے۔

حضرت اقدس رحؒ کے پوتے صاحبزادہ طارق محمود صاحب کا بیان ہے کہ اُس نے بچپن میں اِس نومسلم کو دیکھا تھا۔ اور ان ہی کے بیان کے مطابق یہ نومسلم ریڈیو پاکستان

کی مشہور و معروف شخصیت ہی تھی۔ جو بھائی اللہ لوک کے نام سے ریڈیو پاکستان پر کافی مدت تک ایک اہم اناؤنسر رہ چکے ہیں

حضرت اقدس رحؒ کے تصرفات کے چند عجیب و غریب واقعات

اس سال حضرت اقدس رحؒ کا چونتیسواں سالانہ عُرس مبارک حسب سابق ۲۱-۲۲ جمادی الثانی ۱۴۰۰ھ کو زیرِ قیادت قبلہ حضرت مولانا غلام ربانی صاحب ادام اللہ فیوضہٗ و برکاتہٗ بمقام "چشت نگر" (موضع لوکستی - ملتان) میں منعقد ہوا۔ جس میں بے شمار ارادتمندوں اور اہلِ دل حضرات نے شرکت کی۔ عُرس پاک میں ذِکر و فکر کی مجلسیں قائم ہوئیں جو اپنی نوعیت میں یکتا تھیں۔ اِن مجالس میں انوار و برکات کی بارشیں ہوئیں۔ اہلِ نظر حضرات نے مشاہدہ کیا کہ بزرگان سلسلہ (خصوصاً حضرت خواجہ نواب الدین صاحب رحؒ) کی ارواحِ پاک کا فیضان تمام ماحول پر محیط رہا۔ اور لوگ جذب کی حالت میں جھوم رہے تھے۔ آخر میں مجالس سماع منعقد ہوئیں۔ جن میں اہلِ مجلس پر سرور و مستی اور وجد و حال کا عالم بشدت طاری رہا۔ یہ تقاریب ہر قسم کے تصنع و بناوٹ سے بعید۔ عجب دریا۔ اور نمود و نمائش سے پاک تھیں۔ اہلِ نسبت و ارادت حضور اقدس رحؒ کی توجہ اور فیضان سے جھولیاں بھر کر گھروں کو لوٹے۔

اس موقعہ پر حضرت اقدس رحؒ کے پرانے عقیدتمند اور ساتھیوں میں سے سادات گھرانہ کے ایک بزرگ جناب حاجی محمد شاہ صاحب مقیم ڈیرہ غازی خاں (جن کی عمر سو سال کے لگ بھگ ہو گی۔ اور جو درگاہ حضرت سلطان باہو صاحب رحؒ کے سجادگان سے متعلق ہیں) سے حضرت مولانا غلام ربانی صاحب مدظلہٗ نے تعارف کرایا۔ جناب شاہ محمد صاحب سے حضرت اقدس کے بارہ میں بہت سے واقعات ملے۔ جن میں سے چند واقعات درج کئے جاتے ہیں۔

ڈیرہ غازی میں حضرت اقدس رحؒ انجمن نعمانیہ کے سالانہ جلسوں میں خاص طور پر مدعو کئے جاتے تھے۔ حضرت اقدس رحؒ کی دل نشین تقاریر سے ہر سال بیشمار لوگ آپ رحؒ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوتے تھے۔ شاہ صاحب نے اپنی بیعت کا واقعہ یوں بیان کیا ہے

حضرت اقدسؒ کے تصرفِ باطنی کے واقعات۔

(۱) حاجی محمد شاہ صاحب مدظلہٗ بیان کرتے ہیں:۔ کہ

ڈیرہ غازی کے ۱۹۱۹ء کے انجمن نعمانیہ کے جلسہ میں حضرت اقدسؒ کی تقریر اسقدر دل نشیں اور مسحور کن تھی کہ سامعین پر بحید جذب و کیف طاری ہوا۔ تقریر کے بعد لوگ جوق در جوق آپؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے۔ شاہ صاحب نے بتایا کہ اُن کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا۔ کہ جب تک حضرتؒ مجھ سے خود بیعت ہونے کیلئے نہیں فرمائیں گے میں بیعت نہ ہونگا۔

چنانچہ اس کے چند روز بعد شاہ صاحب دوپہر کیوقت سوئے ہوئے تھے۔ کہ کسی نے آپکا بازو جھنجوڑا اور آواز آئی کہ اُٹھو! یہ آواز حضرت اقدسؒ کی تھی۔ شاہ صاحب ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھے۔ وہاں کوئی نہ تھا۔ لیکن محسوس ہوا کہ کوئی چیز آپ کو باہر کی طرف کھینچ رہی ہے۔ یہ کشش آپکو کھینچکر بازار لیگئی۔ کیا دیکھتے ہیں کہ حضرتؒ ایک ہندو تاجر کی دوکان پر بیٹھے ہیں۔ شاہ صاحب خدمتِ اقدس میں پہنچے اور قدمبوسی کا شرف حاصل کیا۔ پھر آپؒ حاجی محمد شاہ صاحب کو دکان کے پچھلے حصہ میں لیگئے اور سلسلۂ ارادت میں داخل فرمایا۔ بیعت کے بعد شاہ صاحب بازار سے جلیبیاں لائے اور آپؒ کی خدمت میں پیش کیں۔ آپ نے جلیبیاں کھانے سے یہ کہکر انکار کر دیا کہ اس میں پلیدی کی بدبو آتی ہے۔ (یہ جلیبیاں شاہ صاحب نے بےخبری میں ایک ہندو کی دکان سے خریدی تھیں)

(۲) ڈیرہ غازی میں حضرت اقدسؒ کے ایک ارادتمند صوفی محمد رمضان کی دکان پر چند نوجوانوں میں جھگڑا ہو گیا۔ اور نوبت چھریوں اور چاقوؤں کے استعمال تک پہنچ گئی۔ اور دکان کی دیواروں اور فرش پر خون کے چھینٹے پڑ گئے۔ ہنگامہ کے بعد سب لوگ بھاگ گئے۔ تو صوفی رمضان نے پولیس کے خوف سے دکان کو تالا لگایا۔ اور بھاگ کر حضرت اقدسؒ کے پاس پہنچ گیا۔ (جو اُسوقت وہاں آئے ہوئے تھے) اور تمام واقعہ آپ کے گوشگذار کر دیا۔ حضرتؒ نے اُسے تسلی دیکر فرمایا۔ کہ وہ بےفکر ہو کر جا کر دوکان کھولے

اُسے پولیس سے کوئی گزند نہیں پہنچے گا۔ چنانچہ صوفی رمضان آپؒ کی ہدایت کے مطابق دکان پر پہنچا۔ تو پولیس مبینہ موقع واردات پر تحقیق کرنے وہاں موجود تھی۔ دکان کھولی گئی۔ تو پولیس اور خبر کنندگان نے یہ بات حیرت سے دیکھی۔ کہ دکان کے اندر فرش اور دیواروں پر خون کا ذرہ بھر نشان بھی موجود نہ تھا۔ اسطرح حضرت اقدسؒ کے تصرف سے صوفی محمد رمضان پولیس کی گرفت سے محفوظ رہا۔

حضرت اقدسؒ کا ایک ہی وقت[1] میں مختلف دور دراز مقامات پر پایا جانا

(۳) حاجی محمد شاہ صاحب[2] نے یہ واقعہ خصوصی طور پر بیان کیا۔ کہ

قریباً ۲۷-۱۹۲۶ء میں حضرت اقدسؒ نے بنگال کے تبلیغی دورہ میں کلکتہ میں متعدد جلسوں میں خطاب فرمایا۔ بعد میں انجمن نعمانیہ ڈیرہ غازی خان کے صدر مولانا فضل حق کی دعوت پر آپ اٹک تشریف لائے۔ (راوی بھی آپؒ کی معیت میں تھا) اور وہابیوں سے کامیاب مناظرہ کیا۔ (اگلے دن آپ نے کلیر شریف عُرس پر حاضر ہونا تھا) اٹک میں دوسرے دن بھی آپ نے جلسہ سے خطاب کیا اور یہیں قیام فرمایا۔ کئی لوگ آپکے بیعت ہوئے۔ آپ اٹک ہی میں مقیم تھے کہ متعدد لوگوں نے آکر بتایا کہ کل آپ کلیر شریف عُرس میں موجود تھے۔ اور بعدہٗ ایک دستی خط بھی ملا۔ جس میں آپؒ کی ایک ہی وقت میں اٹک اور کلیر شریف میں حاضری کی تصدیق ہو گئی۔

(۴) حاجی محمد شاہ صاحب کی ایک اور روایت کے مطابق ایک دفعہ آپ نے ڈیرہ غازی خان میں ایک جلسہ میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ آپؒ اٹک کے جلسہ میں تقریر کرنے جا رہے ہیں۔ بعد میں تصدیق کرنے سے معلوم ہوا۔ کہ آپ نے اسی رات نہ صرف ڈیرہ غازی خان بلکہ اٹک اور راولپنڈی میں بھی تقریر فرمائی تھی۔

---

[1] اس سے گمان گذرتا ہے کہ آپؒ قطبُ الاقطاب کے درجہ پر فائز تھے۔ کیونکہ اقطاب و اغواث کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ قدرت اور تصرف عطا کیا گیا ہے۔ کہ وہ ایک ہی ساعت میں کئی مقامات پر پائے جاویں۔ (واللہ اعلم)

[2] حضرت اقدسؒ جب بھی ڈیرہ غازی جاتے تو حاجی محمد شاہ کے ہاں قیام فرمایا کرتے۔ نیز آپؒ نے حاجی محمد شاہ صاحب کو "جماعت چشتیہ کا قلندر" کے خطاب سے بھی نوازا تھا۔

ھندو پنڈتوں نے حضرت اقدسؒ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اوتار مانا

(۴) حاجی محمد شاہ کی ایک اور روایت کے مطابق آپؒ نے اس صدی کے پہلے ربع (تقریباً ۱۹۱۵-۲۰) میں کوہِ ہمالیہ اور تبت کے دورہ کے بعد پشاور کی سرحد سے آگے قبائلی علاقہ "نوکھیا" میں قیام فرمایا۔ وہاں دُور دراز علاقوں سے ہر مذہب و ملت کے بےشمار لوگ اور کئی ھندو پنڈت آپ کی زیارت کیلئے آئے۔ یہ بات عام مشہور ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی صورت میں اوتار بھیجا ہے۔ اِن ہی پنڈتوں میں سے اکثر مسلمان ہو کر سلسلۂ عالیہ میں داخل ہوئے۔ وہیں پر آپ نے جڑی بوٹیوں سے ایک اکسیر ۱۷ سو بار آگ دیکر تیار کی۔ پھر آپ ڈیرہ غازی خان تشریف لے آئے۔ راوی کا بیان ہے کہ اُس نے اس اکسیر میں سے ایک تنکہ سے کم بغیر آپ کی اجازت کے کھائی تو راتوں رات مرضِ جریان میں مُبتلا ہوا۔ حضرت اقدسؒ بغیر بتلائے از خود اِس بات سے باخبر تھے۔ فرمانے لگے "میں تم کو دوائی اِسی لئے نہیں دیتا تھا۔ خیر چوری کرنے والے اور لوگوں کو آپ نے بھگا دیا"۔

حضرت اقدسؒ روحانی طور پر آریہ پنڈت سے مناظرہ کیلئے گئے آپؒ کے تصرف سے طوفانِ بادو باراں تھم گیا!

(۵) حاجی محمد شاہ صاحب نے بیان فرمایا کہ ۱۹۱۵ء کے لگ بھگ بوائر گیٹ ملتان میں ایک تاریخی مناظرہ منعقد ہوا۔ دُور و نزدیک سے لوگ لاکھوں کی تعداد میں مناظرہ دیکھنے آئے تھے۔ یہ مناظرہ اِسلام اور آریہ مذہب کے درمیان تھا۔ مسلمانوں کی طرف سے ایک عالم مناظر بن کر بڑی شان سے کرسی پر بیٹھا تھا۔ دُوسری طرف ایک مشہور آریہ پنڈت تھا۔ موضوعِ مناظرہ "وید الہامی کتاب ہے۔ قرآن نہیں" (معاذ اللہ)۔ مسلمان مناظر آریہ پنڈت کے مقابلہ میں کمزور پڑ رہا تھا۔ کہ معاً حضرت مولانا نواب الدین صاحبؒ اسٹیج پر تشریف لائے۔ مسلمان مناظر کو کرسی سے جبراً اُٹھایا اور فرمایا کہ یہ تمہارا مقام نہیں۔ پھر آپؒ کرسی پر تشریف فرما ہوئے۔ اُسی وقت آندھی اور بارش کا شدید طوفان آیا۔ سائبان گرنے لگے۔

لوگ بدحواس ہو گئے۔ تو حضرت اقدسؒ نے جوش میں اپنا عصا میز پر مارا۔ اور طوفان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ کہ او بے ادب گستاخ! میں اللہ کے محبوب حضورِ پُرنور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام و ذکرِ خیر لوگوں کو سُنا رہا ہوں۔ چل دُور ہو جا۔ اُسی وقت طوفان تھم گیا۔ لوگ یہ ظاہرہ کرامت دیکھ کر بحید متاثر ہوئے پھر مناظرہ شروع ہوا۔ تو آپ نے آریہ پنڈت پر اسقدر شدید عقلی حملے شروع کئے۔ کہ وہ حواس باختہ اور لاجواب ہو کر بھاگ کھڑا ہوا۔ یہ مناظرہ کئی گھنٹے کا تھا۔ نتیجۃً بےشمار کفار۔ ھندو۔ سکھ۔ عیسائی مرزائی وغیرہ مسلمان ہوئے۔ اور بےشمار مرید ہوئے۔ مناظرہ کے بعد لوگوں نے مصافحہ بھی کیا۔ اور جب سٹیج سے نیچے اُترے تو آپؒ غائب ہو گئے۔

حاجی صاحب نے پاک پتن سے آئے ہوئے پیر بھائیوں کو جب یہ واقعہ سُنایا۔ تو متعدد لوگ بول اُٹھے۔ کہ بخدا اُسی دن اور تاریخ اور وقت پر آپ ہمارے پاس پاک پتن میں موجود تھے۔

(یہ ملتان میں حضرت اقدسؒ کا روحانی طور پر پہنچکر آریہ پنڈت سے مناظرہ کرنا ایک حیرت انگیز واقعہ ہے اور اس کی رُوئیداد ابھی تک لوگوں کو یاد ہے)

ضمناً آندھی طوفانِ بادو باراں کو روکنے والی کرامات۔ اچھرہ لاہور۔ نوشہرہ پشاور اور جالندھر میں بھی آپؒ سے سرزد ہوئیں۔ اور صاحبزادہ مظفر حسن صاحب ان کے عینی شاہد ہیں۔

دہلی میں دریائے گنگا کے کنارے حضرت اقدسؒ کے تصرف کا ایک واقعہ

(۶) حاجی محمد شاہ صاحب نے مزید بیان کیا۔ کہ ایک دفعہ حضرت اقدسؒ مسجد ولی محمد بھوگ بازار میں مقیم تھے۔ وہاں سے آپ دھلی تشریف لے گئے۔ حاجی صاحب اور شیخ محمد شفیع (مرحوم) بھی ساتھ تھے۔ وہاں ایک روز دریائے گنگا کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک ریاست کا راجہ شاہانہ طمطراق کیساتھ ایک بڑے ہجوم میں لوگوں کو بغور دیکھتا ہوا آیا۔ جب حضرت اقدسؒ پر نگاہ پڑی تو بے اختیار ہو کر

حضرت رحؒ کے قدموں پر دیوانہ وار گر پڑا۔ اور رو کر عرض کیا کہ "حضرت! میری بیوی سخت بیمار ہے اُس کے لیے دُعا فرمائیں۔" چنانچہ آپ رحؒ دہلی میں اُس راجہ کے محل میں گئے اور اُس کی بیوی کیلئے دُعا فرمائی۔ آپ کی دُعا سے راجہ کی بیوی صحتیاب ہوگئی۔ راجہ نے ایک لاکھ روپے کی خطیر رقم حضرتؒ کے سپرد کی۔ آپ نے وہ رقم محمد شفیع مرحوم کو دیدی۔ اس رقم سے اُس نے لاہور میں کاروبار کیا۔ جس میں بڑی برکت ہوئی اور وہ دنوں میں لاکھ پتی بن گیا۔ (یہ دہلی میں گنگا کنارے آپ رحؒ کے تصرف کا عجیب واقعہ ہے)

وہابیوں سے مناظروں کے واقعات

دیگر حاجی صاحب نے روایات کی ہیں :- کہ

(۷) آپ رحؒ ڈیرہ غازیخاں میں واہل کے مقام پر فروکش تھے۔ کہ خبر ملی کہ جامع مسجد خواجہ نور محمد مہاروی رحؒ کے قریب وہابیوں کا جلسہ ہے۔ اور یہ بھی پتہ چلا کہ وہابی اہلبیت کرام کی سخت توہین کر رہے ہیں۔ آپ رحؒ فوراً جلسہ گاہ میں پہنچے۔ اور وہاں مولوی غلام حسین نقشبندی اور مولوی عطاء اللہ شاہ بخاری کو سخت مطعون کیا۔ اور ہزاروں کے اجتماع میں اپنا موقف بیدھڑک ایسے طریقے سے پیش کیا۔ کہ دونوں مولوی سخت نادم ہوئے اور اہلسنت والجماعت کی کھلم کھلا تائید کی۔

(۸) دیگر ڈیرہ غازی خاں میں ہی وہابیوں کا جلسۂ عام تھا۔ حاجی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت وہابی جلسہ میں بڑی بدزبانی اور گستاخیاں کر رہے ہیں۔ فرمانے لگے۔ "لو ابھی ان کا جلسہ فیل ہوتا ہے" پھر آپ نے اُس جلسہ گاہ سے کافی فاصلے پر اپنی قیام گاہ ہی سے بلند آواز میں دو شعر نعت شریف کے پڑھے۔ فی الفور اُس جلسہ گاہ سے لوگ آپ کی طرف پلٹ پڑے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ رحؒ کو لحنِ داؤدی عطا کیا تھا۔ چنانچہ وہابیوں کا جلسہ فیل ہو گیا۔

اِس مرحلہ پر جناب صوفی فضل حسین صاحب (کاتب پیغام حق) سے مزید واقعات موصول ہوئے ہیں۔ جو یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

ایک مرزائی کا حضرت اقدسؒ کے ہاتھوں قتل اور حضرت کرنالویؒ کے روحانی تصرف سے آپ رحؒ کا بری ہونا

(۱) ۱۹۲۵ء سے قبل جب قادیانیوں کے ساتھ تنسیخِ نکاح کا مشہور مقدمہ چل رہا تھا۔ تو فیصلہ سے چند یوم قبل ایک بہت بڑے جلسہ میں ایک مرزائی نے حضرت اقدسؒ کی شان میں توہین آمیز کلمے کہے اور بہت بکواس کی۔ جب بات طول پکڑ گئی تو حضرت اقدسؒ نے اُس مرزائی کو قتل کر دیا۔ یہ واقعہ آناً فاناً پھیل گیا۔ "خانقاہ سراجیہ" میں پتہ چلا۔ تو حضرت شاہ سراج الحق صاحب رحؒ نے فرمایا۔ کہ "دنیا میں کوئی مائی کا لال میرے اس شیر کا بال بیکا نہیں کر سکتا"

مقدمہ کا فیصلہ انگریز جج کے ہاتھوں میں تھا۔ قادیانیوں کو اُس کی مکمل سرپرستی حاصل تھی۔ اُس نے مرزائیوں کو یقین دلایا تھا کہ مولانا نواب الدین کو پھانسی کا حکم دوں گا۔ خواجہ سراج الحق صاحب رحؒ کو معلوم ہوا۔ تو فرمایا۔ کہ "کوئی مائی کا لال میرے شیر کو پھانسی تو کجا۔ اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔"

فیصلے کے روز حضرت خواجہ کرنالوی رحؒ خود عدالت میں تشریف لے گئے۔ اُدھر انگریز جج حضرت اقدسؒ کیلئے پھانسی کا حکم لکھ چکا تھا۔ جب وہ فیصلہ پڑھ کر سُنانے لگا۔ تو حضرت خواجہ سراج الحق صاحب رحؒ جیسے متین و متحمل مزاج شخص نے بھی نہایت غضب ناک ہو کر فرمایا۔ کہ "لے جج! سنا فیصلہ" خواجہ صاحب رحؒ بار بار یہ فرماتے۔ اور جج نہایت ہی حیران و پریشان تھا۔ کہ کل تو فیصلہ خلاف لکھا تھا۔ اور یہ آج کیسے مولانا نواب الدین رحؒ کے حق میں ہوگیا۔ جج نے نیچے اُتر کر خواجہ سراج الحق صاحب رحؒ کے قدموں پر گر کر معافی مانگی۔ اور آہ مار کر کہنے لگا۔ کہ "آپ تو بڑے پیر پادری ہیں۔" خواجہ علیہ الرحمۃ فرمانے لگے۔ "مجھے پیر پادری نہ کہو۔ میں تو اللہ تعالیٰ کا ادنیٰ سا بندہ ہوں۔"

پھر خواجہ صاحب رحؒ نے فرمایا۔ کہ اگر تم فیصلہ نہیں سنا سکتے۔ تو لاؤ یہ فیصلہ میں سُنا دوں؟

ریاست حیدرآباد دکن میں حضرت رحؒ کی شہیدِ کربلاؓ کے موضوع پر اثر انگیز تقریر

عورتوں اور مردوں نے زیورات اور نوٹوں کی بارش کر دی

(۲) اعلیٰحضرت میر عثمان علیخاں نواب دکن (جو آپؒ کا از حد معتقد تھا) نے حضرت اقدسؒ کو خط لکھکر ریاست میں تشریف آوری کیلئے مدعو کیا۔ آپؒ اسوقت جالندھر میں تھے۔ پاس ہی آپکا شاگرد مولوی عطاء اللہ شاہ بخاری[1] بیٹھا تھا۔ عرض کرنے لگا۔ مجھے بھی ساتھ لے چلو۔ تو فرمانے لگے کہ "اگر جانا ہے۔ تو وہاں انسان بن کر رہنا"۔ چنانچہ دکن پہنچکر نواب دکن کی موجودگی میں لاکھوں انسانوں کے عظیم الشان جلسہ میں نمازِ عشاء کے بعد سے نمازِ فجر تک شہیدِ کربلاؓ کے موضوع پر زبردست اور رقت انگیز تقریر کی (یہ محرم الحرام کی یکم تاریخ تھی) کہ مردوں اور عورتوں نے نوٹوں اور زیورات کے انبار لگا دیئے۔ (یہ کم از کم پچاس لاکھ کی مالیت کے تھے) مولوی عطاء اللہ شاہ بخاری کے دل میں لالچ پیدا ہوا کہ چلو کام بن گیا۔ اب خوب عیش ہوگی۔ حضرت اقدسؒ نے یہ خیال بھانپ لیا اور تمام لوگوں کی موجودگی میں فوراً یہ مال نواب دکن کے حوالے کرکے فرمایا کہ اسے بیت المال کی مد میں خزانے میں جمع کرا دیں۔ اگلے دن عطاء اللہ شاہ بخاری نے روپیہ بٹورنے کی نیت سے جلسہ میں تقریر کی۔ مگر اُسے کچھ بھی نہ ملا۔ نعت خواں کو صرف چند سو روپے لوگوں نے دیئے۔ جب لوگوں نے حضرتؒ کو یہ حال بتلایا۔ تو آپ نے عطاء اللہ شاہ کو بُلوا کر فرمایا۔ کہ "اے مردود! اب تیرا ہمارے ساتھ نِبھاہ نہ ہو سکے گا۔ چل دُور ہو جا۔" اور فرمانے لگے کہ یہ راندۂ درگاہ ہے۔ اور مردود کرکے بھگا دیا۔"

---

[1] عطاء اللہ شاہ بخاری حضرت اقدسؒ کا شاگرد تھا۔ بچپن میں حضرت سے گلستان بوستان پڑھا کرتا تھا۔ اور کئی اور دینی کتابیں آپؒ کی شاگردی میں پڑھی تھیں۔
ضمناً یہاں یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ ابتداء میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی بھی آپکے پاس آیا تھا۔ تو آپنے اُسے جھڑک کر نکال دیا۔ اور فرمایا کہ اس سے خطرناک فتنہ ظاہر ہوگا۔ یہ مردود و مطعون ہے۔ اِس سے فتنے کی بُو آتی ہے۔
(بروایت شیخ محمد اسماعیل صاحب دخان اور گنور فضل رحیم یار خان)

وظیفہ روزگار

نیز مونی فضل حسین صاحب نے حضرت اقدسؒ سے مندرجہ وظائف نقل کئے ہیں:

(۳) ملتان کے ایک دکاندار نے تنگیٔ روزگار کی شکایت کی۔ تو آپنے ارشاد فرمایا کہ بعد ادائے فرض و نوافل اس رُباعی کا وِرد رکھو۔ اللہ تعالےٰ کامیاب کر دے گا۔

رُباعی

اے کریمی کہ از خزانۂ غیب　گبر و ترسا وظیفہ خور داری

دوستاں را کجا کنی محروم　تو کہ با دشمناں نظر داری

"ثمرۂ ولایت"

(۴) نیز فرمایا۔ کہ یہ "ثمرۂ ولایت" یعنی درویش کی صفت ہے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دِلش زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

اِسمِ اعظم

(۵) جالندھر میں ارٹھ ٹانڈہ کے صُوفی عظمت اللہ نے اِسم اعظم کی بابت پوچھا۔ تو آپ نے فرمایا کہ "سب سے بڑا اِسم اعظم تصورِ شیخ[1] ہے"۔ پھر جلال میں آکر فرمایا۔ کہ اتنے عرصے سے تیرے سامنے ساڑھے تین ہاتھ کا چلتا پھرتا اِسم اعظم ہے۔ تو نے ابھی تک پہچانا ہی نہیں۔

---

[1] : مشائخِ کرام نے وصول الی اللہ کے طریقوں میں سے ایک طریقہ "رابطۂ شیخ" بتایا ہے کہ طالب صادق رابطہ اور اعتقاد کامل کے سبب اپنے مُرشد کی صحبت سے وہ کچھ حاصل کرتا ہے جو سالہا سال کی عبادت سے حاصل نہیں ہوتا۔ اور اُن کی غیر حاضری میں اُن کے تصور (تصورِ شیخ) سے اُسی طرح فیض حاصل کرتا ہے۔ جیسے حاضری میں۔
حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور جمہور مشائخ کا اس پر اتفاق ہے کہ "فنا فی الشیخ"
(باقی اگلے صفحہ پر حاشیہ میں)

افسوس ہے!"

حضرت خلیفہ محمد صدیق ناصری کی نسبت بشارتِ معیت

حضرت اقدسؒ کی مجلس میں اکثر ارادتمند آپؒ کے پاس حاجتیں لیکر آتے۔ اور دعا کے لئے عرض کرتے۔ ایک دفعہ آپؒ نے خلیفہ صاحب سے فرمایا کہ "محمد صدیق! سب لوگ اپنی اپنی حاجتیں اور خواہشیں لیکر آتے ہیں۔ تو نے آج تک (روحانی طور پر اتنے) قریب ہونے کے باوجود کوئی حاجت بیان نہیں کی"۔ تو خلیفہ صاحب نے عرض کیا کہ "حضرت! آپ کی دید ہی میرے لئے ایک ایسی سعادت ہے۔ آپ کی زیارت سے ہی میری تمام تمنائیں پوری ہو جاتی ہیں۔ بمصداق اس رباعی کے ؎

تا روئے تو دیدہ ام من اے شمع طراز ۔۔۔ نے کار کنم نے روزہ دارم نے نماز
چوں با تو بوم مجاز من جملہ نماز ۔۔۔ چوں بے تو بوم نماز من جملہ مجاز

حضرت اقدسؒ نے جوش محبت میں آکر فرمایا کہ "قسم اس خدا کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ تو قیامت تک جہاں کہیں بھی ہوگا مجھے اپنے پاس پائے گا"۔

(حضرت اقدسؒ کے وصال کے بعد غسل دینے کے وقت جب خلیفہ صاحب نے چہرہ مبارک کھولا تو آپؒ نے آنکھیں کھولیں اور خلیفہ صاحب کو دیکھ کر مسکرائے۔ یہ آپؒ کی معیت کی طرف اشارہ تھا)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۷) ہوتا بھی فنا فی اللہ ہے۔ بلکہ اعظم فنا فی اللہ ہے۔
حضرت مجدد الف ثانیؒ کو خواجہ محمد اشرفؒ نے لکھا ہے۔ کہ
"نسبتِ رابطہ (تصورِ شیخ) کی ورزش یہاں تک غالب ہوگئی ہے۔ کہ نمازوں میں اس کو اپنا مسجود جانتا اور دیکھتا ہوں۔ اگر اس کو دور بھی کرنا چاہوں تو نہیں ہو سکتا"۔
مکتوب نمبر ۳۰ جلد دوم میں (خواجہ محمد اشرفؒ کے اوپر بیان کردہ احوال کے جواب میں) حضرت مجدد الف ثانیؒ نے تحریر فرمایا ہے۔ "ایسے محبت کے نشان والے طالب اسی دولت کی تمنا کرتے ہیں۔ اور ہزاروں میں سے ایک کو ملتی ہے۔ ایسے حال والا شخص کامل مناسبت کی استعداد رکھتا ہے۔ اور شیخ مقتدا کی تھوڑی صحبت سے اس کے تمام کمالات کو جذب کر لیتا ہے۔ رابطہ کی نفی کیوں کرتے ہو؟ رابطہ مسجودٌ الیہ ہے نہ کہ مسجود۔ مسجدوں اور محرابوں کی نفی کیوں نہیں کرتے۔ اس قسم کی دولت سعادتمندوں کو میسر ہوتی ہے"۔

اس تذکرہ کے پچھلے صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے کہ حضرت اقدسؒ کی تبحر علمی، بصیرت و فراست۔ اور علم و عرفان کا شہرہ ۱۹۲۶ء سے ۱۹۳۰ء تک جالندھر اور گرد و نواح میں اپنے بام عروج تک پہنچ چکا تھا۔ اوپر بیان کردہ تصرفات و کرامات اور احوال و واقعات اس سے قبل کے دور سے بیشتر متعلق ہیں۔ اس کے بعد کا دور آپؒ کے جذب و مستی کا ایک نازک دور ہے۔ اس دور کے کچھ احوال و تصرفات اس فقیر نے بھی مشاہدہ کئے ہیں اور ثقہ لوگوں سے سنے ہیں۔ جو درج ذیل کئے جاتے ہیں۔

کوہستانِ شملہ میں حضرت اقدسؒ سے ایک یادگار ملاقات

ایک عظیم الشان جلسہ میں آپؒ کی تقریر کا جادو

(۱) میں ۱۹۳۲ء میں تعلیم سے فارغ ہو کر والد صاحب کے پاس شملہ میں مقیم تھا۔ انہی ایام جامعہ انجمن اہلسنت والجماعت شملہ کی طرف سے ایک عظیم الشان جلسہ کا انعقاد ہوا۔ جس میں ہندوستان کے جید ترین اور متبحر علماء نے شرکت کی۔ یہ جلسہ دو دن تک جاری رہا۔ میں کسی وجہ سے اس جلسہ میں نہ جا سکا۔ تیسرے روز والد صاحب کے ایک دوست کی زبانی جلسہ میں دو دن کی کارروائی کا علم ہوا۔ اس شخص نے جلسہ کی آخری نشست کو خصوصی اہمیت کے ساتھ بیان کیا۔ اس نے بتایا کہ جلسہ کی آخری نشست میں رات کے بارہ بجے ایک دراز زلف کھدر پوش درویش اسٹیج پر تقریر کرنے کیلئے تشریف لائے۔ لوگوں کا ایک جم غفیر اس درویش کی تقریر سننے کیلئے جمع تھا۔ بعض لوگوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ کہ اتنے بڑے بڑے جلیل القدر علماء کے بعد (بقول راوی) یہ ملا قسم کا مولوی کیا رنگ جما سکیگا۔ مگر جب اس درویش نے دلگداز لہجہ میں قرأت قرآنی کے بعد نہایت ہی دلنشین پیرایہ میں تقریر شروع کی تو مجمع پر سکوتِ مرگ چھا گیا۔ جیسے اس پر جادو کر دیا گیا ہو۔ تقریر آپ کی ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا۔ بیان میں ایسی دلکشی اور سحر اور خطابت میں اسقدر شعلہ نوائی تھی۔ کہ سامعین پر جذب طاری تھا۔ آپ کی تقریر چار گھنٹہ تک مسلسل اسی

انداز میں جاری رہی - یہ سُن کر مجھے گمان ہُوا کہ کہیں یہ مولانا نواب الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نہ ہوں۔ چنانچہ اسی شام میرے اس خیال کی تصدیق ہوگئی۔ شام کیوقت میں لکڑ بازار شملہ میں والد صاحب کی دوکان کے باہر بیٹھا تھا۔ کہ دُور سے ایک گروہ آتا دکھائی دیا جس کے درمیان ایک بلند قامت دراز ریش بزرگ کھدر کا کُرتہ اور تہبند پہنے اور سر پر کھدر کی ٹوپی رکھے بڑے باوقار انداز سے چلے آرہے ہیں۔ قریب آنے پر معلوم ہوا۔ کہ آپ حضرت مولانا نواب الدین صاحب قدس سرہٗ ہیں۔ میں اُٹھ کر والہانہ انداز سے آپ رحؒ کی طرف بڑھا۔ اور قدمبوسی کا شرف حاصل کیا۔ آپ رحؒ نے مجھے فوراً پہچان لیا۔ اور فرمایا۔ "طفیل محمد تُو کہاں"۔ میں نے اپنی شملہ میں والد صاحب کے پاس رہائش کا ذکر کیا۔ آپ مجھ سے بغلگیر ہوئے اور دُکان پر تشریف فرما ہوئے۔ ایک گروہِ کثیر وہاں جمع ہوگیا اور آپ کے ارشادات سے بہرہ ور ہُوا۔

یہاں یہ بیان کرنا غیر ضروری نہ ہوگا - کہ جالندھر شہر میں آپ رحؒ نہایت ہی شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ اور عالمانہ شان سے آتے تھے۔ مگر یہاں کا رنگ کچھ اور ہی تھا۔ اسوقت آپ رحؒ ایک کھدر پوش درویش تھے۔ اور جذب و مستی کے انوار کی شعاعیں آپ کے چہرۂ اقدس کے گرد ہالہ کئے ہوئے تھیں۔ یہ آپ رحؒ کی مسحور کُن شخصیت کا قلندرانہ رنگ تھا۔ آپ کافی دیر تک دُکان پر بیٹھے اپنے عارفانہ کلام کے گوہر بکھیرتے رہے۔ آپ کے بیان میں سُکر و مستی کے ساغر چھلک رہے تھے۔ اور لوگوں کا ہجوم بڑھتا رہا۔ حتٰکہ رات ہوگئی۔ پھر آپ اپنی قیامگاہ پر تشریف لے گئے۔

ہوشیار پور میں رُوح پرور ملاقات

ایک ہندو پنڈت کا آپ کی شخصیت سے متاثر ہونا

(۲) ۱۹۲۶ء میں میں کشمیری بازار ہوشیار پور میں نارائن پریس میں کام کرتا تھا۔ میں دوپہر کیوقت گھر جانے کیلئے بازار سے گذر رہا تھا۔ کہ ایک گھڑی ساز کی دوکان پر آپ تشریف فرما تھے۔ اور عالمِ جذب میں کلام فرما رہے تھے۔ لوگ سحر زدہ کھڑے آپ کے

مواعظِ حسنہ سے مستفیض ہو رہے تھے - میں نے قدمبوسی کا شرف حاصل کیا۔ میرا بیٹہ پُوچھ کر آپ شام کیوقت نارائن پریس میں تشریف لے آئے۔ میں نے کُرسی پیش کی۔ آپ "الفقر فخری" کے موضوع پر اپنے دلنشیں پیرایہ میں اسرار و رموز کے موتی بکھیرنے لگے۔ عجیب کیف کا عالم طاری ہُوا۔ میرے پاس بیٹھا ہوا پنڈت گردھاری لال آپ کے چہرہ اقدس کی طرف سحر زدہ ہو کر اک ٹک دیکھتا رہا پھر اُٹھا اور آپ کے پاؤں پکڑ کر آنکھوں سے لگائے - مجھ پر رقّت کا عالم طاری ہوگیا - آپ دیر تک بیٹھے گوہر افشانی فرماتے رہے اور شام کیوقت رُخصت ہوئے۔ آپ رحؒ کے جانے کے بعد پنڈت گردھاری لال نے کہا۔ کہ یہ تو ایک مہان آتما (مہاتما) اور اوتار ہیں۔ میں نے زندگی میں ایسا بزرگ نہیں دیکھا اور ایسا عارفانہ کلام نہیں سُنا جو دل کی گہرائیوں میں اُتر جائے۔

آپ رحؒ اس وقت ہوشیار پور سے ملحق بستی میاں علی محمد صاحب رحؒ میں قیام فرما تھے - اسی قیام میں مائی رابعہ صاحبہ اپنے بچے اور گھر بار چھوڑ کر آپ رحؒ کے قدموں میں آپڑی۔ اور آپ کی نگاہِ فیض آثار سے آپکے ارادتمندوں میں شامل ہوگئی - مائی رابعہ صاحبہ آجکل ملتان میں مقیم ہیں۔ آپ ایک صاحب جذب و حال خاتون ہیں۔ ہر وقت حضرت اقدس کی یاد میں مگن رہتی ہیں۔ کچھ عرصہ سے آپ بیچاری فالج صاحب فراش ہیں - اللہ تعالےٰ آپکو صحت عطا فرمائے -

اب ایسا دور آگیا تھا۔ کہ گذشتہ زندگی کے مناظروں۔ مقابلوں اور مباہلوں کی کشمکش کم ہوگئی تھی۔ آپ کے دیرینہ بزرگ ساتھی بچھڑ گئے تھے جن کی یاد میں آپ دلشکستہ رہنے لگے تھے۔ اور کچھ زمانے کی بد ذوقیوں اور جاہل اور حاسد مخالفین کی ریشہ دوانیوں سے تنگ آکر دُنیاوی علائق سے دل برداشتہ ہو گئے تھے۔ آپ کی باطنی خوبیاں جو گذشتہ زمانہ کی کشمکش کیوجہ سے دبی ہوئی تھیں۔ اب مزید صیقل ہو کر اُجاگر ہوگئیں۔ آپ عالمانہ اور محققانہ فضائل کے ساتھ باطنی انوار و برکات سے آراستہ و پیراستہ ہو کر منصۂ شہود پر جلوہ افروز ہوئے۔ جذب و مستی کے عالم میں ہر چیز سے بے نیاز اپنے آپ میں گم رہنے لگے۔ نہ اپنی خبر نہ

سے خوش ہوتے۔ نہ لوگوں کی آراء کی پرواہ کرتے۔ اِسی عالم میں آپ غالباً ۱۹۳۶ء میں جالندھر تشریف لائے۔ تو حالتِ سُکر میں بے خود تھے۔ حال پریشان۔ نہ کھانے پینے کی پرواہ اور نہ لباسِ فاخرہ کی احتیاج۔ ہر وقت رقّت طاری رہتی۔ اور بچھڑے ہوئے ساتھیوں کو یاد کرکے روتے رہتے۔ حتیٰ کہ ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہو جاتی۔

(۳) ایسی ہی ایک حالت میں آپ ماسٹر صاحب کی بیٹھک کے اندرونی حصّہ میں گوشہ نشین بیٹھے تھے۔ کہ میں اور بابو جلال الدّین اپنی کسی بات پر کھل کھلا کر ہنسے۔ آپؒ جیسے چونک پڑے اور بڑی یاس بھری آواز میں آہ کی۔ اور فرمانے لگے کہ "طفیل محمد! ہمیں بھی اپنی اِس خوشی سے کچھ حصّہ بخشدو۔" یہ سُن کر ہمارے دلوں پر گہری چوٹ لگی۔ اور رقّت کی حالت طاری ہو گئی۔ اِس واقعہ سے آپؒ کی درد بھری حالت اور دلِ شکستگی کا اندازہ ہوتا ہے۔

جاہ و حشم اور مال و دولتِ دُنیا سے استغناء و لاپرواہی اور مستی و بیخودی کا یہ عالم آپؒ پر بسا اوقات "مستقلاً" طاری رہنے لگا تھا۔ ایسی ہی حالت کو آپؒ نے "پیغام حق" کے مقدمہ میں بیان فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں:۔

"میری صحبت میں رہنے والے لوگ مجھ سے خوب واقف ہیں۔ کہ میں نے دولتِ دُنیا کیا تھ کیا سلوک کیا۔ اور اپنی زندگی کِس طرح گذاری۔ بعض بعض گاؤں کے رہنے والے لوگ جب میرے ساتھ کسی شہر میں آئے اور اُنھوں نے میرے حالات شہر میں دیکھے تو حیران ہوئے۔ اور بعض ارادتمندوں نے حیرانی سے سوال کئے کہ یہ کیا حالت ہے۔ اور میرے شہر والوں نے طرح طرح کے لقب میرے لئے تجویز کئے۔ اور بعض میری صحبت میں رہنے والے حیران ہوئے کہ اسقدر استغناء۔ لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ میری مستی و بیخودی اور نشہ وہ ہے جو میں آہ کروں تو دُنیا میں حشر برپا ہو جائے۔ میں اپنی موت و حیات عزّت و ذلّت سے آگے گذر گیا ہوں۔ اور جو لوگ شب و روز میرے ہمراہ رہ چکے ہیں۔ وہ تو خوب جانتے ہیں۔ اور جو جاننا چاہیں وہ بچشم خود تجربہ کریں۔ اور

قدرتِ حق کا تماشا دیکھیں۔ یہ سب کچھ کیوں ہے؟ اِس لئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کی تعلیم نے مجھے ایسا مست و بے خود بنا دیا ہے۔ کہ میں تحریر نہیں کر سکتا۔ اِسلام ایک ایسے مرتبے تک اِنسان کو پہنچاتا ہے۔ کہ جس پر وارد ہو وہی جانے۔ میرے حالاتِ زندگی جن لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں۔ یہ سب برکت رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی تعلیم کی ہے۔ کہ وہ ایک ایسی مستی اور بے خودی کا جام ہے۔ جو پئے وہ جانے۔ میں نے جو جو کچھ اپنی عمر میں کیا۔ سب کا سب تعجب خیز ہے۔

(مقدمہ پیغام حق صفحہ ۴۷۴ - ۴۷۵)

آپؒ کی گوشہ نشینی کا زمانہ

(۴) ۱۹۳۸ء کے بعد آپ چند سال جالندھر تشریف نہ لائے۔ تو خلیفہ محمد صدیق صاحب اور دیگر ارادتمند بے چین رہنے لگے۔ ۱۹۴۱ء میں ماسٹر رحیم بخش صاحب کے انتقال پر بھی جب آپؒ تشریف نہ لائے۔ تو خلیفہ صاحب آپ کی خدمت میں رمداس شریف حاضر ہوئے۔ حضرت اقدسؒ بحالتِ سُکر گوشہ نشینی اختیار کئے ہوئے تھے خلیفہ صاحب نے قدمبوسی کے بعد اپنے والدِ بزرگوار کی وفات سے آپ کو مطلع کیا۔ آپ نے گہرے غم کا اظہار فرمایا۔ اور دیر تک روتے رہے۔ پھر دُعائے مغفرت فرمائی۔ خلیفہ صاحب نے عرض کیا کہ "حضور! آپ عرصہ سے غریب خانہ (جالندھر) تشریف نہیں لائے۔ سب احباب زیارت کیلئے بے چین ہیں۔ میں آپ کو ساتھ لیجانے کیلئے حاضر ہوا ہوں۔" آپؒ نے فرمایا کہ "محمد صدیق! میری حالت دیکھ رہے ہو؟" خلیفہ صاحب نے عرض کیا کہ "حضور! آپ جس حال اور جس رنگ میں بھی ہوں۔ خاکسار کی عقیدت میں رتی بھر بھی فرق نہیں آسکتا۔" یہ سُن کر آپؒ نے فرمایا۔ کہ "محمد صدیق! تو واقعی صدیق ہے"۔ خلیفہ صاحب نے دوبارہ ساتھ چلنے کی درخواست کی۔ اور عرض کیا۔ کہ میں آپ کی جالندھر میں تشریف آوری سے کسی کو آگاہ نہ کروں گا۔ اور آپ کو پردہ میں رکھوں گا"

پھر آپ نے جالندھر تشریف لانے کا وعدہ فرمایا۔ اور ۱۹۴۳ء میں جالندھر تشریف لائے۔ اور دکان کے پچھلے حصہ میں گوشہ نشین ہو گئے۔ لوگوں سے کم ملتے۔ وہی پریشانی اور غلبۂ سُکر کی کیفیت رہی۔ بات بات پر رقت طاری ہو جاتی۔ اور ریش مبارک آنسوؤں سے بھیگ جاتی۔ کچھ روز قیام فرما کر آپ واپس مداس تشریف لے گئے۔

کوہستان ریاست منڈی میں آپ کی روحانیت کا چرچا

ایک ہندو جوگی کے ساتھ قیام

(۵) اس سے کچھ عرصہ بعد اطلاع ملی کہ آپ پٹھان کوٹ سے ہوتے ہوئے ریاست منڈی پہنچ گئے ہیں۔ نمازی آپ کی شخصیت سے بیحد سحر زدہ ہوئے۔ آپ جامع مسجد میں ہی قیام پذیر ہوئے۔ جمعہ کے دن آپ نے وعظ فرمایا اور خطبہ دیا۔ آپ کے وعظ میں اسقدر جاذبیت اور سوز و گداز تھا۔ کہ اللہ اکبر! وعظ کے بعد لوگ پروانہ وار آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ یہ آپؒ کی روحانیت اور تصرفات کا اعجاز تھا۔ کہ وہاں کے مسلمانوں کی اکثریت اپنے اہل و عیال سمیت آپ کے مُرید ہو گئے۔ والد صاحب کو پتہ چلا۔ تو آپؒ کو اپنے پاس کوارٹر میں لے آئے۔ وہاں مسلمان تو مسلمان ہندو بھی آپ کے مواعظ سے مستفیض ہوتے۔ یہ غالباً ۱۹۴۴ء کا واقعہ ہے۔

منڈی میں چند ماہ قیام کے بعد آپ کلو کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس سفر میں آپ کے ساتھ گھوڑے اور کتے بھی تھے۔ راستے میں ایک پُرفضا مقام "بل" سے گذرتے ہوئے ایک ہندو سادھو کی جھونپڑی دیکھ کر آپؒ اس میں بیدھڑک داخل ہو گئے۔ سادھو جوگی آپ کو دیکھ کر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ آپؒ نے فرمایا۔ کہ "سنت جی! ہم تمہارے پاس رہنا چاہتے ہیں"۔ سادھو نے کہا۔ کہ "حضرت! آپ بڑے ذی شان بزرگ ہیں۔ اور میرے پاس خدمت کیلئے آپ کے قابل کوئی چیز نہیں۔" آپؒ نے فرمایا

کہ "ہم ہر حال میں خوش رہیں گے"

حضرت اقدسؒ اس جوگی کے ساتھ تین ماہ تک تقریباً قیام فرما رہے۔ سُنا ہے کہ وہ جوگی ایک بڑا کیمیاگر تھا۔ مگر حضرتؒ نے اُسے جو کیمیا بخشی ہو گی۔ اِسے کون سمجھ سکتا ہے۔ یہ بھی سُنا گیا ہے۔ کہ حضرت اقدسؒ کی روحانیت کی شہرت سارے علاقہ میں پھیل گئی اور اردگرد سے لوگ آپ کی زیارت کے لئے آتے تھے۔ اور ہندوؤں کی زبانوں پر یہی چرچا تھا۔ کہ آپؒ کی صورت میں ایک اوتار نے جنم لیا ہے۔

(یہ واقعات مجھے اپنے والد اور بہنوئی نے بتائے جو اس وقت منڈی میں تھے)

حضرت اقدسؒ کا گوشہ نشینی سے باہر آنا اور وہابیوں کا میدان چھوڑ کر بھاگنا

جالندھر شہر میں آپؒ کا آخری معرکہ

(۶) اس وقت ایک واقعہ یاد آگیا۔ جب کہ آپ سُکر و بیخودی کے عالم میں جالندھر شہر میں ماسٹر رحیم بخش صاحب کی بیٹھک میں گوشہ نشینی اور گرد و پیش سے بے خبری کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ یہ واقعہ میرے بہنوئی محمد اسلم (جو گلاسکو میں مستقل رہائش رکھتے ہیں) نے بیان کیا ہے۔

جن دنوں میں "ذکرِ پاکاں" میں حضرت اقدسؒ کے حالات کو ترتیب دے رہا تھا۔ محمد اسلم مذکور پاکستان آیا ہوا تھا۔ حضرت اقدسؒ کے حالات پڑھ کر اُس نے کہا۔ کہ "مولانا نور الدین صاحبؒ تو ایک بہت بڑے درویش۔ متبحر و جید عالم اور مناظر اعظم تھے۔ جن دنوں آپ ماسٹر رحیم بخش صاحب کی بیٹھک میں انتہائی سُکر کی حالت میں عزلت گزین تھے۔ آپ جلسوں اور مجالس وعظ سے کنارہ کش تھے۔ اسی زمانہ میں جالندھر کے غیر مقلد مولوی محمد علی اور خیر المدارس کے مولوی خیر محمد اور مسجد نور کے کٹر وہابی امام نے اہلسنت والجماعت کے مسلک اور صوفیائے کرام کے خلاف ریشہ دوانیاں شروع کر رکھی تھیں۔ وہ جلسے کرتے اور سٹیج پر آکر مناظرے کے لئے کھلا چیلنج دیتے۔ مسجد نور کے امام نے تو اہل اللہ کے خلاف زور شور سے گستاخی کی حد تک سرگرمیاں شروع کر رکھی تھیں۔ حضرت اقدسؒ کے

کانوں میں وہابیوں کی اِن سرگرمیوں کی بھنک پہنچی - اور آپ جیسے چونک پڑے - ایکدم فرمانے لگے - "محمد اسلم! چلو مسجد میں چلیں" - پھر آپ مسجد کے کنوئیں کے پاس جاکر بیٹھ گئے - اور فرمایا - کہ "کنوئیں سے پانی نکالکر مجھ پر ڈالو" - یہاں تک میں نے آپ پر ۱۰۱ پانی کے بوکے ڈالے - پھر فرمایا - کہ "اب میں مسلمان ہوگیا ہوں" - پھر آپ نے مسجد میں نماز پڑھی - اور درگاہ حضرت امام صاحب رح میں جلسۂ عام کا اعلان کردیا - اس جلسہ میں آپ نے تمام مذکورہ مولویوں کو زبردست چیلنج دیا - کہ مسائل مذکورہ پر آکر مناظرہ کریں -

یہ ایک حقیقتِ مسلّمہ ہے کہ آپ کے چیلنج کے جواب میں کوئی بھی مولوی مقابلہ پر آنے کی جرأت نہ کرسکا - مذکورہ مولویوں کو یہ کہتے بھی سنا گیا - کہ جب تک مولانا نواب الدین رح زندہ ہے - ہم اپنے (ذلیل) مقاصد میں کامیاب نہیں ہوسکتے -"

ساحر صدیقی (مرحوم) کی حضرت اقدس رح سے والہانہ عقیدت و ارادت اور آپ رح کے تصرف کا ایک واقعہ

(۷) خلیفہ محمد صدیق صاحب کے بڑے صاحبزادہ غنیمت علی ساحر صدیقی (مرحوم) جب سنِ شعور کو پہنچے - اس زمانہ میں حضرتِ اقدس رح کبھی کبھی جالندھر تشریف لاتے تھے - ساحر کو ان مختصر اوقات میں آپ رح کی صحبت میں رہنے کا شرف ملا - اُس وقت ساحر شعر کہنے لگ گیا تھا - شروع ہی سے ساحر کے اشعار میں ایک خاص کیفیت پائی جاتی تھی - حضرت اقدس رح اس کے اشعار سن کر تعجب کا اظہار فرماتے - یہ غالباً ۱۹۳۶ء کا زمانہ تھا کہ ایک موقعہ پر حضرت رح نے ساحر کو ایک مصرعہ دے کر فرمایا - کہ اس پر غزل کہو - ساحر نے پندرہ منٹ میں غزل لکھ کر پیش خدمت کردی - آپ رح غزل سنکر واہ واہ کہتے ہوئے چارپائی سے نیچے اُترے اور ساحر کو سینہ سے لگاکر تھپکی دی - اور فرمایا کہ "کسی وقت یہ صاحبزادہ شاعری میں ایک بلند مقام حاصل کرے گا - اور صاحبِ کتاب (صاحبِ دیوان) ہوگا -" سبحان اللہ! حضرت اقدس رح کی پیشین گوئی درست ثابت ہوئی - اور ساحر نے اپنے دور کے

شعراء میں ایک بلند مقام حاصل کیا - (افسوس! کہ عنفوانِ شباب میں اپنی عظیم شہرت کے ابتداء میں ہی وُہ اس جہاں سے رخصت ہوگیا) ساحر صدیقی کا ایک مجموعۂ کلام "جامِ حیات" کے نام سے طبع ہوچکا ہے - اور باقی کلام اشاعت کے لئے ترتیب دیا جارہا ہے -

ساحر صدیقی حضرتِ اقدس رح سے والہانہ عقیدت رکھتا تھا - آپ رح بھی ساحر پر خاص توجہ فرماتے تھے - حضرت رح کے آخری دورِ زندگی میں ساحر آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوا - اور آپ کے آخری سفروں میں آپکے ساتھ رہا - آپ رح کی صحبت میں اُس پر بیخودی کی حالت طاری رہتی - اور ان سفروں میں اُس نے حضرت اقدس رح کے عجیب و غریب احوال کا مشاہدہ کیا - ساحر نے مجھے اس دور میں آپ کے تصرف و کرامات کے کئی واقعات سنائے تھے - مگر میں اپنے حافظہ میں محفوظ نہ رکھ سکا - صرف کلیر شریف کے سفر کا ایک واقعہ یاد ہے - جو درج کیا جاتا ہے -

(۸) "کلیر شریف سے واپسی پر (غالباً یہ حضرت اقدس رح کا آخری سفرِ کلیر شریف تھا) آپ رح ارادتمندوں کے ہجوم میں گھرے ہوئے رڑکی سٹیشن پر بیٹھے وعظ فرمارہے تھے - لوگ وارفتگی کے عالم میں آپ کا کلام سن رہے تھے - اِسی اثناء میں دو مفرور ڈاکو جن کے پیچھے پولیس لگی ہوئی تھی حلقہ میں آکر بیٹھ گئے - آپ رح کی نگاہ اُن پر پڑی - اُن کی حالت بھانپ کر اشارہ سے اُنہیں اپنے پاس بلایا - اور اُن کا حال پوچھا - اُنہوں نے اپنی گرفتاری کا خطرہ بیان کرتے ہوئے آپ سے دُعا اور معاونت کی درخواست کی - حضرت رح نے فرمایا - کہ "تم مطمئن بیٹھے رہو - پولیس تمہیں گرفتار نہ کرسکیگی" - اتنے میں پولیس بھی آگئی - اور مجمع کے گرد چکر لگاتی رہی - مگر آپ کی ہیبت سے مرعوب ہوکر کوئی اقدام نہ کرسکی - حضرت رح نے خود ہی پولیس آفیسر کو بلاکر پوچھا کہ کیا بات ہے؟ اُنہوں نے مجرموں کی طرف اشارہ کرکے عرض کیا - کہ وہ اِنہیں گرفتار کرنے آئے ہیں - آپ رح نے فرمایا - کہ "تمہارے پاس وارنٹ گرفتاری ہیں - تو اِنہیں لے جاسکتے ہو" - پولیس والوں نے اپنے بیگوں میں بار بار وارنٹ تلاش کئے - مگر مِل نہ سکے - آخر پولیس والے بڑے پریشان و شرمسار ہوئے - اور آپ سے معذرت کی اور چلے گئے - یہ دیکھکر دونوں مجرم

آپ کے قدموں پر گر کر تائب ہوئے"۔

سائر صدیقی اور دوم نے حضرت اقدسؒ کے حضور نذرانۂ عقیدت پیش کیا تھا جو "شیخ طریقت ہیں" کے عنوان سے اس تذکرہ کے شروع میں درج ہے۔

گڑھ شنکر میں ایک صاحب کشف بزرگ سے ملاقات

(۹) خلیفہ محمد صدیق صاحب باجری بیان کرتے ہیں۔ کہ گڑھ شنکر میں ایک بزرگ مولوی عمر دین صاحبؒ (جو حضرت خواجہ اللہ بخش تونسویؒ کے خلفاء میں ایک صاحب کشف و حال بزرگ تھے) رہتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت اقدسؒ چند رفقاء کے ساتھ مولوی صاحب موصوف سے ملاقات کی غرض سے روانہ ہوئے۔ گاڑی سے اتر کر دو ڈھائی میل کی مسافت تھی۔ حضرت دُور تک پیدل چلے پھر ایک درخت کے سایہ میں بیٹھ گئے۔ یہ آپ کے دوائی کھانے کا وقت تھا جو شہد کے ساتھ استعمال کی جاتی تھی۔ مگر شہد موجود نہ تھا۔ دیکھتے ہیں کہ ایک شخص گھوڑے پر سوار چلا آرہا ہے۔ قریب آکر وہ شخص گھوڑے سے اترا اور آپؒ کی قدمبوسی کی۔ استفسار پر پتہ چلا کہ مولوی عمر دین صاحبؒ نے اسے آپ کے استقبال کیلئے بھیجا تھا۔ حضرت اقدسؒ اس کی معیت میں مولوی صاحب کی اقامت گاہ پر پہنچے۔ تو مولوی عمر دین صاحبؒ نے سب سے پہلے آپ کی خدمت میں شہد پیش کیا۔ کہ آپؒ دوائی استعمال کر سکیں۔

حضرت اقدسؒ کا رجال الغیب سے ملاقات کا واقعہ

(۱۰) جناب غلام محی الدین خاں صاحب (فیصل آباد) جو حضرت اقدسؒ کی وفات سے ایک ڈیڑھ سال قبل بیعت ہوئے تھے۔ اور چند سفروں میں آپؒ کی رفاقت میں بھی رہے تھے۔ ایک واقعہ عزیزی نثار قطب صدیقی کی وساطت سے روایت کرتے ہیں:۔

واقعہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت اقدس چند رفقاء کیساتھ سفر میں گاڑی کے انتظار میں ریلوے اسٹیشن پر بیٹھے تھے۔ کہ اسٹیشن ماسٹر نے ایک شخص کے ذریعہ آپکو سلام

اور اپنے کمرہ میں تشریف لانے کی درخواست کی۔ آپ چند رفقاء کیساتھ جن میں غلام محی الدین خاں بھی شامل تھے سٹیشن ماسٹر کے کمرہ میں پہنچے جس نے بڑی عزت سے آپ کو کرسیوں پر بٹھایا۔ اور چائے پیش کی۔ (وہاں آپ کے ساتھیوں کی تعداد پہلے ہی چائے کا انتظام تھا) آپ چائے پی رہے تھے کہ دفعتاً ایک کونے سے ایک بلند قامت بزرگ۔ نورانی چہرہ، سفید دراز ریش گیروا لباس پہنے نمودار ہوئے۔ حضرت اقدسؒ سے دست بوسی اور معانقہ کے بعد اس بزرگ نے آپؒ کے گرد سات چکر لگائے۔ اور ایک طرف جاکر غائب ہو گئے۔ سب لوگوں نے حیرانی سے یہ واقعہ دیکھا۔ (معلوم ہوتا ہے کہ وہ بزرگ رجال الغائب میں سے تھے اور آپ کی زیارت کیلئے آئے تھے) اس واقعہ سے حضرت اقدسؒ کے بلند مراتب روحانی کا پتہ چلتا ہے۔

"ذکرِ پاکاں" کی وصولی پر جناب غلام محی الدین خاں صاحب نے حضرت اقدسؒ کی شخصیت پر اپنے تأثرات بیان کرتے ہوئے دو مزید واقعات بھی ارسال کئے ہیں آپ کا مکتوب بعینہٖ درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

عزیزم سلام مسنون!

آپ کی مساعی کا علمی جمیل بہ شکل "ذکرِ پاکاں" موصول ہوا۔ آپ کی اس نوازش کا ممنون ہوں۔ دعا ہے کہ مولا کریم آپ کو اپنے اگلے پروگرام کی تکمیل میں خاطر خواہ کامیابی عطا فرمادیں۔

قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح تو اس شعر (جو غالباً انہی سے منسوب ہے) کے مصداق ہے۔ ؎

کچھ بلبلوں کو حفظ ہے کچھ قمریوں کو یاد
عالم میں ٹکڑے ٹکڑے میری داستاں کے ہیں

سرشارِ توحید کے جلادوں کی کثرت ہی ہوتی ہے۔ اب ان کی یادوں کے ذریعہ بلبلوں اور قمریوں سے ہی اکٹھے کرنے پڑیں گے۔ ہو سکتا ہے آپ کے ذریعے فیض کے خواص بہ رنگین پر نہ ہے گلستانِ حیات سے شمار سے دارالقرار کی طرف پرواز کر چکے

ہوں۔ پھر بھی جو بندہ یا بندہ!

آپ نے جس واقعہ کی طرف اِشارہ فرمایا ہے۔ وہ ایک خاتون طالبہ کے متعلق ہے۔

حضرت اقدسؒ کی شریعت طریقت حقیقت اور معرفت کے درارج کی ایک انوکھی اور عام فہم تفسیر

(۱) پٹیالہ کے تبلیغی سفر کے دوران آپؒ کے وعظ کا شہرہ دُور و نزدیک تک پھیلا۔ تو ایک خاتون طالبہ آپ کی مجلس میں تشریف لائیں۔ زیادہ ہی پڑھی لکھی معلوم ہوتی تھیں۔ ہوں نے شریعت۔ طریقت۔ حقیقت اور معرفت کی مقامی اہمیت اور باہمی ربط کے متعلق استفسار کیا۔ اور سیر حاصل بحث کے لیئے کسی مناسب فرصت کا وقت مانگا۔ کیونکہ اُس کے نزدیک یہ ایک دقیق اور پیچیدہ مسئلہ تھا۔ جو اُس کے متعدد بار دیگر علماء و فضلاء کے رجوع کے باوجود تشنۂ حل تھا۔ قبلۂ عالمؒ نے فرمایا کہ وہ اِطمینان سے بیٹھ جائے۔ تاکہ اُسے مسئلہ سمجھا دیا جائے۔ طالبہ کے ذہن میں یہ بات جاگزیں ہو چکی تھی۔ کہ مسئلہ طُول کھینچے گا۔ لہٰذا اُس نے وقت کیلئے برابر اصرار کیا۔ اور آپؒ کے اس جواب پر کہ وہ اُسے مسئلہ ابھی سمجھا دیں گے۔ وُہ اضطراب اور تشنگی کے احساسات لیئے واپس لوٹی تا آنکہ اُس کمرہ کی جہاں آپ جلوہ افروز تھے بیرونی دہلیز پر پہنچ گئی۔ آپ نے پھر مُشفقانہ لہجہ میں فرمایا کہ میں تمہیں اس حالت میں کہ تیرا ایک پاؤں دہلیز کے اندر اور دُوسرا پاؤں باہر ہے۔ تجھے اِس مسئلہ سے آگاہ کر سکتا ہوں۔" چونکہ اب حُجّت قوی تھی اور مزید گنجائش نہ تھی۔ طالبہ دہلیز پر ٹھٹھک گئی۔

مجلس میں حُقّہ پڑا تھا۔ قبلۂ عالمؒ نے طالبہ کی توجہ اس کی جانب مبذول کرا کر مثالاً فرمایا۔ "ملاحظہ ہو یہ ساری شریعت ہے۔ پینیدے میں پانی اور چلم میں تمبا کو اِسکی طریقت ہے۔ اور کھینچا جانے والا دُھواں اِسکی حقیقت ہے۔ اور پھر حُقہ نوش کو جو کش سے لذّت ملتی ہے۔ وہ اِس کی معرفت ہے۔ طالبہ جواں کو

چار علیحدہ راستے سمجھکر بھٹک رہی تھی۔ فوراً ہی جادۂ مستقیم پاکر مطمئن واپس ہوئی۔

دقیق مسائل کو سادہ اور لطیف پیرایہ میں بیان کرنے میں

حضرت اقدسؒ کی فراست

(۲) نہایت ہی سادہ اور لطیف پیرائے میں مُخاطب کے حسب ظرف ادق مسائل کو سمجھانے میں حضرتؒ کی فراست کا کوئی جواب نہ تھا۔

رسالہ "سُلطانُ المشائخ" میں بہت عرصہ ہُوا یہ واقعہ نظر سے گُذرا۔ تحریر تھا۔ کہ ایکدفعہ کسی نے "ختم" پر اعتراض کیا۔ پُوچھا۔ "کیا قُرآن پڑھنا جائز ہے؟" جواب مِلا "ہاں"۔ پھر پُوچھا۔ "اور کھانا تناول کرنا؟" اِس کا بھی وُہی جواب مِلا۔ پھر فرمایا۔ کہ "ہم اگر دونوں جائز کام بیک وقت کرلیں۔ تو کیا اعتراض ہے"۔ معترض لاجواب اور شرمسار ہُوا۔

(غلام محی الدّین خاں)

(راقم الحروف نے ایک مجلس میں خُود حضرتِ اقدسؒ کی زبانی اِس مسئلہ کو اِسی پیرایہ میں بیان فرماتے ہُوئے سُنا ہے۔ مؤلف)

صاحبزادہ جناب حافظ مظہر الدّین صاحب مدظلہٗ اپنے والد ماجد (حضرت اقدسؒ) کے حالات میں چند مزید علمی و رُوحانی واقعات تحریر فرمائے ہیں۔ جو آپؒ کے احوال و معارف کی ایک انوکھی تفسیر ہے۔

دُنیا میں بھی طوق۔ آخرت میں بھی طوق

(۱) ریاست کپور تھلہ میں ایک گاؤں مقصود پور تھا۔ جہاں قاضی صاحب آوان شریف والوں کے خلیفہ سائیں فتح شاہ صاحب رہتے تھے۔ اُن کی خانقاہ گاؤں سے باہر تھی۔ اِس گاؤں کے زمینداروں کی بیشتر تعداد اباجان کی مُرید تھی۔ لیکن اباجان

کا قیام سائیں صاحب کی خانقاہ میں ہوتا تھا) ایک روز مویشی چرا کر شام کو گاؤں کی طرف آ رہے تھے۔ اِن میں ایک سیاہ رنگ کی بھاری بھر کم بھینس بھی تھی۔ جِس کے گلے میں چارپائی کا ایک بھاری پاوا بندھا ہُوا تھا۔ اَور پاؤں میں جھانجریں تھیں۔ وہ چھن چھن کرتی سامنے سے گذری۔ تو مَیں نے ابّا جان سے پاوے کی طرف اشارہ کرتے ہُوئے پُوچھا کہ "یہ کیا ہے؟" فرمانے لگے۔ کہ "بیٹے! یہ اعمالنامہ ہے۔" اَور پھر سائیں صاحب کی طرف مُخاطب ہو کر فرمایا۔ "یہ بچہ پُوچھتا ہے کہ یہ کیا ہے؟" پھر فرمایا۔ "دُنیادار کے گلے میں یہ اعمالنامہ آخرت میں ہی نہ ہو گا۔ یہاں بھی لٹکا رہتا ہے۔ جو اسے چین نہیں لینے دیتا۔"

دُنیادار درویش کے پاس بندھا ہُوا ہی آتا ہے۔ ورنہ اُسے فرصت ہی نہیں ملتی

(۱) حافظ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ ایک روز فرمایا۔ "مَیں ایک درویش کیساتھ ہوشیارپور کے سٹیشن سے باہر درخت کے سایہ میں بیٹھا تھا۔ کہ سامنے سے دو سپاہی گذرے۔ جنہوں نے ایک شخص کو گرفتار کر رکھا تھا۔ اتفاقاً اُس کی نظر درویش پر پڑ گئی۔ اُس سپاہی سے کہا کہ "وہ سامنے میرے مُرشد بیٹھے ہیں۔ مجھے اُن سے مِل لینے دو۔" سپاہی نے ڈانٹ کر کہا کہ "تجھ جیسوں کے بھی مُرشد ہوتے ہیں؟" دُوسرا سپاہی میرے سلسلہ میں داخل تھا۔ وہ بولا کہ "میرے شیخ بھی بیٹھے ہیں۔ چلو زیارت کر لیں۔" گرفتار شُدہ شخص اپنے شیخ سے مِلا۔ تو اُنہوں نے پُوچھا۔ "تُو کون ہے؟" وہ بولا۔ کہ "آپ کا غلام۔" فرمایا کہ "کب بیعت کی تھی؟" وہ بولا کہ "اٹھارہ سال قبل۔" وہ بزرگ مجھ سے فرمانے لگے۔ کہ "مولوی صاحب! دُنیادار درویش کے پاس بندھا ہُوا ہی آتا ہے۔ ورنہ اُسے فرصت ہی نہیں ملتی۔"

پادری سے مناظرہ

(۲) دسوہہ کے قریب ایک گاؤں میں حضرت اقدسؒ کا قیام تھا۔ کہ ایک شخص نے بتایا۔ کہ لُدھیانہ کے قریب عیسائیوں کیساتھ مُسلمانوں کا مناظرہ ہونا قرار پایا ہے۔ شرط یہ ٹھہری

... غالباً حضرت بابا ... شاہ صاحبؒ دسوہہ شریف والے تھے۔

ہے۔ کہ دونوں مذاہب کی مذہبی کتابوں کو آگ میں ڈالنے کا فیصلہ طے پایا ہے۔ کہ جو کتاب آگ میں سلامت رہے گی۔ وُہی مذہب سچا ہے۔ آپؒ یہ سُنکر فوراً گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ اَور وقت مقررہ پر مناظرہ گاہ میں پہنچ گئے۔ عوام حضرتؒ کی آمد سے بیحد خوش ہُوئے۔ اَور اُن میں نیا جوش اَور ولولہ پیدا ہو گیا۔ آپؒ نے سٹیج پر کھڑے ہو کر اعلان کر دیا۔ کہ کتابوں کو آگ میں ڈالنے کی کیا ضرورت ہے؟ مَیں اَور پادری آگ میں جاتے ہیں۔ جو بچ گیا اُسی کا مذہب سچا ہو گا۔ یہ کہکر پادری کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ اَور اُسے اُٹھا کر آگ کی طرف چل پڑے۔ پادری چیخ رہا تھا کہ مجھے بچاؤ۔ عیسائیوں کے اِصرار پر اُسے چھوڑ دیا گیا۔ اَور پادری کا طلسم باطل ہو گیا۔ بعد میں آپ نے بتایا۔ کہ انجیل کو مسالہ لگا دیا گیا ہو گا۔ تاکہ وہ محفوظ رہے۔ کسی نے کہا کہ کیا آپ آگ میں سلامت رہتے؟ فرمایا۔ کہ "یہ اللہ جانتا ہے۔ خیال تو یہی ہے۔ کہ سُنّتِ اِبراہیمی پُوری ہو جاتی۔"

اللہ تعالیٰ پر کامِل بھروسہ کرنا
نیکی کی بُنیاد رکھنے والے کو اجر ملتا رہتا ہے

(۳) کوہِ شوالک کے عقب میں ایک سعودی مقام پر ایک صحابیؓ کا مزار بیان کیا جاتا تھا۔ ایک روز حضرتؒ نے ارشاد فرمایا۔ کہ چلو صحابیؓ کے مزار کی زیارت کو چلیں۔ بہت سے لوگ ساتھ چلنے کو تیار ہو گئے۔ آپؒ کے خلیفہ صُوفی علی بخش صاحب نے عرض کیا۔ "حضور! یہ غیر مُسلم علاقہ ہے۔ اور دُشوار گُزار بھی۔ مَیں خوراک کا انتظام کر کے گدھوں پر لاد دیتا ہُوں۔ تاکہ تکلیف نہ ہو۔" فرمایا۔ "زندگی میں روزی کی کبھی پرواہ نہیں کی۔ یہ بے اسباب ہی ملتی رہتی ہے۔ اللہ مالک ہے۔ چلتے ہیں۔" شیخ اِسماعیل اَور صُوفی علی بخش بھی ساتھ تھے۔ پہلی شام ایک جگہ پہنچے۔ تو وہاں دیگیں پک رہی تھیں۔ لوگ آپؒ کو دیکھ کر بہت خوش ہُوئے اور کہنے لگے۔ کہ "یہ نیاز کی دیگیں ہیں۔ ختم دیجئے اَور کھائیے۔" صُبح ایک درخت کے قریب سے گُذرے۔ تو درخت سے چند گٹھڑیاں لٹکتی دیکھ کر سوال

کیا۔ کہ یہ کیا ہے؟ عرض کیا گیا۔ کہ یہ نیاز کے چاول باندھ لیے گئے ہیں۔ تاکہ سفر میں کام آویں" ارشاد فرمایا۔ کہ "کرشمۂ قدرت دیکھ کر بھی اللہ کی رزّاقی پر یقین نہیں آیا۔ یہ واپس کر دو۔" اگلی شام چند آدمی قدموں پر آ گرے۔ آپ نے پُوچھا۔ کہ آپ یہاں کہاں ہو؟ وہ بولے۔ کہ "حضور! ہم نے یہاں آموں کا باغ لے رکھا ہے۔" چنانچہ اِن لوگوں نے بڑی خدمت کی۔ آگے چل کر ایک چرواہے سے راستہ پُوچھا۔ تو وُہ کافی دُور تک ساتھ لے آیا۔ جانے لگا تو آپ نے اُسے چھ آنے دیئے۔ بعد میں صُوفی علی بخش سے کہا۔ کہ "نیکی کی بُنیاد رکھنے والے کو اجر ملتا رہتا ہے۔ اِس بچّے کو ترغیب ہو گی۔ کہ راستہ بتلانے سے فائدہ ہوتا ہے۔ یہ نیکی میں مشغول ہو جائیگا۔ اور مُجھے اجر ملتا رہے گا۔"

کشمیر کا ایک واقعہ

(۳) کشمیر کے پہلے سفر کا ذکر کرتے ہوئے ایک روز فرمایا کہ "میری شہرت اور مقبولیت دیکھ کر ایک شخص ساتھ ہو گیا۔ وُہ بڑا قوی ہیکل اور طاقتور تھا۔ اُس کے اصرار کے باوجُود میں نے اُسے بیعت نہیں کیا۔ میرا قلب اُس کی طرف رجُوع نہ کرتا تھا۔ رات کیوقت وُہ سر اُٹھا کر ہمیں دیکھتا۔ لیکن مجھے بیدار دیکھ کر پھر سر نیچے کر لیتا۔ اُس کے پاس خنجر بھی تھا۔ جو میں نے دیکھنے کے بہانے لے کر اپنے ساتھی کو دے دِیا۔ ایک دِن پہاڑ سے ہم گذرنے لگے۔ تو راہ میں ایک بھاری پتھر دیکھ کر میں نے کہا۔ کہ یہ پتھر راہ سے ہٹ جائے تو گذرنے والوں کو تکلیف نہ ہو گی۔ میں نے اُسے پتھر دھکیلنے کیلئے کہا۔ لیکن کوشش کے باوجُود اُسے نہ ہلا سکا۔ میں نے آسانی سے دھکیل کر کھڈ میں پھینکدیا۔ تو وُہ حیران رہ گیا۔ بعد میں میں نے اُسے اُس کے ارادہ سے آگاہ کیا۔ تو وُہ شرمندہ ہو گیا۔ کشمیر میں میرا سُرخ و سفید رنگ دیکھ کر لوگ شاہ جی کہہ رہے تھے۔ جب میں نے بتایا کہ میں سیّد نہیں راٹھ ہوں تو میری صدق مقالی کا اُن پر اَور بھی اثر ہوا۔"

آپؒ کے پیر بھائی بابا عبد اللہؒ کی روایت بھی اِسی مضمون سے مِلتی جُلتی ہے۔

"درویشی سے بڑھ کر اور کونسی شاہی ہے"

آپؒ کی بابت حضرت کرنالویؒ کا ارشاد

(۵) حضرت اقدسؒ کے پیر بھائی بابا عبد اللہؒ کی روایت ہے۔ کہ جب حضرت اقدسؒ شجرہ سلسلہ عالیہ چھپوا رہے تھے۔ تو مولوی عبد العزیز نے حضرت خواجہ کرنالویؒ سے کہا۔ کہ "مولوی نور الدّین بھی سیّد بن گیا ہے۔" خواجہؒ نے فرمایا۔ کہ "وہ کیسے؟" مولوی صاحب نے کہا۔ کہ اُنہوں نے شجرہ میں اپنے نام کے ساتھ "شاہ" لکھا ہے۔ خواجہؒ بولے۔ کہ "درویشی سے بڑھ کر اور کونسی شاہی ہے؟" حضرتؒ نے شیخ کا جواب سُنا تو فرمایا۔ "الحمدُ للہ کہ شیخ نے مجھے درویش تسلیم کر لیا ہے۔"

"فقر کا شاہباز ہر پرندے کو نہیں پکڑتا"

اِلّا یہ کہ وُہ اُس کے شایانِ شان ہو

(۶) قادیاں کے قریب سیدواں کے ایک گاؤں مسانیاں میں آپؒ کا قیام تھا۔ وہیں ایک عنایت اللہ شاہ صاحب کے پاس کئی باز تھے۔ اُن کی ساری دلچسپیاں اپنی بازوں تک محدُود تھیں۔ ایکدن ایک لڑکے نے آ کر اطلاع دی کہ فلاں درخت پر ایک باز آ کر بیٹھا ہے۔ شاہ صاحب جال کبُوتر لیکر اُس جگہ پہنچے۔ واپس آئے تو خالی ہاتھ تھے۔ حضرتؒ نے پُوچھا۔ "شاہ جی! باز نہیں پکڑا گیا؟" موصُوف نے جواب دیا۔ کہ "خود ہی نہیں پکڑا۔ وُہ تو مجھ سے بھی بُوڑھا تھا۔ اِسے پکڑ لیتا تو اُلٹا مجھے خود کھلانا پڑتا۔"

اِس سلسلے میں فرمایا۔ کہ "فقر کا شاہباز بھی ہر پرندے کو نہیں پکڑتا۔ اِلّا یہ کہ وُہ اُس کے شایانِ شان ہو۔ مُبارک ہیں وُہ لوگ جنہیں رحمت پکڑ لے اور قابلِ تحسین ہیں وُہ جو مصائب و آلام کی زندگی میں حوصلہ نہیں ہارتے۔ طلبِ مولیٰ میں زندگی گُزارتے ہیں۔" ؎

جو غمِ تیری طلب میں گنوائے جاتے ہیں
کچھ ایسے لوگ بھی دُنیا میں پائے جاتے ہیں

کلیر شریف میں حضرت اقدسؒ کی آخری حاضری کے چند دلگداز واقعات
حضرت مخدوم پاکؒ کے آستانہ پر غلبۂ عشق اور جذب و بیخودی میں لوٹنا

(۱) کلیر شریف کے سالانہ عرسوں کے مواقع پر آپ ہمیشہ حاضری دیتے تھے۔ صرف سُکر کے دنوں میں حاضر نہ ہو سکے۔ کلیر شریف کے مشہور درویش اور رئیس سید محمد شاہ صاحب نے ایک موقع پر فرمایا۔ کہ جوانی کے عہد میں ایکدفعہ مولاناؒ کا ایک عُرس سے لیکر اگلے عُرس تک وہیں قیام رہا۔ ان دنوں آپؒ پر عشق کا غلبہ تھا۔ ہردوار کے علاقہ میں بھی گھومتے رہتے۔ اس علاقہ کے بہت سے لوگ آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔ سجادہ نشین صاحب نے بھی انہی ایام میں بیعت کی تھی۔

آخری حاضری کیوقت آپؒ کیساتھ کثیر جماعت تھی۔ صاحبزادگان بھی۔ شیخ محمد اسماعیل ڈاکٹر مشتاق احمد صدیقی اور مولا بخش بھی۔ اس عہد کے احوال و کیفیات کا بیر رسالہ متحمل نہیں ہو سکتا۔ اس عُرس میں آپؒ پورا ہفتہ کلیر شریف میں قیام پذیر رہے۔ راتدن کیفیات کا وفور رہتا تھا۔ بے پناہ گریہ طاری رہتا۔ ایکدن شیخ اسماعیل بھاگتے ہوئے آئے۔ اور حافظ صاحب سے کہنے لگے۔ کہ حضرتؒ پر بے پناہ کیفیت طاری ہے جلدی چلو۔ حافظ مظہر الدین صاحب چند ساتھیوں کے ساتھ گئے۔ تو آپ حضرت مخدوم پاکؒ کے آستانے پر لوٹ رہے تھے۔ یہ سلسلہ گھنٹوں جاری رہا۔ ایک درویش نے حافظ صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا۔ "میاں صاحبزادے! آپ کے والد کا آخری وقت ہے۔ ہوشیار رہو۔" حافظ صاحب نے سوال کیا کہ "آپ کو کیسے معلوم ہو گیا؟" فرمانے لگے۔ "جب درویش اپنے شیخ کے دروازے پر لوٹنے لگ جائے۔ تو یہ آخری وقت ہوتا ہے۔" حافظ صاحب نے کہا۔ "یہ کہیں پڑھا تو نہیں" بولے۔ "یہاں کتابوں کی بات چھوڑیئے۔ میری بات کو یاد رکھنا۔" چنانچہ چند ماہ بعد آپؒ کا انتقال ہو گیا۔

عُرس کے بعد لوگ جانے لگے۔ تو آپ نے اہلِ سلسلہ کو کہا۔ کہ سفر خرچ کے علاوہ جو کچھ بھی باقی ہے۔ مجھے دیتے جاؤ۔ چنانچہ چند یوم میں یہ سرمایہ بھی ختم ہو گیا۔ ساحر (مرحوم) کے پاس چند آنے بچ گئے تھے۔ وہ بھی بیبل رُڑکی چلے جاتے اور حضرت کیلئے پانی لے آتے۔ تا آنکہ اُن کے پاؤں میں چھالے پڑ گئے۔ حافظ صاحب نے بھی اسماعیل خزانچی سے کہا۔ اب کیا ہو گا؟ اتنے لوگوں کے

کہستانی علاقہ میں بھی اُن کے ساتھ رہے ہیں۔ اور کوہ ہمالیہ میں بھی شاہ صاحب کا ساتھ رہا ہے۔ زندگی کی طرح آپ کی موت کے حالات بھی حیرت انگیز ہیں۔ اکثر احباب سے کہا کرتے تھے۔ کہ اب میرا وقت قریب ہے۔ مولانا مرتضیٰ لقمان میکش کا بھی یہی احساس تھا۔ وہ حافظ صاحب کو مجبور کیا کرتے تھے کہ حضرت کو تلاش کر کے گھر لے آنا چاہیئے۔ چنانچہ ایکدفعہ میکش صاحب حافظ صاحب کے ساتھ لیکر آپکی تلاش میں نکلے۔ اور کوہ شوالک میں آپ کے پاس پہنچ گئے۔ اس عہد کے احوال و کیفیات کی داستان طویل ہے۔ مختصر یہ کہ آبادی میں آئے تو آپ سُکر سے صحو میں آ گئے۔ پھر دعوت و ارشاد ذکر و فکر کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ درگاہ حضرت امام ناصر الدین صاحبؒ میں جمعہ کا خطبہ دیا۔ اور نمازِ مغرب کے بعد حلقۂ ذکر ہونا شروع ہو گیا۔ کچھ عرصہ گھر میں بھی قیام رہا۔ رمضان تشریف لائے تو پھر سُکر کا غلبہ ہو گیا۔ بدستور سابق دیر تک محویت کے عالم میں رہنے لگے۔ اہلِ سلسلہ بھی آتے تو گھنٹوں آنکھ اُٹھا کر اُن کی طرف نہ دیکھتے۔ اس عہد میں صاحبزادہ مظفر حسن اور صاحبزادی حمیدہ ہمہ وقت خدمت میں موجود رہتے۔ بعض اوقات معارف بیان کرنے لگتے جو حاضرین کی سمجھ سے بالا ہوتے۔ ایکدن دروازہ بند کر کے حافظ صاحب سے کچھ باتیں بھی کیں۔ یہ بھی فرمایا۔ کہ "میری موت کے بعد تم گھر کا بار نہ اُٹھا سکو گے۔ میں نے بہت چاہا۔ کہ تمہارے لئے کچھ جائداد بنا دوں۔ لیکن انکشافِ ضمیری یہی ہوا۔ کہ خدا کو یہ منظور نہیں"۔ پھر تین نیلم کے موتی[1] دیتے ہوئے کہا۔ کہ انہیں بنارس لیجا کر بیچ لینا۔ یہ بہت قیمتی ہیں۔ اب میں تمہیں ایسی ذات کے سپرد کر کے جا رہا ہوں جو مجھ سے زیادہ رحیم و کریم اور قوی ہے۔ مشکلات تو بہت آئیں گی۔ لیکن منظر اللہ کی ذات کی طرف رکھنا۔ اور شجرہ پڑھتے رہنا۔ جس شعر پر رقت اور لذت

---

[1] = صاحبزادہ مظفر حسن کے بیان کیمطابق۔ قیامِ پاکستان کیوقت اِن نیلم کے ٹکڑوں کی قیمت ۸۰ لاکھ روپے تھی۔ خود حافظ صاحب نے یہ نیلم کراچی کے ایک میمن تاجر جواہرات کو دکھلائے تھے۔ اِن میں سے ہر ٹکڑا پاؤ بھر سے زائد تھا۔ اور یہ نیلم کسی راجہ نے آپؒ کی نذر کیے تھے۔

نصیب ہوا اسی کو پڑھتے رہنا۔ میں نے جو کچھ پایا ہے۔ شیخ کے بتائے ہوئے اوراد و اذکار کی برکت سے پایا ہے۔ میرے ہاتھ پر چھ لاکھ آدمیوں نے توبہ کی ہے۔ لیکن اب میری توبہ کی باری ہے۔" اِسی سلسلہ میں فرمایا۔ کہ " اللہ کریم مجھے بخش دے گا۔" ذرا رُک کر بولے کہ " اعمال کا محاسبہ ہوا۔ تو مجھے جہنم کا گوشہ بھی نہیں ملیگا۔ میں نے حضورؐ کے گستاخوں اور بے ادبوں کو بہت ذلیل کیا ہے۔ میرا یہی عمل قبول ہوگا۔"

وصال سے کوئی تین روز قبل پچھلی رات اُٹھ کر اس زور سے چیخیں ماریں کہ پورا محلہ بیدار ہوگیا۔ لوگ چھتوں پر کھڑے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ اور آپؒ آسمان کی طرف منہ اُٹھائے پوری قوت اور سُرعت سے بول رہے تھے۔ کاش یہ دُعائیہ تقریر محفوظ ہو سکتی۔ صِرف ایک جُملہ یاد رہ گیا ہے۔ جو یہ ہے :-

"اے اللہ! اگر تو شیطان کو بخش دے۔ تو تو غفور الرحیم ہے۔ اور اگر جبرئیل کو عذاب کرے تو قادرِ مطلق ہے"

صبح کے وقت آپ بہت خوش و خرم رہے۔ گویا کوئی تکلیف ہی نہ ہو۔ لیکن شام کے وقت یہ کیفیت ہو گئی۔ کہ تیزی سے گلی کی نکڑ پر جاتے۔ اور یوں محسوس ہوتا کہ کسی کا اِستقبال کر رہے ہیں۔ یہ بھی فرمایا۔ کہ " اعلیٰ بستر بچھا دو۔ گرامی قدر مہمان آ رہے ہیں۔" یہ باتیں ناقابلِ فہم تھیں۔ لیکن تعمیلِ اِرشاد ہوتی رہی۔ رات بھر یہ سلسلہ جاری رہا۔ اگلے دن بھر خاموشی و محویت تھی۔ حافظ صاحب نے کہا کہ آپکو پیشاب کی بہت تکلیف ہے۔ میں حکیم خادم علی کے پاس سیالکوٹ جاتا ہوں۔ فرمایا کہ " تم آؤ۔ تو میں زندہ نہ ہوں" حافظ صاحب نے کہا۔ " نہیں کوئی ایسی بات نہیں"۔ چنانچہ حافظ صاحب سیالکوٹ دوا لینے چلے گئے۔ اگلے دن آئے۔ تو آپؒ کا انتقال ہو چکا تھا...... انتقال کے روز آپ نے خط بنوایا۔ اور غُسل کیا۔ اور پھر مولانا رُومؒ کی مثنوی کے یہ شعر[1] پڑھنے لگے۔ کیفیت فزوں ہوتی گئی۔ تا آنکہ یہ شدید ہو گئی۔

[1] : مولانا رُومؒ کے اشعار یہ تھے :- جو آپؒ نے باآوازِ ترنم پڑھے :-

شاد باش اے عشقِ خوش سودائے ما
اے طبیبِ جملہ عِلّت ہائے ما
اے دوائے نخوت و ناموسِ ما
اے تو افلاطون و جالینوسِ ما

مائی صاحبہ سے فرمایا۔ کہ " قوال بُلواؤ"۔ وہ بولیں۔ کہ قوال تو نہیں۔ آپ تو قوالوں سے اچھا پڑھتے ہیں۔ خود ہی پڑھیئے۔ چنانچہ ایسا[1] ہی ہوا۔

پھر فرمایا۔ کہ " یٰسین پڑھیئے"۔ حافظ صاحب کی بیگم پڑھنے لگیں۔ لیکن آپ نے قرآن پاک لیکر خود ہی یٰسین پڑھنا شروع کر دی۔ اس کے بعد سورۃ والضحیٰ پڑھنے لگ گئے۔ شدید کیفیت کے باعث پسینہ جاری تھا۔ اور حافظ صاحب کی اہلیہ دوپٹے سے پونچھ رہی تھیں۔ اِسی کیفیت میں بڑی سُرعت سے پہلو کے بل لیٹ گئے۔ مظفر حسن نے چت لٹانا چاہا۔ تو آنکھیں کھول دیں اور فرمایا " اِدھر کعبہ ہے"۔ پھر جان آفرین کے سپرد کر دی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

(حضرت اقدس کا وصال ۲۱ جمادی الثانی ۱۳۶۵ھ مطابق ۲۵ مئی ۱۹۴۶ء کو ہوا)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۲)

دیگر۔ واہ چہ سود لئے کہ سودائے کسیت
واہ چہ غوغائے کہ غوغائے کسیت

داشت سودائے نبی احسانِ بلالؓ
جیبِ موسیٰ شد گریبانِ بلالؓ

[1] : آپؒ نے مولوی غُلام دین صاحبؒ (جن کا ذکر پہلے آ چکا ہے) کے یہ دونوں ڈھولے پڑھے

الف اُڈھیاں کا گلا کرتا ماہی تے | ساڈا ادیکھے حالا سانوں ہے گل الٹے
الف آ جیاں ڈھولا سانوں کہیاں نیتیں | ساڈے اندر باہر ڈھولا توں ہیوں نیتیں

صاحبزادہ مظفر حسن صاحب کے بیان کے مطابق آپؒ نے وصال سے قبل یہ اشعار بھی (جو آپ نے خود ہی موزوں کئے تھے) پڑھے :-

بعد مرنے کے میرا عشق ہویدا ہوگا | سارا عالم ہی میری قبر پہ شیدا ہوگا
رنج و غم یاس و الم لاش اُٹھائے ہونگے | جاری اشکوں کا میری قبر پہ دریا ہوگا
واعظا! خوفِ جہنم سے نہ دھمکا مجھ کو | وہ جہنم بھی میری آہوں سے جلتا ہوگا
اے نکیرین! یہ کیا پوچھتے ہو عاشق سے | اِن سوالوں کا کسی اور کو کھٹکا ہوگا

اے نواب مجھے غیروں سے کچھ کام نہیں
فاتحہ خواں! یہ میرا داغ سویدا ہوگا

وصال کے تھوڑی دیر بعد آپؒ کا جنازہ جامع مسجد بھیجا یا گیا۔ کیونکہ شہر میں اُس سے زیادہ بھیڑ ہو چکی تھی۔ رات بھر تلاوت ہوتی رہی۔ اگلے دن عقیدت مندوں کے قافلے آنے شروع ہو گئے۔ جالندھر سے حضرت خلیفہ محمد صدیق صاحب کی رہنمائی میں بڑا ہجوم آیا۔ تو غسل دینے کا وقت ہو چکا تھا۔ موصوف کا بیان ہے کہ "میں نے حضرتؒ کے دیدار کے لئے چہرہ مبارک سے کپڑا اُٹھایا۔ تو آپؒ نے آنکھیں کھول دیں۔ اور مجھے دیکھ کر مسکرائے میں نے قریب والوں سے کہا۔ کہ کچھ دیکھا ہے۔ تو بعض نے اثبات میں جواب دیا۔

رملواں سے کوئی ایک میل دُور آپؒ کی حویلی میں آپ کا جنازہ حافظ مظہر الدین صاحب مدظلہ نے پڑھایا۔ دُوسرا جنازہ فقیہِ اعظم مولانا محمد شریف صاحب کوٹلی لوہاراں نے پڑھایا۔ چہلم کے موقع پر جملہ خلفاء اور مریدین نے حافظ صاحب مدظلہ کی دستار بندی کی

دونوں صاحبزادگان (جناب حافظ مظہر الدین صاحب مدظلہ اور مولانا حضرت غلام ربانی صاحب دامت فیوضہم) حضرت اقدسؒ سے صاحبِ مجاز ہیں۔ الحمد للہ! یہ دونوں حضرات حضرتؒ کے فیوض کے وارث ہیں۔ اور اِن کا اپنا اپنا رنگ اور شان ہے۔ دونوں کے ارادتمندوں کا سلسلہ وسیع ہے۔ چھوٹے صاحبزادہ مظفر حسن صاحب مدظلہ حضرتؒ کے بتائے ہوئے اوراد و اذکار کے پابند ہیں۔ البتہ اجازت انہیں حافظ صاحب نے عطا کی ہے۔

ع۱ :۔ ایسے واقعات کئی بزرگانِ دین سے نقل کئے گئے ہیں۔ حضرت علامہ بدر الدین سرہندیؒ (خلیفہ حضرت مجدد الف ثانیؒ) نے اپنی تصنیف "حضرات القدس" میں اسی قبیل کا ایک واقعہ خواجہ محمد پارساؒ (خلیفہ حضرت خواجہ نقشبند بخاریؒ) کی بابت نقل کیا ہے :۔

"در غواجہ ابونصر پارسا ابن محمد پارساؒ راوی ہیں کہ میں اپنے والد صاحب کمال کی وفات کیوقت حاضر نہ تھا۔ جب ان کا انتقال ہوا تو میں آیا۔ میں آخری دیدار کیلئے آپکے چہرہ کو کھولا۔ آپ نے آنکھ کھولی اور مسکرائے۔ اس سے میرا قلق اور اضطراب اور زیادہ ہو گیا۔ میں آپ کے پاؤں کی طرف آیا۔ اور اپنے منہ کو آپکے پاؤں سے ملا۔ آپؒ نے پاؤں اُوپر کھینچ لیا۔"

ع۲ :۔ حضرت خلیفہ محمد صدیق ناصری کی ایک روایت کیمطابق حضرت قبلہ مولانا غلام ربانی صاحب مدظلہ کو بھی چہلم کے موقع پر سب مریدین اور خلفاءؒ کی موجودگی میں حضرت حافظ صاحب مدظلہ کے دست مبارک سے دستار بندی پہنائی گئی۔ حضرت مولانا غلام ربانی صاحب مدظلہ کا سلسلۂ ارادت ملتان اور گرد و نواح میں پھیلا ہوا ہے۔ اور آپ کی قیادت میں حضرت اقدسؒ کا عرس مبارک ہر سالی مقررہ تاریخ پر دو مقام پر کستی ملتان (جیسنگ) میں بڑی شان و شوکت سے منایا جاتا ہے جسمیں کثیر تعداد میں لوگ شرکت

حافظ صاحب مدظلہ کا ایک خلیفہ صوفی اللہ دتہ آزاد قبائل میں ہے۔ اور ایک صوفی خوشی محمد مکہ معظمہ میں ہے۔ یہ بندۂ خدا حضرتؒ کے لئے ایک حج اور حافظ صاحب اور اُن کی اہلیہ کے لئے نو نو عمرے کر چکا ہے۔ اور اہلِ سلسلہ کیلئے یہ خانہ کعبہ میں دُعاگو رہتا ہے۔

حضرت اقدسؒ کے وصال کے بعد کے کچھ مشاہدات

حضرت اقدسؒ کی وفات کے بعد کے کچھ واقعات آپ کے پوتے طارق محمود نے ملتان سے اپنے والد صاحبزادہ مظفر حسن صاحب کی وساطت سے بھیجے ہیں۔ جو درجِ ذیل ہیں :۔

(۱) جس دن حضرت اقدسؒ کا وصال ہوا۔ آپ کی میت شہر کی جامع مسجد میں لیجا کر رکھدی گئی تھی۔ جہاں ساری رات مرد اور عورتیں قرآن خوانی کرتی رہیں۔ اِسی رات (میت سپردِ خاک کرنے سے پہلے) تہجد کے وقت گھر کی دھوبن (جو کہ بڑی بوڑھی اور پرہیزگار تھیں) نے شور مچانا شروع کر دیا۔ کہ "لوگو! وُہ دیکھو حضرت صاحب جا رہے ہیں"۔ بعد میں اُس دھوبن نے بتایا کہ آپکے ہاتھ میں وضو کا لوٹا تھا۔ آپ فرمانے لگے کہ "بیٹی! شور نہ کرو۔ مجھے نمازِ تہجد ادا کرنی ہے"۔ اور غائب ہو گئے ع۱

(۲) صبح جب آپ کو غسل دیا جانے لگا۔ تو دیکھا گیا۔ کہ حضرتؒ خود اپنے بازو دونوں طرف پلاکر بغلوں کو کھلی کرتے۔ اور جسم کو اِدھر اُدھر حرکت دیتے اور ٹانگوں کو ہلاتے محسوس ہوتے تھے۔ تاکہ صحیح طور سے غسل دیا جا سکے۔ ع۲

(۳) غسل کے بعد جب آپ کا جنازہ جامع مسجد سے اُٹھا کر قبر والی جگہ لے جایا جا رہا تھا۔ تو اس وقت سخت دھوپ تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت سے جنازے اور سوگواروں

ع۱ :۔ ایسے اکثر واقعات بزرگوں سے نقل کئے جاتے ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہیں کہ اولیاء اللہ مرتے نہیں۔ زندہ ہوتے ہیں۔ اور حدیث پاک اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا یَمُوْتُوْنَ بَلْ یَنْتَقِلُوْنَ مِنَ الدَّارِ اِلَی الدَّار (یعنی اولیاء اللہ مرتے نہیں بلکہ ایک مکان سے دوسرے مکان میں منتقل ہوتے ہیں) اسکی شاہد عادل ہے۔

ع۲ :۔ حضرت خلیفہ محمد صدیق ناصری مدظلہ نے بھی روایت کی ہے۔ کہ آپؒ کی میت کو غسل دیئے جانے کے دوران جب آپ کو دائیں اور بائیں پہلوؤں پر گھمایا جانے لگا۔ تو آپ نے خود بخود کروٹ بدل لی۔

پر سارے راستے میں آناً فاناً کالی گھٹائیں چھا گئیں۔ اور دفن کے وقت تک سخت گرمی کے باوجود موسم سرد ہو گیا تھا۔ سرد ہوا چلتی رہی اور ہلکی ہلکی بارش بھی ہوتی رہی۔ پھر دفن کرنے کے بعد موسم حسبِ سابق ہو گیا تھا۔ رسمِ قُل اور چہلم پر بھی ایسا ہی نظارہ رہا۔

(یہ بھی آپؒ کی کرامات اور تصرفات میں سے ہے۔ کہ آپؒ کے سالانہ عُرس مبارک کے موقعوں پر اکثر موسم سُہانا ہو جاتا ہے۔ تیز ہوائیں چلتی ہیں اور کبھی بارش بھی ہو جاتی ہے۔ مؤلف)

(۴) حضرت اقدسؒ کے وصال کے چند دن بعد حافظ صاحب مدظلہ کی کمسن صاحبزادی زیر تعمیر مکان کی آخری منزل سے نیچے گر گئی۔ اور بے ہوش ہو گئی۔ مگر اس کے جسم پر کوئی خراش نہ آئی تھی۔ ہوش میں آتے ہی بچی نے شور مچا دیا۔ کہ "بڑے اباجی کہاں ہیں؟ انہوں نے خود تھیں مجھے اپنے بازوؤں پر گرا لیا تھا۔ اور پیار کر کے زمین پر لٹا دیا تھا۔ اب وہ کہاں ہیں؟" احتیاطاً جراح کو دکھایا گیا۔ انہوں نے واقعہ سُن کر کہا۔ کہ تبھی تو چوٹ نہیں آئی۔ پھر سب بے اختیار رو پڑے۔

(۵) نارووال میں حضرت اقدسؒ کے ایک مرید نے اکھاڑے پر ایک پہلوان کو روک کر حضرتؒ کی بابت پوچھا۔ وہ کہنے لگا کہ آپؒ تو کئی ماہ قبل وفات پا چکے ہیں۔ وہ نہ مانا تب گواہ پیش کئے گئے تو مانا۔

پھر اس نے اپنے ساتھ پیش آنیوالا واقعہ سُنایا۔ کہ چند دن قبل آپؒ گھوڑے پر سوار تشریف لائے۔ کھیتوں کے پاس کھال پر گھوڑے کو پانی پلانے کا کہہ کر مجھے وہاں کھڑا کر گئے۔ میں صبح کا کھڑا شام کو کھال کیطرف گیا۔ تو دیکھتا ہوں۔ کہ گھوڑے اور آپ کا سر تن سے جدا ہے۔ اور دھڑ اور بازو غرض ہر عضو الگ پڑے ہیں۔ میں بہت رویا۔ اور چارپائی لانے کیلئے گیا۔ اور چند افراد کو ساتھ لایا۔ جائے وقوعہ پر پہنچا۔ تو وہاں نہ خون کا کہیں نشان تھا۔ نہ آپ کا نہ گھوڑے کا پتہ۔ سب لوگوں کو بے حد پریشانی ہوئی۔

یہ واقعات بیان کرنے کے بعد طارق محمود نے اپنے کچھ تأثرات اور مشاہدات بیان کئے ہیں۔ جو اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرماویں۔

حضرت اقدسؒ سے رُوحانی ملاقاتیں !

صاحبزادہ طارق محمودؔ کے مشاہدات

طارق محمود صاحب اپنے مشاہدات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:- کہ

"مجھ پر حضرت قبلہؒ کا بڑا کرم و فیض ہے۔ جس کا میں نے کئی بار مشاہدہ کیا۔ کہ بڑی بڑی مشکلات آئیں اور اُن کی نظرِ کرم سے مصائب ٹل گئے۔

(۱) ۱۹۷۱ء کی جنگ کا واقعہ ہے۔ سارے شہر میں کرفیو لگا ہوا تھا۔ ([redacted]) دیکھتا ہوں کہ میں چوکسواری گیٹ میں کھڑا ہوں۔ کہ اچانک میرے نام سے پکارا گیا۔ کہ "طارق بیٹے!" میں نے مڑ کر دیکھا کہ سیّد عبدالمعبود صاحب کھڑے ہیں۔ انہوں نے مجھے سینہ سے لگایا۔ پیار کیا۔ اور فرمایا۔ کہ خاندان چشتیہ قادریہ کے جملہ وظائف (اور اس کے علاوہ بھی) جو قبلہ حضرت مولانا نواب الدین صاحبؒ سے ملے ہیں۔ میں بخوشی تم کو اُن سب کی اجازت دیتا ہوں۔ پڑھتے رہا کرنا۔ پھر فرمانے لگے۔ کہ یہ سب تمہارے دادا ابا کے فیض سے اور حکم سے ہے۔ بقایا نعمت آپ کو وہ خود جلد ہی عطا فرمائیں گے۔ میں عنقریب مدینہ منورہ حاضر ہو کر۔ اور خانہ کعبہ میں بھی تمہارے لئے خصوصی دعائیں مانگوں گا۔

(۲) اس سے کچھ عرصہ بعد خواب میں دیکھتا ہوں کہ میرا چھوٹا بھائی طاہر محمود دادا جان کا ہاتھ پکڑے آپ کے ساتھ جا رہا ہے۔ حضرتؒ بڑا خوبصورت لباس پہنے ہوئے ہیں طاہر رو رو کر کہتا ہے۔ کہ داداجی طارق کو بھی ساتھ لو۔ آپ فرماتے جاتے ہیں۔ کہ یہ ہمارا ہے۔ یہ کہیں نہ جائے گا۔ یہ ہمارا ہی رہے گا۔ اُسوقت ہم پانی کی ایک گہری جھیل سے گذر رہے تھے۔

(۳) اس کے چند ماہ بعد خواب میں دیکھتا ہوں کہ ایک نقشبندی پیر (جو میرا دوست بن گیا تھا) میرا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا۔ کہ آؤ تمہیں بیعت کر دوں۔ میں نے پوری قوت سے

ہاتھ کھینچ لئے۔ اور لاحول ولا قوۃ پڑھا۔ اسی دوران اچانک قبلہ دادا جان (حضرت مولانا نواب الدین صاحبؒ) بڑے غضبناک ہو کر ظاہر ہوئے۔ لاٹھی اُن کے ہاتھ میں تھی وہ اُس پیر کو لاٹھی سے مارنے لگے اور فرمانے لگے۔ "اوہ ملعون مردود! ہٹ۔ تیری یہ جرأت۔ یہ تو میرا بیٹا ہے۔ میرا ہے۔ اور میرا ہی رہے گا۔" پھر میرا ہاتھ پکڑ کر فرمانے لگے۔ "آ بیٹے! تجھ کو بیعت کر لوں۔" پھر مجھے بیعت کیا۔ اس بیعت کی لذت نرالی تھی۔ جو اب تک بھی محسوس ہوتی ہے"

یہ واقعہ میں نے اپنے گھر والوں کو اور قبلہ مولانا ربانی صاحب مدظلہٗ کو بتایا۔ تو وہ ہنسکر مسکرانے لگے۔ بچپن میں جب بھی میں قبلہ مولانا ربانی صاحب سے بیعت کے لئے عرض کرتا۔ تو آپ فرماتے۔ تم بیعت ہی ہو۔ ہمارے ہو اور ہمارے ہی رہوگے۔ غرضکہ جیسا کہ خواب میں بیان کیا۔ اور حضرت سید عبدالمعبودؒ کی بشارت کے مطابق ہی ہوا۔ اور قبلہ مولانا ربانی صاحب کا فرمان بھی پورا ہوا۔ کہ جب گذشتہ دنوں میں ظاہری طور پر حضرت مولانا غلام ربانی صاحب نے بیعت فرما کر خواجگانؒ کی غلامی کا پٹہ گردن میں ڈال دیا۔ الحمد للّٰہ علیٰ ذالک۔ (طارق محمود چشتی ملتان)

(وصال کے بعد عالمِ رویا میں احقر مؤلف کو)
حضرت اقدسؒ سے اکتسابِ فیوضِ روحانی

۱۹۴۳ء سے ۱۹۴۷ء تک راقم الحروف بسلسلۂ ملازمت لدھیانہ میں تھا۔ اور بعدہٗ تبدیل ہو کر لاہور میں آ گیا تھا۔ اس کے بعد تقسیم برصغیر ہندوپاک کے مراحل میں صوبہ پنجاب میں فرقہ وارانہ فسادات کی وجہ سے ذرائعِ آمد و رفت مخدوش ہو گئے تھے۔ اس لئے میں کلی طور پر حضرت اقدسؒ کی علالت و وفات سے بے خبر رہا۔ تاآنکہ قیام پاکستان کے بعد لٹے پٹے قافلے لاہور آئے۔ تو خلیفہ محمد صدیق صاحب ناصری سے اس اندوہناک سانحہ کی خبر ملی کہ آفتابِ علم و معرفت غروب ہو گیا ہے۔ تو مجھے بیحد غم و اندوہ لاحق ہوا آپؒ

کی یاد ہر وقت دلِ غمزدہ کو کچوکے دیتی اور آپؒ سے ظاہری جدائی سے طبیعت ہر دم افسردہ رہتی۔ اس حالت میں مجھے بکثرت عالمِ رویاء میں حضرت اقدسؒ کی زیارت کی سعادت نصیب ہوئی۔ اور آپؒ کی توجہ کا فیضان عطا ہوا۔ ان خوابوں کا سلسلہ بدستور جاری ہے۔ ان میں سے چند اسقدر واضح اور روشن تھیں۔ کہ ان پر بیداری کا گمان ہوتا تھا۔ اور ان سے میرے قلب و روح پر اسقدر گہرے اور دائمی نقوش ثبت ہوئے کہ بیان نہیں ہو سکتے۔ اسی فیضانِ توجہ ہی کا اثر ہے کہ مجھے حضرت اقدسؒ کے احوال نادرہ منضبط کرنے کی تحریک و توفیق نصیب ہوئی۔ ان میں سے چند خوابوں کو مختصراً درج ذیل کیا جاتا ہے۔

(۱) پہلا خواب میں نے اُسوقت دیکھا جب میرے ماموں حضرت خلیفہ محمد صدیق صاحب ناصری نے حضرتؒ کے وصال کے حالات سنائے۔ عالمِ رویا میں دیکھتا ہوں کہ میں ایک گنبد نما روشن کمرہ میں کھڑا ہوں۔ وہاں آپؒ کا دیدار فرحت آثار نصیب ہوا۔ آپؒ کے اُسوقت کے شان و شکوہ کے بیان کے لئے الفاظ نہیں ملتے۔ آپ سیاہ مخملیں جبہ اور کلاہ (جن پر طلّہ کاری کی ہوئی تھی) پہنے ہوئے تھے۔ آپؒ کے چہرۂ اقدس سے روشنی کی شعاعیں پھوٹ رہی تھیں جس سے حجرہ بقعۂ نور بنا ہوا تھا۔ آپ اس فقیر کی طرف دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ میں والہانہ عقیدت و احترام سے بڑھا اور قدمبوسی کیلئے جھک گیا۔ آپؒ نے بڑھی شفقت سے مجھے کندھوں سے پکڑ کر اٹھایا اور قریب پڑی ہوئی ایک طلبقہ منقش کرسی پر بٹھا دیا۔ پھر ایک طرف جا کر کونڈے میں کچھ گھوٹنے لگے۔ بعد اس کے ایک گاڑھا سا شروب ایک بڑے پیالے میں بھر کر لائے اور مجھے حکم دیا۔ کہ "اسے پی لو۔" میں بوجہ خوف ہچکچایا۔ تو آپ نے جھک کر وہ پیالہ میرے منہ سے لگا دیا میرا وجود شدت دہشت سے سرتاپا لرزنے لگا۔ پھر مجھے اپنی سدھ بدھ نہ رہی۔ جب میری آنکھ کھلی تو میرے سرتاپا پر گریہ اور مدہوشی طاری تھی اور لب پر یہ شعر تھا۔

آئے تھے جامِ شوق پلا کر چلے گئے
جلوہ دکھا کے ہوش اڑا کر چلے گئے

(۲) اس سے کچھ عرصہ بعد عالمِ رویا ہی میں دیکھتا ہوں کہ حضرت رح کسی قدیم درگاہ کے صحن میں ارادتمندوں کے ہجوم میں رونق افروز ہیں۔ میں صحن کی چار دیواری (جو تقریباً دو فٹ اونچی ہوگی) کے ساتھ کھڑا آپ رح سے اپنے حق میں دعا کے لئے عرض کر رہا تھا۔ اتنے میں ایک شخص دودھ سے بھری ہوئی بلٹوئی لایا اور آپ کی خدمت میں پیش کی۔ آپ نے اس بلٹوئی میں سے ایک پیالہ دودھ سے بھر کر مجھے عنایت فرمایا۔ میں نے بصد احترام وادب ہاتھ بڑھا کر لے لیا۔ مجھے محسوس ہوا کہ میری درخواستِ دعا کے جواب میں آپ رح نے یہ پیالہ عطا فرمایا ہے۔ جو اجابتِ دعا کی دلیل تھی۔ جب بیدار ہوا تو میرے قلب حزیں پر طمانیت کا ایک گہرا اثر تھا۔ میرا دلِ آپ رح کے لئے بے پناہ عقیدت سے لبریز ہو گیا۔

(۳) سنہ ۱۹۶۶ء میں بسلسلۂ ملازمت میرا تبادلہ لاہور سے ملتان ہو گیا۔ میں نیا محلہ ملتان میں صوفی عبدالقادر صاحب (جو ایک مِل میں اکاؤنٹنٹ تھے) کے ہاں ٹھہرا ہوا تھا۔ میں نے صوفی صاحب سے حضرت اقدس رح کے صاحبزادہ حضرت مولانا غلام ربانی صاحب کا پتہ دریافت کیا۔ تو معلوم ہوا کہ آپ صاحبزادہ مظفر حسن صاحب کے ہاں چوک لوہاری گیٹ میں قیام فرما ہیں۔ صوفی صاحب کے حضرت ربانی صاحب سے دیرینہ مراسم تھے۔ ایکدن میں صوفی صاحب کے ہمراہ آپکی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ اکیلے ہی بیٹھک میں بیٹھے تھے۔ اور اپنے والد بزرگوار (حضرت اقدس رح) کی طرح محویت واستغراق میں تھے۔ آپ کے چہرہ پر نگاہ پڑتے ہی میں چونکا۔ اور میرا دل مسرت سے جھوم اٹھا۔ اور پکارا۔ ؎

وہی نقشہ ہے وہی رنگ، وہ ساماں ہے یہی
یہ جو صورت ہے تیری صورتِ جاناں ہے یہی

سلام نیاز اور مصافحہ کے بعد ہم مؤدب ہو کر بیٹھ گئے۔ آپ نے استفہامیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔ گو کہ ہم نے بچپن اور ابتدائی طالبعلمی کا زمانہ جالندھر میں حضرت اقدس رح کی موجودگی میں گزارا ... تک لگ بھگ ۳۸-۳۹ سال

بعد تھا۔ اسلئے آپ مجھے پہچاننے کی کوشش فرماتے رہے۔ جب میں نے اپنا تعارف کرایا تو بعجلت اٹھے اور بڑی گرمجوشی سے بغلگیر ہوئے۔ اور بڑی مسرت کا اظہار فرمایا۔ اس کے بعد پرانی باتیں۔ پرانی یادیں تازہ ہو گئیں۔ اور ہم دیر تک آپ کی دلنشین باتوں اور سحر خیز کلام سے بھی مستفیض ہوتے رہے۔ آپ کی صحبت میں جولانی پیدا ہوتی اور میں نے ایسے ہی محسوس کیا۔ جیسا کہ حضرت اقدس رح کی صحبت میں بیٹھا ہوں۔ آپ کا طرزِ بیان بڑا دلنشین اور سحر انگیز تھا۔ کلام میں سوز وگداز اور روانی ایسے ہی تھی۔ جو آپ کے والدِ بزرگوار رح کا طرۂ امتیاز تھا۔ میں سر تا پا سرشاری کی کیفیت سے دوچار رہا

(ایسی ہی کیفیات حضرت اقدس رح کے بڑے صاحبزادہ جناب حافظ مظہر الدین صاحب مدظلہ کی صحبت میں پائیں۔ جبکہ میں سنہ ۷۵-۱۹۷۴ء میں حضرت خلیفہ محمد صدیق صاحب کے ہمراہ اور سنہ ۷۹-۱۹۷۸ میں صاحبزادہ مختار قطب صاحب (فرزند ارجمند صاحبزادہ محمد تقی مرحوم) کے ساتھ اور بعد میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دونوں صاحبزادگان اپنے والدِ بزرگوار کی شبیہ اپنے اندر رکھتے ہیں۔ اور آپ ہی جیسی مسحور کن شخصیت کے حامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے نفوسِ طیبہ سے طالبان کو مستفیض ہونے کی توفیق عنایت فرمائے آمین!)

ملتان کے قیام کے دوران اکثر وبیشتر حضرت مولانا غلام ربانی صاحب مدظلہ کی صحبت سے مستفیض ہوتا رہا۔ اسی دوران رمضان شریف میں سحری کھا کر سویا ہی تھا۔ کہ ایکدفعہ پھر حضرت اقدس رح کی زیارت کا شرف ملا۔

(۴) اسی رتبہ عالمِ رویا میں اپنے آپ کو جالندھر میں پاتا ہوں۔ جہاں بزرگ مولوی محمد اسلم نقشبندی۔ مرزا امجد بیگ نقشبندی اور سلسلہ کے چند اور ساتھی ہیں ہم چونکہ درگاہ حضرت خواجہ امام ناصرالدین صاحب رح میں حلقہ ومراقبہ اور طریقہ نقشبندیہ ذکر میں مشغول ہیں۔ جب حلقہ ذکر سے فارغ ہوئے تو کسی نے آکر اطلاع دی کہ حضرت مولانا فیض الدین صاحب رح قریب ہی ایک مکان میں اقامت پذیر ہیں۔ ہم سب آپکی زیارت کیلئے چل پڑے۔ قریب ہی جس جگہ پہ ملک عبدالشکور (مرحوم) کا لکڑی کا ٹال تھا۔ وہاں ایک شاندار کوٹھی بنی ہوئی ہے۔ ہم ڈیوڑھی سے گذر کر اندرونی

صحن میں پہنچے۔ وہاں حضرت اقدسؒ صحن میں ہمارے منتظر کھڑے تھے۔ برادر محمد اسلم اور مرزا امجد بیگ صاحبان کو حضرتؒ نے اشارہ سے برآمدہ میں صوفوں پر بیٹھنے کیلئے فرمایا۔ اور اس عاجز سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے۔ "محمد طفیل! تم ادھر آجاؤ۔ ہم مجلسِ سماع منعقد کریں گے" میں آپ کے پاس پہنچکر سرنگوں ہو گیا۔ وہیں ایک پیڑھی پر بوا رابعہ صاحبہ بھی بیٹھی تھیں۔ آپؒ نے اشارہ سے ایک پیڑھی پر بیٹھا دیا۔ اور خود بھی ایک پیڑھی پر تشریف فرما ہو گئے۔ اس کے بعد آپؒ بہ ترنم مثنوی مولانا رومؒ سے اشعار پڑھنے لگے۔ ان اشعار کا مفہوم کچھ ایسا تھا۔ جیسے عاشق اپنے محبوب کی یاد میں مرغِ بسمل کی طرح تڑپ رہا ہو۔ گویا کہ آپؒ اس شعر کی تفسیر بنے ہوں۔ ؎

سینہ خواہم شرحہ شرحہ از فراق
تا بگویم شرحِ دردِ اشتیاق

ہم دونو جذب میں سرشار جھوم رہے تھے۔ اختتام مجلس پر حضرتؒ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا۔ کہ "محمد طفیل! میرے عرس پر قوالی نہیں کراتے۔" میں بیدار ہوا تو کیف و سرور میں کافی دیر تک مدہوش رہا۔

دوسرے دن حضرت مولانا غلام ربانی صاحب مدظلہٗ سے اس خواب کا ذکر کیا۔ تو وہ بےحد متعجب ہوئے اور فرمایا۔ کہ "واقعی میں تین سال سے حضرت اقدسؒ کے عرس مبارک کے موقع پر قوالی نہیں کرا سکا۔"

میں ۱۹۶۸ء میں تبدیل ہو کر لاہور آیا۔ تو حضرت اقدسؒ کے سالانہ عرس مبارک کا وقت قریب تھا۔ میرے دل میں خیال آیا کہ حضرتؒ کا عرس اپنے گھر کراؤں اور قوالی کا اہتمام بھی کروں۔ چنانچہ میں نے اس ارادہ سے جناب صاحبزادہ صاحب اور ملّی رابعہ صاحبہ کو مطلع کیا۔ اور عرس کی تاریخ ۲۱-۲۲ جمادی الثانی مقرر کر کے آپ سے شرکت کیلئے درخواست کی جو آپ نے قبول فرمائی۔ اور مقررہ تاریخ سے ایک روز قبل تشریف لانے کا وعدہ فرما لیا۔ قوالوں کا انتظام کر لیا گیا تھا۔ مہمان بھی آنے شروع ہو گئے۔ عصر کا وقت ہو گیا مگر صاحبزادہ ربانی صاحب تشریف نہ لائے تو مجھے بےحد اضطراب لاحق ہوا۔

اسی اضطرار کی حالت میں میں اپنے مکان کی چھت پر کھڑا ہو کر گلی میں صاحبزادہ صاحب کی راہ دیکھنے لگا۔ چند لمحات گزرے تھے کہ مجھ پر یکسوئی و محویت طاری ہوئی۔ دیکھتا ہوں کہ حضرت مولانا نواب الدین صاحبؒ گلی میں ظاہر ہوئے۔ سفید براق ریش مبارک۔ روشن چہرہ اور خمیدہ کمر آپؒ خلیفہ محمد صدیقؒ صاحب کی بیٹھک میں داخل ہو گئے۔ معاً میں چونک پڑا اور کیفیتِ استغراق سے باہر آیا۔ یہ مولانا غلام ربانی صاحب مدظلہٗ کی آمد کا صریح اشارہ تھا۔ میں خوش ہو کر نیچے آگیا۔ چند منٹ بعد ہی صاحبزادہ ربانی صاحب کی آمد کی اطلاع ملی۔

چنانچہ حضرت اقدسؒ کے عرس مبارک اور بعد میں حضرت خواجہ امام ناصر الدین صاحبؒ کے عرس (۱۷ رجب المرجب، ستمبر ۱۹۶۸ء) پر حضرت مولانا غلام ربانی صاحب کی شرکت سے تقریبات میں خاصی رونق ہوئی اور انوار و برکات کے اثرات ہویدا ہوئے۔ ذکر و فکر کی مجالس منعقد ہوئیں اور مجالسِ سماع میں مبارک علی خاں نصرت فتح علی خاں اور رفیق حسین برکت علی قوالان نے خوب سماں باندھا۔ مجالسِ سماع میں حضرت صاحبزادہ صاحب کی موجودگی میں جذب و کیف کا وہی عالم تھا۔ جو حضرت اقدسؒ کی مجالس میں ہوا کرتا تھا۔

ان دونوں موقعوں پر میرے برادرِ بزرگ مولوی محمد اسلم صاحب اور مرزا امجد بیگ صاحب نقشبندی بھی شریک ہوئے۔ اسطرح سے میرے اوپر بیان کردہ خواب کی تعبیر پوری ہوئی۔

(۴) اس سے کچھ عرصہ بعد خواب کے عالم میں دیکھتا ہوں کہ میں ایک وسیع حویلی میں موجود ہوں۔ چاروں طرف پختہ حجرے بنے ہوئے ہیں۔ صحن میں نل لگا ہوا ہے اور حوض بھی ہے۔ میں آگے بڑھا تو ڈیوڑھی میں حضرت اقدسؒ کو موجود پایا۔ آپؒ بیش قیمت شیروانی اور سیاہ مخملیں ٹوپی پہنے ہوئے تھے۔ اس وقت آپ عالم جلالی میں تھے۔ میں والہانہ قدمبوسی کے لئے بڑھا۔ آپؒ نے نہایت ہی محبت و شفقت سے مجھے سینہ سے لگا کر شدت سے کھینچ لیا۔ اور ایک طرف اشارہ فرمایا۔ میں نے دیکھا کہ

ایک کمرے میں حضرت مولانا غلام ربانی صاحب مدظلہ' ارادتمندوں کے ساتھ بیٹھے ہیں۔ میں نے اس اشارہ میں محسوس کیا۔ کہ حضرت اقدسؒ کا فیضان حضرت صاحبزادہ صاحب کے ذریعہ سے پہنچیگا۔ اور سلسلۂ عالیہ کو بڑی وسعت ملے گی۔

اس کے بعد آپؒ نے میری طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ "محمد طفیل! ہم تیرے گھر چلیں گے۔" پھر دیکھتا ہوں کہ ہمارا سارا خاندان بابا عمر بخش صاحبؒ (سجادہ نشین درگاہ حضرت امام ناصر الدینؒ) کے حجرہ میں جمع ہے۔ اور حضرت اقدسؒ وعظ و تلقین فرما رہے ہیں۔

اس خواب کے چند روز بعد ہی حضرت قبلہ مولانا ربانی صاحب مدظلہ' لاہور میں ہمارے ہاں تشریف لائے۔ حضرت خلیفہ صاحب کے اصرار پر ہمارے گھر کے کچھ افراد اور خواتین حضرت صاحبزادہ صاحب کے دستِ مبارک پر بیعت ہوئے۔ یہی میرے خواب کی تعبیر تھی۔

اسی موقعہ پر راقم الحروف کی درخواست پر حضرت قبلہ مولانا غلام ربانی صاحب دامت فیوضہ' نے از راہِ عنایت اس عاجز کو بھی سلسلۂ عالیہ میں داخل فرمایا اور اس ناچیز پر حضرت اقدسؒ کی شفقت و الطافِ کریمانہ اور روحانی توجہات کی توثیق فرمائی۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

(۵) پھر کچھ عرصہ بعد خواب کے عالم میں دیکھتا ہوں۔ کہ ہمارا سارا خاندان کسی نامعلوم مقام پر ایک عالیشان مکان کے وسیع ہال میں جمع ہے۔ کوئی شخص آکر یہ اطلاع دیتا ہے۔ کہ شہر میں میلہ لگا ہوا ہے۔ اور یہ بھی اطلاع دی کہ ایک مشہور پہلوان کی کشتی ہے۔ ہم چند احباب شہر پہنچے اور دیکھا کہ حضرت قبلہ مولانا غلام ربانی صاحب مدظلہ' العالی وعظ فرما رہے ہیں۔ اور ایک جمِ غفیر کیف کے عالم میں آپ کا وعظ سن رہا ہے۔ وعظ کے اختتام پر ہم نے صاحبزادہ صاحب سے درخواست کی۔ کہ وہ ہمارے ساتھ گھر چلیں۔ ہم گھر چلنے کے لئے واپس مڑے۔ تو دیکھتا ہوں کہ حضرت مولانا غلام ربانی صاحب کے بجائے حضرت اقدسؒ

ہمارے ساتھ ہیں۔ راستہ میں ریلوے کا پل آیا۔ ہم پل طے کر رہے تھے۔ دیکھتے ہیں کہ پل کے اختتام پر ایک آہنی دروازہ لگا ہوا ہے جس سے راستہ مسدود ہو گیا ہے۔ میں سخت پریشان ہو گیا۔ کہ معاً حضرت اقدسؒ آگے بڑھے اور اپنے دونوں ہاتھ آہنی دروازہ کی طرف پھیلا دیئے۔ فی الفور راستہ کھل گیا اور ہم اپنی قیام گاہ پر پہنچ گئے۔

مکان پر تمام افراد۔ عورتیں اور بچے حضرت اقدسؒ کے استقبال کیلئے موجود تھے ہم نے اسی بڑے ہال میں اکٹھے بیٹھکر کھانا کھایا۔ اور آرام کیلئے لیٹ گئے۔ عصر کے قریب حضرت اقدسؒ بیدار ہوئے۔ اور رخصت کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ ہم سب آپؒ کو دروازہ تک چھوڑنے گئے۔ دروازہ پر پہنچکر میں نے حضرتؒ سے دعا کیلئے درخواست کی۔ آپؒ پیچھے مڑے اور دعا کیلئے ہاتھ اٹھا دیئے۔ اور فرمانے لگے۔ "اے مولائے کریم! میں محمد طفیل کے طفیل میں تیرے حضور میں دعا مانگ رہا ہوں"۔ پھر آپؒ نے لمبی چوڑی دعا فرمائی۔ آپؒ کے کلمات سے مجھ پر شدید گریہ طاری ہو گیا۔ میری آنکھ کھلی تو مجھ پر جذب و مستی کی شدید کیفیت طاری تھی۔

مجھے اس خدائے پاک کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ میں نے اوپر جو خواب بیان کئے ہیں۔ ان میں ذرہ بھر بھی مبالغہ نہیں۔ یہ سب ایسے ہی دیکھے جیسا کہ بیان کئے ہیں۔ اور ان پر بیداری کا گمان ہوتا تھا۔ اور یہ میرے لوحِ قلب پہ آئینہ کیطرح منقش ہیں اور تا زندگی رہیں گے۔

وصال سے پہلے اور وصال کے بعد بھی مجھ ناچیز و حقیر پر اتنے جلیل المرتبت بزرگ کی توجہ اور شفقت اور فیضان میرے لئے بڑی سعادت و برکات کا باعث ہیں۔ اس پر جتنا بھی فخر کیا جائے کم ہے۔ یہ میرے لئے سعادتِ دارین کا باعث ہیں۔ ۔ ۔ دل تو چاہتا ہے حضرتؒ کا ذکرِ خیر کرتا ہی رہوں۔ لیکن نہ بیان میں قوت ہے اور نہ قلم میں طاقت۔ اسلئے با دلِ ناخواستہ بس کرتا ہوں

ع قلم اینجا رسید و سر بشکست۔

(فقیر ناصری)

حضرت اقدسؒ کی یاد میں

حضرت اقدسؒ کے وصال پر جناب صاحبزادہ حافظ مظہر الدین صاحب مدظلہٗ نے مندرجہ ذیل نظم لکھی تھی:-

نظر فروز وجہاں تاب تھا جمال ترا
بلند ہے تیری توصیف سے کمال تیرا

مدام فتح وظفر نے ترے قدم چومے
کہ تیرا حامی و ناصر تھا ذوالجلال تیرا

زہے وہ کان کہ جس نے سُنے ترے نغمے
خوشا وہ دیدہ ہے جس آنکھ نے جمال تیرا

کسی کا طرزِ تکلم پسند کیا آئے
ہلاک کر گیا اندازِ قیل وقال تیرا

عجیب تھا تیرے جذب و سلوک کا عالم
مقام دیکھ کے ششدر تھے اہلِ حال تیرا

جو شمع تُو نے جلائی وہ بجھ سکی نہ کبھی
ہمیشہ جلتا ہے پروانۂ جمال تیرا

ہے زندہ حلقۂ رُوحانیاں میں یاد تری
وجود بزم وفا میں ہے لازوال ترا

نہ چھُٹ سکیگا میرے ہاتھ سے ترا دامن
نہ چھُٹ سکیگا کسی حال میں خیال ترا

جنُوں فروش تھا جب تیرا جذبِ مستانہ
میری نگاہ نے دیکھا ہے وہ بھی حال ترا

خدا کے واسطے اے پیرِ میکدہ آجا
کہ مضطرب ہے بہت تشنۂ جمال ترا

دلوں کو تُو نے کیا سوزِ عشق سے معمور
نفس نفس تھا محبت میں لازوال ترا

مثال اس کی ہے تاریخِ عشق میں مفقود
ہُوا ہے وجد کے عالم میں جو وصال ترا

دلیل تیری یہ یکتائیِ کمال کی ہے
کہ ہر مرید ہے یکتا و بے مثال تیرا

تجلّیات کا مرکز ہے خوابگاہ تیری
ادب سے چُومتے ہیں خاک میر و شاہ تیری

تمام عمر دیا درسِ زندگی تُو نے
سکھا دیئے ہمیں آدابِ عاشقی تُو نے

گدازِ عشق میں دیکھی اگر کمی تُو نے
بجھائی سوزِ محبت سے تشنگی تُو نے

نماز پڑھنے کو کافر بھی آ گئے اُس دم
کبھی اذان جو مستانہ وار دی تُو نے

زہے کمالِ سخاوت کہ نامِ مولا پر
گلیمِ فقر بھی اپنی اُتار دی تُو نے

بنا لیا اُسے دیوانہ عمر بھر کے لئے
نظر ملا کے کسی سے جو بات کی تُو نے

اُنھیں کے سوز سے آتش بجاں ہُوں میں اب تک
جو نغمے گائے تھے ہنگام آخری تُو نے

کہاں نصیب تھی وہ قیصر و سکندر کو
لباس فقر میں کی جو شہنشہی تُو نے

کبھی فراق کے صدموں سے تُو نے تڑپایا
لگا کے سینے سے تسکین دی کبھی تُو نے

لنڈھایا مجلسِ رنداں میں تا دمِ آخر
شرابخانۂ عرفان و آگہی تُو نے

نثار تجھ پہ محبت کہ رنگِ صابرؒ میں
دیئے ہیں رنگ کئی لاکھ آدمی تُو نے

تڑپ تڑپ کے نہ مر جائیں دلفگار تیرے
تسلّیاں دے کہ لبِ جاں ہیں بیقرار تیرے

جناب عزیز حاصل پوری نے حضرت اقدسؒ کی شان میں منقبت - اور آپؒ کی تاریخِ وفات پر قطعات لکھے تھے - جو درجِ ذیل کیے جاتے ہیں۔

پروانۂ شمعِ رسالتؐ

سنہ ۱۳۹۵ ہجری

منقبت

بحضور سلطان المناظرین اِمامُ العلماء والاصفیاء جناب قبلہ حضرت مولانا صُوفی نواب الدین صاحب چشتی صابری (مدراسی) قدس سرہٗ العزیز

قدوۃُ السالکین زبدۃُ العارفین
عمدۃُ الواعظین - اکملُ الکاملین

عالِم با عمل - فاضلِ بے بدل
کارپردازِ تبلیغ دینِ متین

عشق و مستی میں مستوں کے پیرِ مُغاں
علم و عرفاں میں تلمیذِ رُوحُ الامین

صُوفیِ باصفا صاحبِ اِتّقاء
رہبرِ رہبراں قائدِ قائدین

زاہد و متقی چشتی و صابری　　عاشقِ صادقِ سیّدُ المرسلینؐ
سرزمینِ شریعت کے فرمانروا　　آسمانِ طریقت کے بدرِ مبیں
بحرِ فیضانِ کلیر کے تاباں گہر　　خاتمِ چشت کے اِک درخشاں نگیں
حُسنِ اذکار میں حُسنِ اذکار میں　　ہر تصوّر حسیں ہر تخیّل حسیں

دیگر قطعاتِ تاریخِ وفات

وفاتِ حضرتؒ ایا مردِ صاحبدل	تاریخِ سوز آگین
١٩٤٦ء	١٣٦٥ھ
"فیاضِ جہاں خردمند زماں"	"سلطانِ آفاق مریم الاخلاق"
١٩٤٦ء	١٣٦٥ھ
"سلطان المناظرین پاکیزہ طینت"	"قبلۂ طالبان عمدۃ المتوکلین"
١٩٤٦ء	١٣٦٥ھ

"فاضلِ باکمال۔ عارفِ روشندل"
١٩٤٦ء

صوفیٔ دِل آگاہ مولانا نواب الدین
١٩٤٦ء

اَنَارَ اللّٰہُ تُربتَہُم
١٣٦٥ھ

از نتیجۂ فکر شاعر پریشاں گوئے
١٩٤٦ء

خادمِ دیرینہ عزیزؔ حاصل پوری
١٣٦٥ھ

جنابِ اسدؔ نظامی صاحب جو حضرتِ اقدس کے پرانے عقیدتمندوں میں سے ہیں۔ اور آپؒ سے والہانہ عقیدت رکھتے ہیں۔ نے حضرت اقدسؒ کی شان میں چند اشعار نذر کئے ہیں جو درجِ ذیل کیے جاتے ہیں :-

رُباعی

دستِ حق باطل شکن حضرت نواب الدینؒ　　مہر و ماہِ انجمن حضرت نواب الدینؒ
اے اسدؔ وہ اُسی کا ہو کر رہ گیا　　جس نے دیکھی اک جھلک حضرت نواب الدینؒ

نذرِ عقیدت بر جناب حضرت پیر مولانا نواب الدین صاحبؒ چشتی صابری

منبعِ انوار تھے حضرت نواب الدینؒ　　مخزنِ اسرار تھے حضرت نواب الدینؒ
باطلی کے لئے تھے وہ سیفِ بُراں　　غلامِ شہِ کرارؓ تھے حضرت نواب الدینؒ
جن کا زہد جن کا تقویٰ ہے بے مثال　　لاریب صاحبِ افخار تھے حضرت نواب الدینؒ
فقر و غنا اور بحرِ حق جن کا مزاج　　قاسمِ انوار تھے حضرت نواب الدینؒ
سلسلۂ چشت شد باآں فروغ　　دین کے اطوار تھے حضرت نواب الدینؒ
جن سے باطل لرزاں و خائف رہا　　سیفِ فلق الکفار تھے حضرت نواب الدینؒ
دین و دنیا کے خزانے جس نے لُٹائے بے بہا　　وہ صاحبِ ایثار تھے حضرت نواب الدینؒ
کمربستہ دین کے واسطے وہ مردِ حق　　اَشِدّاءُ علی الکفار تھے حضرت نواب الدینؒ
خمکدۂ چشت کو جس نے لٹایا بارہا!　　محورِ ادوار تھے حضرت نواب الدینؒ
جن کی ہمت فقر جن کا بے مثال　　عشق کا بازار تھے حضرت نواب الدینؒ

رہتی ہے ہر دم اسدؔ پر جن کی نظر
حق کے احرار تھے حضرت نواب الدینؒ

(اسدؔ نظامی)

حضرت اقدسؒ کے خلفاء

جیسا کہ پیشتر بیان کیا جا چکا ہے۔ حضرت اقدسؒ کے دستِ مبارک پر چھ لاکھ آدمیوں نے توبہ کی۔ آپؒ کے خلفاء بھی بے شمار ہوئے۔ جن میں سے چند معروف و بزرگ خلفاء کے اسمِ گرامی ذیل میں دیئے جاتے ہیں:-

۱۔ جناب حافظ مظہر الدین صاحب چشتی صابری مدظلہٗ العالی — (راولپنڈی)
۲۔ جناب حضرت مولانا قبلہ غلام ربانی صاحب چشتی صابری دامت فیوضہٗ — ملتان
۳۔ جناب حضرت مولانا مست جمال صاحب چشتی صابری — فرید ٹاؤن ساہیوال
۴۔ جناب حضرت خلیفہ محمد صدیق صاحب ناصری (سجادہ نشین درگاہ حضرت امام ناصر الدینؒ جالندھر) اچھرہ۔ لاہور
۵۔ جناب حضرت سید عبدالمعبود شاہ صاحب گیلانی مدظلہٗ (گلگت والے)
۶۔ جناب حضرت مولانا سید منظور احقر صاحب مدظلہٗ — ایڈیٹر طوفان ملتان
۷۔ جناب حضرت مولانا سجادہ نشین صاحب کلیر شریف
۸۔ جناب حضرت سید زین العابدین صاحب سجادہ نشین دربار حضرت موسیٰ پاک شہیدؒ — ملتان۔
۹۔ جناب حضرت مولانا مرتضیٰ احمد خاں میکش ایڈووکیٹ (مرحوم)
۱۰۔ جناب حضرت سید سلطان علی شاہ صاحب مدظلہٗ — فیصل آباد
۱۱۔ جناب حضرت سید حسین شاہ صاحب مدظلہٗ، سجادہ نشین شاہ دانہ شہیدؒ ملتان
۱۲۔ جناب حضرت پیر مشتاق علی صاحبؒ (مدفن جوار داتا صاحبؒ) لاہور
۱۳۔ جناب حضرت سید فضل محمد شاہ صاحب مدظلہٗ — اوکاڑہ
۱۴۔ جناب حضرت خلیفہ محمد عظیم صاحبؒ (لسبی شریف ہوشیار پور والے) مدفن جھنگ
۱۵۔ جناب حضرت مولانا حکیم قادر بخش صاحبؒ (ملتان)

حضرت اقدسؒ کے خلفاء میں سے آپؒ کے صاحبزادگان میں سے جناب حضرت حافظ مظہر الدین صاحب اور قبلہ حضرت قبلہ مولانا غلام ربانی صاحب دامت فیوضہما

اور حضرت خلیفہ محمد صدیق صاحب ناصری مدظلہٗ العالی کے حالات پہلے جس قدر کہ فراہم کئے جا سکے ہیں) چند سطور لکھنا ضروری سمجھ کر ذیل میں دیئے جاتے ہیں:-

جناب حضرت حافظ مظہر الدین صاحب چشتی صابری دامت فیوضہٗ

حضرت حافظ صاحب کی ولادت رمداس[1] ضلع امرتسر میں ۱۹۱۶ء میں ہوئی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت اقدسؒ نے حافظ صاحب کو جبکہ آپ بچپن کے عالم میں تھے) اپنے مرشد پاک شاہ سراج الحق صاحب قدس سرہٗ کے قدموں میں ڈال دیا اور عرض کیا کہ "حضرت! اسے بھی اپنا مرید بنا لیں"۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے مرید کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ کہ "مولانا! آپ کی ساری اولاد قیامت تک ہونے والی میری مرید ہے۔ اس کی فکر نہ کریں۔" (یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت اقدسؒ کے دونوں صاحبزادگان موصوف بلکہ ساری اولاد حضرت شاہ سراج الحق صاحب کرنالویؒ سے روحانی طور پر فیض یافتہ ہیں) بعد میں سلسلۂ طریقت چشتیہ صابریہ میں آپ نے اپنے والد ماجدؒ سے بیعت بھی کی اور سلوک حاصل کر کے خلافت سے نوازے گئے۔

حضرت حافظ صاحب نے مدرسہ اسلامیہ حزب الاحناف لاہور میں قریباً ۱۹۲۱-۲۲ء میں باقاعدہ طور پر تحصیلِ علوم کا آغاز کیا۔ اور ورثہ میں ملی ہوئی اپنی جبلّی ذہانت اور اہلیت سے علوم عقلیہ و نقلیہ پر عبورِ کامل حاصل کر لیا۔ مولانا سید دیدار علی شاہ صاحبؒ محدث کے صاحبزادہ غازیٔ کشمیر مفسرِ قرآن علامہ سید ابوالحسنات قادری اور مولانا محمد ابوالبرکات قادری صاحب اور مولانا ابوالنور بشیر صاحب آپ کے ہمدرس رہے ہیں۔ حافظ صاحب اس مدرسہ کے کنٹرولر بھی رہے ہیں۔

(اس سے پیشتر حضرت اقدسؒ کے علی پور میں حضرت پیر سید جماعت علی شاہ صاحبؒ کے ہاں دورانِ قیام میں آپ بھی ساتھ رہے اور شاہ صاحبؒ کے صاحبزادگان کے ساتھ مسجد و مدرسہ میں ابتدائی تعلیم بھی حاصل کرتے رہے ہیں)

تعلیم کے دوران ہی ۱۹۳۲ء[2] میں آپ نے ایک معروف مناظرہ دیوبندی و غیر مقلد مولوی خیر محمد و محمد علی جالندھری سے جیتا تھا۔ ان کے ساتھ معاونِ مناظرہ علامہ ابوالبرکات بھی تھے۔

آپ بچپن میں اور زمانہ طالب علمی میں ہی اپنے والد ماجدؒ کے ساتھ بعض تاریخی مناظروں، جلسوں، بزرگانِ دین کے آستانوں، عرسوں اور دیگر روحانی اور علمی تقریبات میں شامل رہے ہیں۔

[1] حافظ صاحب کے ایک بیان کے مطابق آپ کی پیدائش سنکوٹ میں ہوئی۔

اور مرزائیوں کے تاریخی مناظروں میں بھی بعض میں آپ حضرت اقدس رح کے ساتھ رہے ہیں۔ اور اس سلسلہ میں کافی معلومات رکھتے ہیں۔ لکھتے ہیں

"میرے عنفوانِ شباب میں والد صاحب کے مرزائیوں سے جو مناظرے ہوئے تھے۔ ان کے نتیجہ میں مجھے تمام سوالات و جوابات یاد ہو گئے۔ جنہیں میں نے قلمبند کر کے "خاتم المرسلین" کے نام سے شائع کر دیا۔ یہ میری پہلی تصنیف تھی۔ جس پر استاد ابو البرکات سید احمد صاحب۔ والد ماجد اور مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش نے تقریظیں لکھیں۔ میرے سنِ بلوغ کو پہنچنے کے بعد والد صاحب کے جو مناظرے ہوئے۔ ان کی علمی باتیں ابتک میرے حافظہ میں محفوظ ہیں۔"

حضرت حافظ صاحب رمدراس میں مسلم لیگ کے صدر بھی رہے اور ۱۹۴۵ء-۴۷ء کے دوران تحریک میں نمایاں حصہ لیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد ۱۹۵۳ء میں تحریکِ ختمِ نبوت میں بھی آپ نے اہم کردار ادا کیا تھا۔

آپ علمی و ادبی حلقوں میں بھی ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ اور ایک جید عالم۔ بلند پایہ شاعر اور باکمال مقرر بھی ہیں۔ اور یہ سب آپ کے والد ماجد رح کے فیضِ صحبت کا اثر ہے۔

خصوصاً آپ نے شاعری میں صنفِ نعت گوئی میں ایک نمایاں مقام حاصل کیا ہے۔ آپ کے کئی مجموعہ ہائے کلام زیورِ طباعت سے آراستہ ہو چکے ہیں۔ آپ کا نعت گوئی میں کلام سے بے پناہ جذبۂ عشقِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اظہار ہوتا ہے۔

بابو جلال الدین صاحب بٹ اسلام آباد سے آپ کے والد ماجد رح کے بارہ میں اپنے تأثرات بیان کرتے ہوئے حافظ صاحب کے متعلق لکھتے ہیں:-

"آپ (مولانا صاحب رح) کے صاحبزادگان میں سے حضرت حافظ مظہر الدین صاحب راولپنڈی اور صوفی غلام ربانی صاحب ملتان میں ہیں۔ حافظ صاحب عشاقِ رسولِ کریم میں سے ہیں اور شگفتہ بیان شاعر بھی۔ ..."

حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحب ایم اے الازہر۔ مدیرِ اعلیٰ "ضیائے حرم"۔ سجادہ نشین بھیرہ شریف نے حافظ صاحب مدظلہ کے مجموعۂ کلام "بابِ جبریل" کے پیش لفظ کے تحت ایک طویل عالمانہ مضمون آپ کی نعت گوئی پر تحریر کیا ہے جس میں سے چند سطور یہاں نقل کی جاتی ہیں:-

"اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں حضرت حافظ مظہر الدین کے دل کو اپنے حبیب پاک صلعم کی محبت کیلئے اور ان کے قلم کو اس (حضور صلعم) کی مدحت کیلئے مخصوص کر لیا ہے۔ مبدءِ فیاض نے ان کو نغز گوئی۔ جدت طرازی۔ بیساختگی و برجستگی۔ شیریں زبانی۔ سلاست و روانی کی جو گلفام صلاحیتیں بخشی ہیں۔ ان کا رُخ ہر طرف سے موڑ کر اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت گوئی کی طرف پھیر دیا ہے۔"

آگے چل کر آپ کی ایک نعت میں آپ کی "عشقِ رسول صلعم" میں کیفیتِ مہجوری پر لکھتے ہیں۔

"عاشقِ مہجور کی دلی کیفیات کا وہی شخص صحیح اندازہ لگا سکتا ہے جسے کبھی ان جانگداز اور صبر شکن مرحلوں سے گزرنے کا موقع ملا ہو۔ شعر و شاعری کی دنیا میں قبلہ حافظ صاحب کا کیا مقام ہے؟ فصاحت و بلاغت میں آپ کی کیا شان ہے؟ اس کا اندازہ تو وہی لوگ لگا سکتے ہیں جو اس فنِ لطیف کی نزاکتوں اور لطافتوں سے باخبر ہیں۔ میں ایک عام قاری کی حیثیت سے اپنے احساسات کو رقم کر سکتا ہوں"۔ آخر میں لکھتے ہیں:-

"ہماری دلی دعا ہے کہ یہ نابغۂ روزگار۔ نعت کے میدان کا یہ بانکا شاہسوار تادیر سلامت رہے۔ اور ہمارے کان سنتے رہیں اور ہمارے دلوں میں عشق و مستی کی دنیا سلامت و آباد رہے۔ آمین۔ ثم۔ آمین!

(خاکِ راہِ صاحبدلاں:- محمد کرم شاہ)

حافظ صاحب مدظلہ کے مجموعۂ کلام "جلوہ گاہ" پر "حمد و نعت" کے عنوان کے تحت جناب محمد ایوب صاحب (مصنف نوائے فردا۔ اسلام آباد) رقمطراز ہیں۔

"خوش نصیبی کا کرشمہ کہیئے۔ یا رسائی طبع کی کرامت۔ یا عشقِ نبی کا معجزہ۔ حافظ صاحب نے نعت گوئی کو اپنی زندگی کا منتہائے مقصود بنا رکھا ہے۔ اُن کے ذوق و شوق کا عالم۔ رسول صلعم اور عشقِ رسول صلعم سے آباد ہے۔ وہ اکثر اس بادۂ حقیقی کی سرمستیوں سے سرشار نظر آتے ہیں۔ محبوبِ رب العالمین کی مدح سرائی اپنے مخصوص والہانہ انداز میں کرتے کرتے وہ خود اہلِ محبت کے نزدیک محبوبیت کے سزاوار ہو چکے ہیں۔"

جناب احسان دانش اسی مجموعہ کلام "جلوہ گاہ" پر "سجدۂ قلم" کے عنوان کے تحت تحریر فرماتے ہیں:-

"حافظ مظہر الدین صاحب شاعر بھی ہیں اور ادیب بھی۔ عالم بھی ہیں اور عامل بھی۔ وہ عشقِ رسول میں مستغرق ہیں۔ زبان سے نسبتاً کم اور آنسوؤں سے زیادہ گفتگو کرتے ہیں۔ نعت کا ایک رُخ جہاں میلاد ہے۔ وہیں معراج بھی ہے۔ اور اسمیں بعض اوقات بڑے

بڑے صاحبِ علم ہو کر کہا جاتے ہیں۔ حافظ مظہر الدین صاحب کے یہاں حضور کی زندگی کے ہر پہلو اور اپنے عجز کے بیشتر پہلوؤں پر خیالات و احساسات کی تصویریں ملتی ہیں۔ جن میں ادب بھی ہے اور احترام بھی۔ عشق بھی ہے اور سوزِ عشق بھی۔ میں نے پاکستان میں بہت کم لوگ حافظ مظہر الدین صاحب جیسے رقیق القلب اور عاشقِ رسول دیکھے ہیں۔ اور دیکھا جائے تو نعت گوئی کا حق عاشقِ رسول ہی کو پہنچتا ہے۔ اور وہی کلام دلوں میں گداز اور پلکوں میں بادلہ لگاتا ہے۔ میں عطار بگوید کا قائل نہیں۔ بلکہ مشک آنست کہ خود ببوید کا۔ حافظ صاحب کا نعت گوئی میں ایک مقام ہے۔ اور اُن کی نعتیں صاحبِ مقام لوگوں میں زیادہ لطف دیں گی۔"

جناب ابو الاثر حفیظ جالندھری صاحب حافظ صاحب کے مجموعۂ کلام "شمشیر وسناں" کے دیباچہ میں تحریر فرماتے ہیں :-

"مظہر اُس شاہراہ پر گامزن ہے جو مولانا حالیؔ مرحوم اور علامہ اقبال مرحوم نے شعرائے ملت کیلئے تیار کی ہے۔ لیکن اس پر چلنے کیلئے جس بصیرت کی ضرورت ہے وہ اسکی ذاتی ہے۔ مظہر صاحب مولانا نواب الدین صاحب قدس سرہٗ کے فرزندِ ارجمند ہیں۔ ان کے والد ایک ولیٔ کامل ایک عارف باللہ۔ ایک عالم باعمل۔ اور جذب و سلوک و تصوف کے ایسے جید پیکر تھے۔ جن کا مثیل آج نظر نہیں آتا۔ اپنی زندگی کے ابتدائی مراحل میں مجھے بھی چند ساعت اِس شجرِ معرفت کے سایہ تلے آسودہ ہونے اور ایک کیف سے بہرہ ور ہونے کا شرف ملا ہے۔ وہ کیفیت جو حبِّ رسول بن کر میرے خون اور روح میں جاری و ساری ہے اور اِن شاء اللہ رہے گا۔ مظہر اسی شجر کا ثمر ہے۔ اِسی جذب و نظر کا اصل وارث۔ میرے پیر و مرشد کا فرزند"۔

اپنے والدِ ماجد حضرت مولانا نواب الدین قدس سرہٗ کی صحبت اور مجالس میں حافظ صاحب نے بیحد فیوض و برکات حاصل کئے ہیں۔ آپ ایک عالم باعمل، متقی و پرہیزگار اور جذب و سلوک و طریقت میں ایک مقام رکھتے ہیں۔ اپنے والد ماجد کی طرح طبیعت میں سوز و گداز اور رقت پائی جاتی ہیں۔ آپ کے کلام میں شیرینی اور لطافت بیحد پائی جاتی ہے۔ آپ کا حلقۂ ارادت پنجاب کے اضلاع میں خصوصاً راولپنڈی گوجرانوالہ فیصل آباد۔ اوکاڑہ وغیرہ تک وسیع ہے۔ دعا ہے کہ آپ تادیر سلامت رہیں اور آپ کے انفاسِ طیبہ سے طالبین کو فیوضِ وافر حاصل کرنے کی توفیق مل سکے۔ آمین!

(صفحہ 319 پر جاری ہے)

(نیاز آگیں۔ طفیل ناصری)

حضرت قبلہ مولانا غلام ربانی صاحب چشتی صابری ادام اللہ فیوضہٗ و برکاتہٗ

حضرت قبلہ مولانا غلام ربانی صاحب مدظلہٗ العالی کی ولادت باسعادت ۱۹۱۸ء میں ضلع امرتسر میں ہوئی۔

ڈیرہ غازی خاں کے حاجی سید محمد شاہ صاحب مدظلہٗ ایک ایسے فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا غلام ربانی صاحب کی پیدائش سے قبل اور بعد میں بھی حضرت اقدسؒ اکثر یہ فرمایا کرتے تھے کہ "میرے پیر و مرشد حضرت شاہ سراج الحقؒ نے غلام ربانی کی پیدائش سے کئی سال قبل بارہا فرمایا تھا کہ مولانا! آپکو اللہ کریم دو فرزند ایک ساتھ (جڑواں بچے) عطا فرمائیں گے۔ دونوں پیدائشی ولی کامل ہونگے۔ ان میں سے ایک تو پیدائش کے بعد ہی وصال کریں گے۔"

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت قبلہ ربانی صاحب کے جڑواں بھائی کا پیدائش کے بعد ہی انتقال ہو گیا تھا۔

حضرت مولانا ربانی صاحب کے بچپن کے حالات اپنے والد ماجدؒ کے بچپن کے احوالِ جذب و مستی اور سوز و گداز کا عکس معکوس ہیں۔ اس فقیر نے بھی حضرت مولانا ربانی صاحب کے بچپن اور شروع زمانہ طالب علمی کی کیفیات مستانہ اور طبیعت میں کم گوئی اور کم سخنی کا مطالعہ کیا ہے۔ آپ پر کیفیات استغراقی کا شروع ہی سے غلبہ تھا۔ زمانۂ طالب علمی میں ایکدفعہ آپ جالندھر تشریف لائے تو شکستہ و بوسیدہ لباس اور پاؤں فگار آ کر بیٹھ گئے۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ آپ پاپیادہ حضرت سید میراں بھیک قدس سرہٗ کے آستانہ پاک واقعہ گھڑام شریف اور ارد گرد کے جنگلوں میں مستانہ حال میں بادیہ پیمائی کر کے آئے ہیں۔

(قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے۔ کہ حضرت اقدسؒ کے دونوں بزرگ صاحبزادگان پر بلکہ ساری اولاد پر حضرت قبلہ کرمالویؒ کی خصوصی روحانی توجہ رہی ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کو برنسبت سجادگی حضرت بو علی قلندرؒ جو قلندرانہ کیفیات ورثہ میں ملی تھیں ان کا فیضان حضرت اقدسؒ اور ان کی اولاد پر ہے۔ کیونکہ حضرت اقدسؒ پر باوجود ایک متبحر عالم اور پیر طریقت ہونے کے بسا اوقات ایسے عوالم گذرے جن میں قلندری رنگ کا غلبہ بحالت سکر و مستی نمایاں تھا۔ اور وصال سے کچھ عرصہ قبل یہی رنگ غالب رہا ہے۔ اور حضرت مولانا ربانی صاحب پر بچپن میں ایسی کیفیات گذریں اور بعد میں بھی آپ پر بسا اوقات احوالِ قلندرانہ کا غلبہ رہا۔ اور انہی دنوں بھی یہی رنگ آپکی طبیعت

پر اثر انداز معلوم ہوتا ہے۔ اور راقم الحروف کا اندازہ ہے کہ آپ کے خاندان میں صاحبزادہ طارق محمود میں بھی اس کے آثار پائے جاتے ہیں۔ جو واضح ہیں اور واللہ اعلم کب ظاہر ہوں۔ مؤلف)

حضرت مولانا ربانی صاحب نے بھی اپنے برادرِ بزرگ حضرت حافظ صاحب کے ساتھ ہی مدرسہ حزب الاحناف لاہور میں سنہ ۳۲-۱۹۳۱ء میں باقاعدہ تحصیلِ علوم کا آغاز کیا۔ اور چند سال میں ہی درشہ میں ملی ہوئی ذہنی اور روحانی صلاحیتوں سے علومِ عقلیہ و نقلیہ۔ تفسیر قرآن و حدیث، اور فقہی مسائل وغیرہ میں کامل دسترس حاصل کر لی۔ اور عنفوانِ شباب میں ہی آپ کا شمار جید علماء، و بلند پایہ خطیبوں میں ہونے لگا۔ آپ جلسوں تاریخی اجتماعوں۔ علمی مجلسوں۔ مناظروں اور بزرگانِ دین کے آستانوں پر بسا اوقات اپنے والدِ ماجدؒ کے ساتھ رہے ہیں۔ اور ان صحبتوں کے فیوض و برکات سے استفادہ حاصل کیا ہے۔ جو آپ کی علمی اور روحانی زندگی پر غالب اثرات رکھتے ہیں۔ تبلیغی اور تعلیمی اور اکتسابِ روحانیت کے سلسلہ میں آپ اپنے والدِ ماجدؒ کی طرح دُور دراز مقامات پر بے سروسامانی کی حالت میں سفر بھی کرتے رہے ہیں۔

سیاسی اور ملی سرگرمیوں میں بھی آپ نے بمبئی تک سفر کیا۔ بمبئی۔ نکودر، جالندھر لاہور۔ قیصرکرن۔ امرتسر۔ بٹالہ۔ مدراس کے نواحی علاقوں میں تحریکِ پاکستان کے سلسلہ میں مسلم لیگ کے جلسوں میں بے پناہ جوشیلی تقریریں کیں۔ اور قائدِ اعظم کے ساتھ زبردست اجتماع سے خطاب کیا (جہاں حضرت اقدسؒ نے بھی بڑی زوردار تقریر فرمائی تھی) اسلامیہ کالج لاہور کے ایک جلسہ میں بھی حضرت قبلہ ربانی صاحب نے بڑی زوردار تقریر کی تھی۔ وہاں مولانا غلام محمد ترنمؒ امرتسری بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ آپ نے مولانا شاہ احمد نورانی کے والد حضرت مولانا عبد العلیم صدیقی کے ساتھ بھی تحریکِ پاکستان کے سلسلہ میں بڑے طوفانی دَورے کئے۔ روحانی طور پر آپ پر حضرت قبلہ شاہ صاحب کرنالوی قدس سرہٗ کی خصوصی نظرِ کرم تھی۔ سلسلۂ طریقت چشتیہ صابریہ قادریہ میں آپ نے اپنے والدِ ماجد علیہ الرحمۃ سے بیعت کی اور خلافت حاصل کر کے مقامِ ارشاد پر فائز کئے گئے۔

اِس فقیر پر تقصیر کو بھی ملتان کے دورانِ قیام حضرت قبلہ مولانا غلام ربانی صاحب دامت فیوضہٗ کی بیشتر صحبتوں میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔ اور آپ کے کلامِ بلاغت نظام اور بیانِ سحر انگیز سے متمتع ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت اقدسؒ کے حالات میں بیان کیا جا چکا ہے۔ کہ حضرت مولانا ربانی کی مجالس کا رنگ بعینہٖ وہی ہے۔ جیسے کہ آپ کے والدِ ماجدؒ کی صحبت میں پایا جاتا تھا۔ اور کلام و بیان میں وہی روانی۔ سلاست اور بلند نظری کا مشاہدہ ہوتا ہے کہ قلب و روح پر ایک سرور انگیز نشہ چھا جاتا ہے۔

جناب بابو جلال الدین صاحب بٹ نے اسلام آباد سے ایک مکتوب میں حضرت اقدسؒ کے بارہ میں اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے تحریر کیا ہے :-

" آپ (حضرت مولانا نواب الدین صاحبؒ) کے صاحبزادگان میں سے حافظ مظہر الدین راولپنڈی میں اور صوفی غلام ربانی صاحب ملتان میں آباد ہیں ..... صوفی صاحب (مولانا غلام ربانی مدظلہٗ) پر اپنے والد ماجد کا رنگ غالب ہے۔ اور آپ اہلِ درد میں سے ہیں۔ خدا انہیں شاد و آباد رکھے۔ آمین!"

حضرت مولانا غلام ربانی صاحب دامت فیوضہٗ کا سلسلۂ ارادت ملتان اور نواحی علاقوں۔ لاہور بھائی پھیرو۔ رائے ونڈ۔ جھنگ۔ فیصل آباد۔ پاکپتن شریف وغیرہ علاقوں تک پھیلا ہوا ہے۔ اور بیشمار خلقِ خدا آپ کے فیوض و برکات سے بہرہ مند ہو رہی ہے۔

اپنے والدِ ماجد حضرت مولانا نواب الدین صاحب قدس سرہٗ کا سالانہ عُرس مبارک ہر سال باقاعدہ طور پر آستانۂ عالیہ چشت نگر موضع نوکستی تحصیل ملتان بڑے اہتمام کے ساتھ منعقد کراتے ہیں۔ جہاں ارادتمندوں طالبانِ حق اور باذوق لوگوں کا بے پناہ اجتماع ہوتا ہے اور عُرس مبارک کی تقریبات شان و شوکت سے منائی جاتی ہیں۔ رات کی مجالس میں نور و انوار کی بارشیں ہوتی ہیں۔ وسیع پیمانہ پر باقاعدہ لنگر کا انتظام ہوتا ہے۔

امسال ۲۱-۲۲ جمادی الثانی سنہ ۱۴۱۰ھ میں عُرس مبارک کے موقع پر اس فقیر نے بیحد فیوض و برکات مشاہدہ کئے۔ مجالسِ ذکر میں بے انتہا جذب و مستی کی کیفیات دیکھنے میں آئیں۔ اور آخر میں مجالسِ سماع میں ہر سمت شور مچ گئے مجالس پر سرور و مستی اور وجد و حال کا عالم طاری رہا۔ آستانہ کے در و دیوار بھی ان کیفیات میں رقص کناں نظر آتے تھے۔ اہلِ نظر حضرات نے ان مجالسِ ذکر و فکر اور سماع میں مشاہدہ کیا۔ کہ بزرگانِ سلسلہ (خصوصاً صاحبِ عُرس حضرت مولانا نواب الدین صاحبؒ) کی ارواحِ پاکیہ کی توجہات کا خصوصی فیضان تمام ماحول پر محیط رہا۔ خاص توجہ طلب بات یہ تھی کہ

یہ تمام ریاضتیں ہر قسم کا تصنع و بناوٹ سے مبرّا اور نمود و نمائش کی آلودگیوں سے پاک تھیں۔ اہلِ نسبت و ارادت حضرت قدس کی توجہ کے فیضان سے جھولیاں بھر کر اپنے گھروں کو لوٹے۔

جہاں تک حضرت قبلہ مولانا غلام ربانی صاحب دام فیضہٗ کی ذاتِ گرامی کا تعلق ہے۔ آپ ایک زمانہ سے جذب و بیخودی کے عالم میں پائے جاتے ہیں۔ اور کلام فرماتے ہیں تو سامعین پر جاسن و بیخودی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

مگر اس سال آپ پر عجیب کیفیاتِ جذب و بیخودی طاری تھیں۔ چہرۂ انور سے مستی و سرمدی نشہ کے انوار پھوٹتے نظر آتے تھے۔ اور خاص طور پر مشاہدہ ہوا کہ آپ کی جلالی کیفیات سے جمالی کیفیات اُبھر کر سامنے آئیں۔ آپ ہمہ وقت محبت و خلوص۔ انکسار و تواضع۔ تبسم و خندہ پیشانی سے کلام فرماتے کہ حاضرین کے دل فرطِ عقیدت و محبت سے پگھل پگھل جاتے۔ اور دل پر جذب اور رقت کا عالم طاری ہو جاتا۔

اور اس سال حضرت قبلہ مولانا غلام [illegible] صاحب دامت فیوضہٗ کی ذاتِ گرامی سے ایسی کیفیات سکوت و خاموشی اور وجدان و سرشاری دورانِ سماع دیکھنے میں آئیں جن کو بیان کرنے میں الفاظ گُنگ ہیں۔ اور خامہ طاقتِ تحریر نہیں پاتا۔ اور زبانِ بے زبانی ہی اس کی ترجمان ہو سکتی ہے۔ ایسے ہی مستانِ حق کے بارہ میں اور ان کیفیات میں حضرت مولانائے روم مثنوی شریف میں مندرجہ ذیل شعر میں فرماتے ہیں:۔

کاشکے ہستی زبانے داشتے
تا زمستاں پردہ ہا بر داشتے

اور پھر یہ دُعا بھی فرماتے ہیں کہ؎

اے خدا بنما تو جاں را آں مقام
کاندروں بے حرف می روید کلام

عشقِ الٰہی میں مستوں کی کیفیات اِن کے احوال میں ہی مستور رہتی ہیں۔ اہلِ نظر ہی ان کو محسوس کرتے ہیں۔ اور ان سے متمتع ہوتے ہیں۔

یہ عاجز حضرت قبلہ ام دامت فیوضہٗ و برکاتہٗ کی ذاتِ والا صفات پر مزید لکھنے سے اپنے عجز کا اظہار کرتا ہے اور ؏ قلم اینجا رسید و سر بشکست!

اللہ تعالیٰ قبلہ ام حضرت مولانا صاحب دامت فیوضہٗ کی ذاتِ گرامی اور انفاسِ طیبہ سے طالبانِ راہِ طریقت کو مزید بہرہ ور ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور اس فقیرِ حقیر کے لئے آپ کی غلامی کا شرف، دنیوی اور اُخروی سعادتوں کا وسیلہ بنے۔ آمین!

۱۹۸۰-۹-۹ (خاکپائے راہِ مستاں طفیل محمد جشتی عفی عنہ)

حضرت خلیفہ محمد صدیق صاحب ناصری چشتی صابری زاد مجدہٗ

حضرت خلیفہ محمد صدیق صاحب اپنے عالیہ چشتیہ صابریہ میں حضرت مولانا ابو الدین صاحب چشتی صابری کے دیرینہ اور بزرگ خلفاء میں سے ہیں۔ آپ کی پیدائش ۱۸۹۴ء میں ماسٹر رحیم صاحب سجادہ نشین درگاہ حضرت خواجہ امام ناصر الدین چشتی جالندھر شہر کے ہاں ہوئی۔ آپ کے دادا بابا عمر بخش صاحب سلسلہ عالیہ چشتیہ میں حضرت بابا شیر شاہ صاحب جالندھری کے خلفائے مجاز میں سے تھے اور اپنے زمانہ کے اہل اللہ میں ان کا شمار ہوتا تھا۔

حضرت خلیفہ صاحب کی [illegible] اِن کی صغر سنی ہی میں انتقال فرما گئی تھیں۔ آپ کی پرورش آپ کی دادی صاحبہ (جو اعظم الحریف والہ کی سگی پھوپھی تھیں) نے کی۔ جو بڑی عابدہ اور زاہدہ خاتون تھیں۔ دادی صاحبہ کی تربیت میں آپ اس پاک گھرانہ کی خصوصیات سے بہرہ مند ہوئے۔

آپ کے [illegible] والد ماسٹر رحیم بخش صاحب سجادہ نشین درگاہ امام ناصر الدین [illegible] صوفیانہ ذوق میں ہوتا تھا۔ آپ کی بیٹھک پر حضرت مولانا ابو الدین صاحب [illegible] تشریف لایا کرتے تھے۔ اس زمانہ کی بزرگ ہستیوں۔ اہلِ علم و ادب اور صوفیاء کی آماجگاہ تھی۔ حضرت خلیفہ صاحب نے ان اہلِ کمال کی صحبت سے بھی استفادہ کیا۔ آپ صغر سنی ہی میں اہلِ حق کی تلاش میں رہا کرتے تھے۔ حضرت بابا امراؤ شاہ صاحب قادری نے (جو آپ کے والد محترم کے مرشد تھے) آپ سے بڑی محبت کرتے تھے۔ یہ بابا جی کی نظرِ التفات ہی تھی۔ جو ان کی تلاشِ مرشد میں رہنمائی کا ذریعہ بنی۔

حضرت بابا شیر شاہ صاحب چشتی سلسلہ طریقت میں حضرت سید جان محمد صاحب [illegible] کے [illegible] جو حضرت سید میراں بھیک صاحب چشتی قدس سرہٗ کے خلیفہ حضرت سید علیم اللہ شاہ صاحب چشتی جالندھری (مشہور و معروف) تھے۔ حضرت خلیفہ صاحب کے جدِ امجد حضرت بابا سید علی شاہ صاحب (سجادہ نشین درگاہ [illegible]) حضرت [illegible] حسنی سے ہم صحبت اور ارادت مندوں میں سے تھے۔ اور بابا شیر شاہ صاحب ہم [illegible] رہے ہیں۔ ان بزرگوں سے خلیفہ صاحب کو بالواسطہ روحانی فیوض پہنچے ہیں۔

یُوں تو آپ کے گھرانہ میں حضرت خواجہ اِمام ناصر الدّین صاحب چشتی قدس سرّہ کی برکت سے سلسلہ عالیہ کا فیضان چلا آرہا تھا۔ تاہم آپ اپنے اندر ایک رُوحانی تشنگی محسُوس کرتے تھے۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے آپکو مُرشدِ کامِل اور اُسوقت کے متبحّر عالِم دین اور ولئِ کامِل حضرت خواجہ مولانا نواب الدّین چشتی صابری رح کی صحبت میں پہنچادیا۔

حضرت مولانا رح شروع میں جب تشریف لائے تو مسجد درگاہ شریف حضرت اِمام پاک رح میں قیام پذیر ہوئے (حضرت اقدس رح کے حالات میں اسکا ذکر کیا جا چکا ہے) خلیفہ صاحب آپ رح کی زیارت کیلئے جاتے اور آپکے کلام اور مواعظ سے بیحد متأثر ہوتے۔ آخرش حضرت مولانا رح کے فیضان توجّہ سے گھائل ہوکر بیعت کیلئے درخواست کی۔ حضرت اقدس رح نے آپ کو اپنی غلامی لے لیا۔ اِس کے بعد حضرت مولانا رح جب بھی جالندھر تشریف لاتے۔ تو خلیفہ صاحب ہی کی بیٹھک میں مہینہ مہینہ بھر قیام فرماتے۔ اِسلئے خلیفہ صاحب کو حضرت رح کی صحبت اور خدمت کے بیشمار قیمتی مواقع نصیب ہوئے۔ حضرت مولانا رح کی بھی آپ پر خصوصی توجّہ رہتی۔ اسلئے تھوڑے عرصہ میں ہی آپنے اپنے مُرشد پاک کے دِل میں مقامِ محبُوبیت پیدا کرلیا۔ اور سلسلۂ عالیہ کے فیضان سے بہرہ مند ہوکر خلافت سے نوازے گئے۔ بعد تلقین وارشاد طالبین کی اجازت مرحمت ہوئی۔

حضرت اقدس کے حالات میں پیشتر بیان کیا جاچکا ہے۔ کہ حضرت مولانا رح کو آپ کے اہلِ خاندان سے بیحد اُنس ومحبّت تھی۔ (حضرت اقدس رح خلیفہ صاحب کے خاندان کے افراد کو "پاک لوگ" کے نام سے پکارا کرتے تھے) اس قُرب اور اُنسیت کے نتیجہ میں حضرت خلیفہ صاحب کی اہلیہ محترمہ اور آپ کا بڑا صاحبزادہ ساحر صدیقی (مرحوم) بھی حضرت مولانا صاحب رح کے حلقہ ارادت میں شامل ہوگئے تھے۔ دونوں ہی تادم آخر حضرت اقدس رح کے فیضان سے صاحبِ جذبہ وحال رہے تھے۔

حضرت مولانا صاحب رح کے وصال پر حضرت خلیفہ صاحب سخت مضطرب و پریشان ہوئے۔ اور حضرت اقدس رح کے آخری دیدار کے لئے فسادات کے دوران مدراس پہنچے۔ اور غسل اور دفن کفن کے فریضہ میں حصّہ لیا۔ (اسوقت کے مشاہدات حضرت اقدس رح کے وصال کے باب میں پیشتر بیان ہوچکے ہیں)

حضرت خلیفہ صاحب مدظلہ اپنے پیر و مُرشد کے عاشق ہیں۔ اور ہر وقت ان کی یاد میں محو رہتے ہیں۔ حضرت خلیفہ صاحب کے ایماء پر ہی مجھے اس تذکرہ کے لکھنے کی توفیق نصیب ہوئی ہے۔

حضرت خلیفہ صاحب کے گھرانہ کے تقریباً سب افراد سلسلۂ عالیہ چشتیہ صابریہ میں صاحبزادہ حضرت مولانا غلام ربانی صاحب دامت فیوضہ کے دستِ مبارک پر بیعت ہوچکے ہیں۔ حضرت خلیفہ صاحب کے ارادتمندوں کا حلقہ بھی لاہور۔ فیصل آباد۔ جھنگ صدر تک پھیلا ہوا ہے۔ اور بیشمار طالبین آپ سے فیض پاچکے ہیں۔

حضرت خلیفہ صاحب مدظلہ ایک مرنجاں مرنج درویش ہیں۔ آپ بیحد متوکل اور ہر حال میں رضائے مولا پر صابر وشاکر رہتے ہیں۔ آپ کی ساری زندگی صدمات و اِبتلاء میں گذری ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی آزمائش کرتا ہے۔

سب سے بڑا صدمہ آپ کو اپنے چھوٹے صاحبزادے (جس کا تاریخی نام نعمت علی تھا) کی موت سے ہوا۔ جو ۱۹۴۷ء کے پاک وہند فسادات میں جالندھر میں شہید ہوگیا تھا۔ آپنے اپنے پیارے بیٹے کی جدائی کا صدمہ بڑے صبر واستقلال سے برداشت کیا۔

حضرت خلیفہ صاحب کو دوسرا صدمہ عظیم اُسوقت پہنچا۔ جب آپ کے بڑے لخت جگر صاحبزادے جناب غنیمت علی ساحر صدیقی کی وفات پر پہنچا۔ ساحر صدیقی اپنے عنفوانِ شباب میں اور اپنے عروجِ شاعری میں ہی آپ کو داغِ مفارقت دے گئے۔ اس آزمائش میں بھی آپ رضائے الہٰی پر صابر وشاکر رہے۔ اور زبان سے اُف تک نہ کی۔

حضرت خلیفہ صاحب مدظلہ کچھ عرصہ سے بعارضۂ فالج صاحبِ فراش ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُنہیں صحتِ کاملہ عطا فرمائے۔ آمین!

یہاں حضرت اقدس رح کے خلفاء کے حالات اختتام پذیر ہوئے۔ اب حضرت اقدس رح کی تصنیف "پیغام حق" کے مقدمہ سے مختصر اقتباسات قارئین کے استفادہ کیلئے پیش کئے جاتے ہیں۔

حضرت اقدسؒ کا نادر علمی شاہکار

قبل ازیں بتایا جا چکا ہے کہ آپؒ ایک معرکۃ الآراء کتاب "تحقیق الادیان فی اعجاز القرآن" المعروف "پیغام حق" کی تصنیف کا آغاز فرما چکے تھے۔ اس کتاب کا مقدمہ، اکتوبر ۱۹۳۰ء میں طبع ہو چکا تھا جو ۱۷۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ جس کتاب کا مقدمہ اسقدر ضخیم ہو۔ تو اس کتاب کی ضخامت کی کیا حد ہو سکتی ہے۔ اسی سے آپؒ کا بلند علمی رتبہ۔ تحقیق۔ بلندیٔ فکر اور بصیرت و معرفت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ مقدمہ کے شروع میں جو چیلنج آپؒ نے دنیا کے مذاہب اور مسلمانوں کے مخالف فرقوں کو دیا ہے۔ اس کا جواب آپ کی زندگی میں اور نہ ہی آج تک کوئی دے سکا ہے اور نہ آئندہ دے سکیگا یہ آپ کی فضیلت و تبحر علمی کی ایک بین اور زبردست دلیل ہے۔ (افسوس! کہ زندگی نے آپؒ کو مہلت نہ دی کہ آپ اس نادر علمی شاہکار کی تکمیل فرما سکتے۔)

اس کتاب کا مقدمہ بذاتِ خود ایک بیش بہا علمی شاہکار ہے۔ اس مقدمہ میں تحریر کی سلاست بلندیٔ افکار اور بیان کی روانی کا وہی اسلوب ہے۔ جو کہ زندگی میں حضرت مولانا ممدوحؒ کی خطابت میں ہوا کرتا تھا۔ اور تحریر کی جاذبیت اور دل نشینی و بلند پروازی کا وہی عالم ہے جو آپؒ کے کلام میں پایا جاتا تھا۔ کہ بار بار پڑھنے سے کبھی سیری نہیں ہوتی۔ اور روحؒ "ھل من مزید" پکارتی ہے۔

کسی کو یقین آئے نہ آئے۔ میں جب بھی یہ تحریر پڑھتا ہوں۔ تو میری سماعت میں حضرت اقدس علیہ الرحمۃ کی قلب و روح میں اتر جانے والی آواز گونجتی سنائی دیتی ہے۔ اور ایک کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

دل چاہتا ہے۔ کہ اس جادو بھری تحریر کو جو بحرِ بیکراں کی مانند ہے۔ اس تذکرہ میں سمو دوں۔ مگر سمندر کو کوزہ میں بند کرنا ممکن نہیں۔ اس لئے بخوفِ طوالت صرف چند مقامات سے اقتباسات پیش کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔

(احقر العباد۔ طفیل ناصری)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اقتباسات پیغام حق

مبلغ دس ہزار روپیہ نقد انعام کا اشتہار

واضح باد کہ دنیا میں مختلف خیالات کے انسان آباد ہیں جن کی تعداد بہت بڑی ہے۔ میں نے اس کتاب "تحقیق الادیان فی اعجاز القرآن" میں تمام طرح کے غلط خیالات کے لوگوں کی تردید کی ہے۔ اور یہ ثابت کر دیا ہے کہ سب لوگوں کو ایک مذہب کی ضرورت ہے اور وہ سچا مذہب اسلام ہے۔ سوائے مسلم جماعت کے تمام لوگ سیدھے راستے پر نہیں۔

الغرض دنیا میں سوائے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھنے والوں کے جو جو شخص جس جس خیال کا سوائے مذہب اسلام کے کسی دوسرے مذہب یا خیال کا پابند ہے میں نے سب کو دعوت دی ہے۔ اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ قرآن شریف آسمانی کتاب ہے جس کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالیٰ کی طرف سے تعلیم پا کر دنیا کی ہدایت کیلئے تمام جہان کے سامنے پیش کیا ہے۔ اور باوجود یتیم اور بیکس اور مفلس اور نادار ہونیکے ایسی کتاب پیش کی ہے جو ایک بحرِ محیط ہے۔ جس سے تمام اولین و آخرین کے علوم کے چشمے پھوٹے ہیں۔ اور تمام علوم اور اعمال اور حقائق و معارف غرض جو جو کمال ہیں ان سب کا مجموعہ قرآن شریف ہے۔ یعنی کمالات کے مجموعہ کا نام قرآن شریف ہے۔ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن سے وہ نسبت ہے جو صورت کو بعینہٖ آئینہ سے یا نقشے کو جغرافیہ سے۔ یعنی جو جو کمالات قرآن شریف میں بیان ہوئے ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ والاصفات ان سب کمالات کا نمونہ ہے۔ غرض ہم نے اس کتاب میں کمالاتِ محمدیؐ اور کمالاتِ قرآنی تحریر کئے ہیں۔ اور دس ہزار کمالات تحریر کر کے وغیرہ وغیرہ کر دیا ہے۔ اور یہ ثابت کیا ہے کہ دنیا میں جو کمال ہے وہ کمالِ محمدیؐ ہے۔ اور چونکہ کمالات یا علمی ہونگے یا عملی۔ لہٰذا ہر جگہ علم یا عمل جو جو بھی ہے وہ سب کے سب کمالاتِ محمدیؐ ہیں۔ اور اس کتاب میں ہر فرقے اور ہر مذہب وغیرہ وغیرہ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے خلاف ہے سب کی تردید کر کے ایک صراطِ مستقیم بتلا دیا ہے۔ غرض دنیا کا کوئی اعتراض نہیں رہا جس کا جواب اس کتاب میں نہ دیا ہو۔ اور نیز دنیا کے تمام علوم اور اعمال کی ایک۔

فہرست اوّلاً کتاب میں تحریر کی ہے۔ اور بعدہٗ یہ دعویٰ کیا ہے کہ تمام علوم اور کمالات صدقہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور سوائے مسلمانوں کے جو جو شخص جس جس خیال کا تمام دُنیا یعنی تمام یورپ اور ایشیا کے ممالک میں جہاں جہاں آباد ہے۔ ہر ایک کو میدان میں بلایا ہے اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ دُنیا کے ہر ایک فرقے کے ماننے والے جو قرآن شریف کے خلاف ہیں اُن کے خیالات سب کے سب غلط ہیں اور ہر ایک فرقے کے خیالات کی تردید۔ اور تحقیق کے ہزارہا دلائل بیان کئے ہیں۔ اور ہر ایک وہ کتاب جو مذہبی کتاب کہلاتی ہے اور قرآن کے سوا ہے سب کی حقیقت ظاہر کر دی ہے۔ غرض تمام دُنیا کے مذاہب کے اصل عقائد اور ان کی سب حقیقت ظاہر کر کے سب کی اصلاح کی ہے۔ اور بعدہٗ یہ بتلایا گیا ہے کہ سوائے قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والوں کے کسی کی نجات نہیں۔ اور ہر دو جہان میں محمدی سہارا ہے۔ میری اس بات پر جو اعتراض ہوتے ہیں ان سب کا جواب اس کتاب میں ہے۔ اب دُنیا کے تمام راجے مہاراجے۔ والیانِ ریاست۔ پنڈت پاندے۔ پوپ پادری وغیرہ وغیرہ جو جو دُنیا میں سوائے قرآن کے کسی کتاب کو مانتے ہیں یا منکرانِ کُتب اِلٰہی ہیں۔ وہ سب کے سب اکٹھے ہو کر یا علیحدہ علیحدہ اگر میرے دلائل پیش کردہ میں سے کسی ایک دلیل کو معقولیت سے ردّ کر دیں یا میرے تمام اُن حوالجات کا جو جو تمام دُنیا کی مذہبی کتابوں سے میں نے حوالے دیئے ہیں ایک حوالہ غلط ثابت کر دیں۔ یا اپنی اپنی کتابوں سے قرآنی کمالات کا ہزارواں حصہ بھی وہ پیش کر دیں۔ یا اپنی اپنی کتابوں سے خدا کی توحید ثابت کر دیں۔ کہ اِن کتابوں نے دُنیا میں تشریف لا کر کیا کیا اثر کیا۔ جو ان کتابوں کے ماننے والوں پر مرتب ہوا۔ غرض کسی لحاظ سے اگر دُنیا کے عقلمند یا دُنیا کے اہلِ مذاہب ہمارے پیش کردہ دلائل سے ایک دلیل ردّ کر دیں۔ یا ہمارا ایک حوالہ غلط ثابت کر دیں۔ یا قرآن کے سوا کوئی ایک کمال ثابت کر دیں جو قرآن میں نہ ہو خواہ علمی ہو یا عملی۔ یا ہمارے بیان کردہ اسلامی عقائد پر اعتراض کر دیں جس کا جواب اس کتاب میں نہ ہو۔ یا دُنیا اور آخرت میں سوائے اتباع قرآن کے فلاح و بہبود ثابت کر دیں۔ تو مبلغ <u>دس ہزار روپیہ نقد چہرہ شاہی</u> بطور انعام ہم سے لیں۔ اور اگر ہم انکار کر دیں۔ تو ہمارا پختہ مکان جو ایک بہت بڑی عمارت ہے۔ اور ہماری زمین جو برچاہ سنگ والہ نیا۔ اور برچاہ بیلے والا نیا۔ اور برچاہ سنگ والہ پرانا۔ اور برچاہ بیلو والہ پرانا اور دیگر تمام اراضیات۔ اور یہ تمام جائیداد قصبہ رمداس

ڈاکخانہ واسٹیشن خاص۔ تحصیل اجنالہ ضلع امرت سر صوبہ پنجاب مُلک ھندوستان میں واقع ہے۔ وُہ اِس جائیداد سے بذریعہ عدالت ڈگری کرا کر وصول کر لیں۔ اور یہ اشتہار ایک محکم دستاویز ہے۔ اور طریق فیصلہ یہ ہے۔ کہ چار شخص جامع العلوم جو عقلی اور نقلی علوم کے جامع ہوں مسلّمہ فریقین منصف ہوں گے اور فیصلہ ان کے حلفیہ بیان سے ہوگا۔ اور ہر دو فریقین کو گنجائشِ اِنکار نہ ہوگی۔ اور یہ دعویٰ ہماری تمام زندگی تک ہے۔ ہماری زندگی میں جس وقت کوئی چاہے مقابلہ کرے۔ کسی مُدّت کی قید نہیں۔ فقط۔

المشتہر

فیاضِ آگین۔ نواب الدین ولد محمد موسیٰ الراعی
ساکن قصبہ رمداس ڈاکخانہ واسٹیشن خاص۔ تحصیل اجنالہ
ضلع امرت سر صوبہ پنجاب ملک ھندوستان
بقلم خود

اُوپر کا اشتہار بطور چیلنج دیا گیا تھا۔ اب "پیغام حق" کے مقدمہ کے مضامین میں سے چند خاص مقامات سے اقتباسات اختصار کے ساتھ نقل کئے جاتے ہیں۔

۱؎ اپنے انتقال سے چھ ماہ قبل آپ تبت اور کشمیر کے دورہ سے واپس آئے تو امرتسر شہر میں قدِ آدم اشتہارات بہ عبارت ذیل چھپوا کر تمام ھندوستان میں ہر جگہ بھیجے:
"اے لوگو! (خصوصاً ہر مذہب کے عُلماء وغیرہ) اب میرے اِنتقال کو تھوڑا باقی ہے۔ میں نے پیغام حق میں جو چیلنج دیا تھا۔ لہٰذا اب جس کا جی چاہے۔ آئے اور میری زندگی تک مجھ سے مناظرہ کر کے دیکھ لے۔ یہ معاملہ میری زندگی تک محدود ہے۔"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اقتباسات مقدمہ "پیغام حق"

حضرتِ اقدسؒ نے معرفتِ انسانی پر ایک طُول طویل بحث کی ہے۔ جو بخوفِ طوالت قلمزد کیجاتی ہے۔ باقی چند جگہوں سے مختصر اقتباسات درج ذیل ہیں۔

اِنسانِ کامل صفاتِ الٰہی کا مظہر ہوتا ہے۔ اِخلاقِ انسانی اِخلاقِ الٰہی کا محل ہوتے ہیں

تو ضروری ہُوا کہ جو بندہ خدا کا خاص محبُوب اور پیارا ہو۔ اسمیں یہ صفتیں ضروری ہونی چاہئیں۔ کہ وہ بندگانِ خُدا اور دیگر مخلوق پر مہربان اور رحیم ہو۔ اور دُشمنانِ خُدا اور شریروں پر سختی کرے۔ غرض اسمیں جلال و جمال کے دونوں پلڑے مساوی ہونے چاہئیں۔ یہ نہیں کہ وہ ہر سختی کا مقابلہ نہ کرے اور ہر جگہ چپ چاپ رہے۔ اور خواہ کوئی اسکی یا اسکے خُدا کی توہین کرے۔ یا دیگر خُدا کے احکام کی خلاف ورزی۔ مگر وہ کسی سے کوئی بدلہ نہ لیوے اور مثل بے دست یا مثل پتھر یا مٹی کے۔ کسی قسم کا بدلہ نہ لیوے اور ہمہ تن بے حس و حرکت ہو جاوے۔ اور یہ بھی نہیں کہ وہ ہر جگہ سختی اور تشدّد ہی کرے اور مثلِ درندگان کسی پر مہربانی ہی نہ کرے اور موقعہ اور بے موقعہ کا لحاظ نہ کرتے ہوئے خواہ مخواہ سختی اور نرمی کو بے جا استعمال کرے۔ ایسا شخص عقل سے دُور ہوگا۔ اسکو کامل مکمل تو کیا عقلمند کہنا بھی بُرا ہے۔ لہٰذا ضروری ہُوا کہ جمال و جلال کو موقعہ اور محل پر استعمال کیا جاوے۔ الحاصل اِنسان کامل میں عقل اور فہم کا کمال ہونا ضروری ہے۔

عقل اور فہم کا کمال تو اِس لئے کہ وہ تمام احکام اور اوامر و نواہی کو خُوب سمجھے۔ جو عقل اور فہم ہی سے معلوم کیے جاتے ہیں۔ اور اِخلاق کا کمال اسلئے کہ اگر اخلاق کامل ہوں تو انکے افعال و اقوال اور حرکات و سکنات اور ارادت و خیالات موافق اور مطابق قانُونِ الٰہی ہوں گے۔ اور اگر وہ مطابق قانونِ الٰہی نہ ہوئے تو کمال کیا خاک؟ بلکہ نقص اور عیب ہوگا۔ اگر مطیع فرمانِ الٰہی نہ ہو۔ تو مقرب بارگاہ تو کجا رانندۂ درگاہ ہوگا۔ کیونکہ حُکام ظاہر راہزنوں اور قزاقوں کو مقرب نہیں بناتے۔ اور بد معاشوں کو مقرب درگاہ نہیں کرتے۔ بلکہ بجائے قرب و وصال کے اُلٹا سزا اور عتاب کرتے ہیں۔ لہٰذا ضروری ہُوا۔ کہ جس

شخص میں عقل و فہم کا کمال اور اِخلاق کا کمال۔ اور اطاعت اور تابعداری خداوندی کا کمال جتنا ہوگا۔ وہ اُتنا ہی مقرّب اور منظورِ درگاہ ہوگا۔

صُورت و سیرتِ محمدیہ

سو اِن ہر سہ امُور کا کمال محمد رسولؐ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ آپ رسُولِ برحق اور نبی ہیں اور اِن ہر سہ امُور کا کمال آپ پر ختم ہو گیا ہے۔ لہذا آپ خاتم النبیین ہیں۔ آپ کے بعد نہ کوئی نبی اور نہ رسُول آسکتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ خُدا نے خاتم النبیین فرمایا۔ کیونکہ ہر شے کا کمال اس کی علّتِ غائی پر جاکر ختم ہو جاتا ہے۔ علّتِ مادّی صُوری و فاعلی ہر سہ کے بعد علّتِ غائی ہوتی ہے۔ مگر علّتِ غائی کے بعد کوئی علّت نہیں۔ چونکہ آپؐ مخلوق کی تخلیق کی علّتِ غائی ہیں۔ لہٰذا آپ خاتم النّبیین ہیں۔

(اِس کے بعد حضرت مولاناؒ نے کئی مقامات پر خُدا کی ہستی اور وجُودِ مطلق پر مدلل اور بسیط بحث کی ہے اور جو بہت طویل اور علم قارئین کی فہم سے بالا ہے۔ یہاں پر چند اسمائے الٰہیہ کی شرح جو مولانا نے بیان فرمائی ہے۔ درج کی جاتی ہے۔ مولف)

اِسم اللہ اور اس کی شرح

سو واضح ہو۔ کہ جو خُدا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن شریف میں اپنا پتہ بتلارہا ہے وُہ ایسا ہے اور اسکا یہ نام ہے (اَللّٰہ) خُدا معبود۔ یہ اس موجُودِ حق کا نام ہے جو اعلے الٰہیہ کا جامع۔ اوصاف ربوبیت سے موصُوف اور وجُودِ حقیقی سے مُتصف ہے۔ اسکے سوا کوئی موجُود وجُود بذاتہٖ کا مستحق نہیں ہے۔ اور ہر موجُود نے اسی سے وجُود حاصل کیا ہے۔ لہٰذا ہر وجُود سوائے خُدا کے بذاتہٖ ہالک ہے۔ اور خُدا کے موجود کرنے سے موجُود ہے۔ اور ہر وجُود سوائے ذاتِ خُدا کے فانی ہے اور حقیقتاً وُہی ایک خُدا موجُود ہے۔ اسکے سوا سب فنا ہیں۔ یہ لفظ (اَللّٰہ) خُدا کا نام ہے اور اسی ذات پر دلالت کرتا ہے۔ جو بلا استثناء تمام صفاتِ الٰہیہ کی جامع ہے اور دُوسرے خُدا کے نام ایک ایک معنٰی پر دلالت کرتے ہیں مثلاً علم۔ قدرت اور فضل وغیرہ میں سے کسی ایک پر۔ اور اسلئے وہ تمام اسماء کی بہ نسبت اسکے ساتھ زیادہ خصوصیت رکھتا ہے۔

کیونکہ وہ اس کے سوا اور کسی کیلئے حقیقتاً یا مجازاً استعمال نہیں کیا جاتا - باقی اسماء کیساتھ اور کو بھی موسوم کر دیا جاتا ہے - جیسے قادر - علیم - رحیم وغیرہ - انہی دو وجوہ سے ظن ہوتا ہے کہ یہ نام اسم اعظم ہے - تمام اسماء کے معنی کی نسبت خیال کیا جا سکتا ہے کہ بندہ ان کے ثبوت سے متصف ہو سکتا ہے یہاں تک کہ اس پر رحیم علیم حلیم صبور شکور کا اسم بولا جا سکتا ہے - اگرچہ اس قسم کے اطلاق کا بندہ پر کسی اور وجہ سے ہو اور خدا پر ان کا اطلاق اور وجہ سے - مگر اللہ کا معنی اس قسم کا نہیں ہے - وہ خاص اللہ ہی سے مخصوص ہے - اسمیں کوئی حقیقی یا مجازی شرکت نہیں پائی جاتی - اور اسی خصوص کیوجہ سے تمام اسماء کی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ وہ اللہ کے نام ہیں - چنانچہ یوں کہیں گے کہ الصبور یا الشکور اور الجبار اور الملک اللہ کے نام ہیں اور یوں نہیں کہتے کہ اللہ صبور یا شکور کا نام ہے - کیونکہ اسم اللہ من حیث ہو معانی الٰہیہ پر سب سے زیادہ دلالت کرتا ہے - اور سب کی بہ نسبت اللہ سے اللہ کے ساتھ زیادہ خاص ہے - - - - اور کہیں ہو سکی جگہ اسی اسم کا مفہوم یہی ہے کہ وہ موجود حقیقی ہے اور باقی سب اس کے سوا فانی اور ہالک اور باطل ہیں - پس بندہ سب سے پہلے اپنے آپ کو ہالک اور باطل سمجھیگا جیسے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھا - چنانچہ ایک موقعہ پر آپ نے فرمایا - عرب کی شاعری میں سب سے زیادہ سچا شعر لبید کا ہے - ع

أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ — یاد رکھو کہ خدا کے سوا تمام موجودات فانی ہے -

اسمائے الٰہیہ رحمٰن و رحیم کی تشریح

الرحمٰن نہایت رحم والا - الرحیم بہت مہربان - یہ دونوں اسم رحمت سے مشتق ہیں اور رحمت مرحوم کی مستدعی ہے - اور جو مرحوم ہوگا وہ محتاج ہوگا - اور اگر کسی سے کسی محتاج کی حاجت بلا مقصد اور بلا ارادہ پوری ہو جائے - تو اس کو رحیم نہ کہیں گے اور جو کوئی اس کی حاجت پوری کرنے کا ارادہ تو کرے مگر پوری نہ کرے تو وہ اگر اس کے پورا کرنے پر قادر تھا تو رحیم نہیں کہلائیگا - کیونکہ اگر اسکا ارادہ کامل ہوتا تو اسے پورا کر دکھاتا - اور اگر اسکو پورا کرنے سے عاجز

ہو - تو اسکی رقت قلب کے لحاظ سے رحیم کہیں گے - لیکن وہ ناقص رحیم ہے - رحمت تامہ یہ ہے کہ محتاجوں سے بھلائی کرے اور ان کے حال پر توجہ مبذول رکھتے ہوئے ان کے حق میں نیکی کا ارادہ کیا جائے - اور رحمت عامہ یہ ہے کہ مستحق اور غیر مستحق سب کو شامل ہو - اللہ کی رحمت تامہ بھی ہے اور عامہ بھی ہے -

اسم رحمٰن سے بندے کا خاص حصہ یہ ہے - کہ اللہ کے غافل بندوں پر رحم کرے - ان کو وعظ و نصیحت کے ذریعہ سے نرمی کیساتھ غفلت کے راستہ سے پھیر کر خدا کی راہ دکھلائے - اور نافرمان لوگوں کو رحمت کی نظر سے دیکھے - استحقار کی نظر سے نہ دیکھے - اور جو برائی دنیا میں واقع ہو اسکو ایسا سمجھے کہ خود اسی کے نقص سے وقوع پذیر ہو رہی ہے - لہٰذا مقدور بھر اس کے ازالہ میں کوتاہی نہ کرے - محض اس عاصی کے حال پر ترس کھا کر کہ بیچارہ کہیں خدا کے غضب میں گرفتار نہ ہو جائے اور اس کے قرب سے محروم نہ ہو جائے -

اسم رحیم سے بندے کا یہ حصہ ہے کہ حسب طاقت بھوکے کا پیٹ بھرے اور اپنے پڑوسی یا شہر میں فقیر کی حاجت پوری کرے - اور اسکی محتاجی دور کرے - خود اپنے مال سے یا اپنے رسوخ و وجاہت سے یا اس کے لئے دوسرے سے سفارش کرے - اور اگر ان ساری باتوں سے عاری ہو - تو ایسی شفقت اور عنایت کیساتھ پیش آئے - اور اظہار ہمدردی سے اس کا ہاتھ بٹائے کہ گویا اس کی تکلیف و مصیبت میں شریک ہے -

خدا کا نام المہیمن اور اس کی تشریح

(المہیمن) اللہ کے حق میں اسکے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنی مخلوق کے عملوں - رزقوں اور عمروں کا انصرام کر رہا ہے - اس کا انصرام اپنی اطلاع اور غلبہ اور حفظ کے ساتھ ہے - جو کوئی کسی امر کے تمام حالات سے واقف - اسپر قابض اور اس کا حافظ ہو وہ اس کا مہیمن کہلاتا ہے - حالات کی واقفی کا مطلب علم ہے - قبضہ کمال قدرت کا نتیجہ ہے - اور حفظ فعل کی طرف راجع ہوتا ہے - جس میں یہ تینوں معنی جمع ہوں وہ مہیمن ہے - یہ تینوں مطلقاً اور کامل طور پر صرف خداوند تعالیٰ میں جمع ہیں - اسی لئے کہتے ہیں کہ اس کا کتب قدیم میں خدا کا نام لکھا ہے - جو شخص لگاتار اپنی اخلاقی حالت کیمتعلق غور کرتا رہے

یہاں تک کہ اسکے تمام نشیب و فراز اور اسرار سے واقف ہو جائے اور ساتھ ہی اپنے دل کے احوال اور عادات کو درست رکھنے پر قادر ہو جائے اور ہمیشہ اسکی حالت قائم رکھنے میں مصروف رہے وہ اپنے دل کا مہیمن ہوتا ہے۔ اور اسکی واقفیت اور قدرت اور حفظ کا دائرہ وسیع ہو گیا ہو یہاں تک کہ وہ دوسرے بندوں کے باطنی اسرار سے فراست اور استدلال کے ذریعے سے واقف ہو کر اُن کو راہِ راست پر رکھنے کیلئے کمربستہ ہو جائے تو اس معنی سے ان کا حصہ اس سے اور بھی زیادہ مکمل ہو گا۔

خدا کا نام المؤمن اور اس کی شرح

(المؤمن) اپنے وعدے میں سچا یا اپنے عذاب سے امن دینے والا۔ مومن سے مراد وہ ذات ہے جو اسباب امن مہیا کرنے اور خوف و خطر کی راہیں بند کرنیوالا ہو۔ اور اسی لئے امن و امان اس کی طرف منسوب کیا جائے۔ امن خوف کے قیام میں متصور ہو سکتا ہے۔ اور خوف ہمیشہ ہلاکت یا نقصان کے احتمال سے ہوتا ہے۔ اور مؤمن مطلق وہ ذات ہے کہ جسقدر امن و امان تصور میں آسکتا ہے وہ اسی سے مستفاد ہو۔ وہ ذات اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اندھا چونکہ کچھ نہیں دیکھ سکتا اسلئے وہ ہلاکت کے پیش آجانے سے ڈرتا ہے۔ ثابت ہوا کہ اُس کی آنکھیں امن دلاتی ہیں۔ کٹے ہوئے ہاتھ والا بھی کسی ایسی آفت سے غیر مطمئن ہے جس کا دفیعہ ہاتھوں سے ہو سکتا ہے۔ پس سالم ہاتھ بھی ہلاکت سے امن دلانیوالا ہوا۔ علیٰ ھذا القیاس تمام حواس اور اعضاء بدن۔ اور مومن ان سب اعضاء کا خالق اور نقش بنانے والا ہے۔ مکمل کرنیوالا اور طاقت بخشنے والا ہے۔ سب سے بڑا خوف آخرت کی ہلاکت کا ہے۔ اور اس سے صرف کلمۂ توحید ہی نجات دلاتا ہے۔ اسکی طرف بھی اللہ ہی ھدایت بخشتا ہے۔ یہ کلمۂ توحید ایک قلعہ ہے جو اس قلعہ میں داخل ہو جائے امن و امان میں آجاتا ہے۔ غرضیکہ دنیا میں ہر قسم کا امن اسباب سے وابستہ ہے جنکو خاص وہی مہیا کرتا ہے۔ وہی ان کو کام میں لانے کی توفیق دیتا ہے۔ اس ذاتِ پاک نے ہر چیز کو اس کی فطرت عطا کر کے اسپر چلنے کی ہدایت دی۔ پس وہی مؤمنِ مطلق و برحق ہے

اس وصف سے بندے کا حصہ یہ ہے۔ کہ تمام مخلوق کو اس کی طرف سے امن ہو۔ بلکہ ہر خوفزدہ شخص دینی اور دنیوی خطرات کے دفیعہ میں اسکی امداد کا امیدوار ہو۔ جیسے

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ "جو شخص خدا اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے۔ اُس کا ہمسایہ اُس کے ظلموں سے محفوظ ہونا چاہیئے" مومن کے نام کا وہ شخص زیادہ مستحق ہے جو لوگوں کو راہِ نجات دکھا کر اور طریقِ خدا سمجھا کر عذابِ الٰہی سے امن دلائے۔ اور یہ انبیاء اور اولیاء کا منصب ہے۔ اسی لئے رسول کریمؐ فرماتے ہیں "تم دوزخ میں اسطرح گرو گے اور میں تم کو تمہارے اطرافِ بدن سے پکڑ کر ہٹاتا ہوں گا" شاید تم کہو کہ ہر خوف درحقیقت اللہ ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔ پس خدا کے سوا کوئی چیز خوف دلانیوالی نہیں ہے۔ وہی ہے جو بندوں کو ڈراتا ہے۔ وہی ہے جس نے ڈرانے کے اسباب بنائے ہیں۔ تو اسکی طرف امن کو کیونکر منسوب کیا جاتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ خوف بھی اُسی کی طرف سے ہے۔ وہی خوف و امن کا سبب پیدا کرنیوالا ہے۔ اور اُس کا مخوّف ہونا اُس کے مؤمن ہونیکا مانع نہیں ہے جس طرح اُس کا مُذل ہونا اُس کے مُعز ہونیکا مانع نہیں ہے۔ بلکہ وہی مُعِز ہے وہی مُذِل بھی ہے۔ اور اُس کا خافض ہونا اُس کے رافع ہونیکا مانع نہیں ہے۔ بلکہ وہی خافض بھی ہے اور وہی رافع بھی ہے۔ اسی طرح وہ مؤمن امن دینے والا ہے۔ اور مخوّف ڈرانے والا بھی ہے۔ مؤمن اُس کا اسم ہے مخوّف نہیں۔

خدا کا نام الباعث اور اس کی شرح

(اَلْبَاعِثُ) مُردوں کو مرنے کے بعد اُٹھا کر کھڑا کر دینے والا۔ باعث وہ ہے جو قیامت کے دن خلقت کو زندہ کریگا۔ اور اہلِ قبور کو کھڑا کریگا۔ بعث آخرت میں اُٹھائے جانیوالے کو کہتے ہیں۔ اور اس اسم کو سمجھنا بعث کی حقیقت کو سمجھنے پر موقوف ہے۔ اور یہ علمی باتوں میں سب سے زیادہ باریک بات ہے۔ اکثر لوگ اس کے متعلق مہمل توہمات اور مبہم تخیلات میں مبتلا ہیں۔ بڑا شک ان پر یہ ہے کہ موت کو ایک عدم اور بعث از سرِ نو ایجاد ہے جو عدم کے بعد ہوتی ہے اور یہ ایجاد ویسے ہی ہے جیسے پہلی ایجاد تھی۔ مگر ان کا یہ خیال کہ موت عدم ہے غلط ہے۔ اور اسی طرح یہ خیال بھی غلط ہے۔ کہ دوسری ایجاد پہلی ایجاد جیسی ہے۔ موت عدم محض نہیں ہے۔ بلکہ موتی کی قبر یا آگ کا گڑھا ہوتی ہے۔ یا گلستانِ جنت کا ایک چمن ہوتی ہے۔ اور مُردہ

یا تو خوش قسمت اور نجات یافتہ ہوتے یا بدنصیب اور زیرِ عذاب ہوتے ہیں۔ پہلا گروہ یعنی جو مُردے خوش قسمت ہوتے ہیں۔ وہ مرنے والے نہیں ہوتے۔ خدا قرآن میں فرماتا ہے:۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ؕ

یعنی جو خدا کی راہ میں قتل ہوتے ہیں۔ اُن کو مُردے نہ کہو۔ وہ زندہ ہیں۔ لیکن تم کو شعور نہیں۔

اور دوسری جگہ خدا فرماتا ہے:۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ فَرِحِیْنَ بِمَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ ؕ

یعنی جو لوگ خدا کی راہ میں مارے گئے ہیں اُن کو مُردے نہ خیال کرو۔ بلکہ وہ زندہ ہیں۔ اپنے ربّ کے پاس رزق اور عزت پاتے ہیں۔ خدا نے جو اپنا فضل اِن پر کیا ہے۔ اس سے خوش ہیں۔

اور دوسرا گروہ یعنی مُردے بدنصیب جن کی قبریں دوزخ کے گڑھے ہوتے ہیں۔ اور اُن کو عذاب ہوتا ہے۔ یعنی خدا کے نافرمان بندے۔ گنہگار وہ بھی زندہ ہوتے ہیں۔ اِسی لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ بدر میں کافروں کو پکار کر فرمایا تھا۔ خدا نے جو مجھ سے وعدہ کیا تھا۔ میں نے اُس کو درست پایا۔ تم سے جو وعدہ خدا نے کیا تھا تم نے بھی درست پایا۔ آپؐ کی خدمتِ اقدس میں عرض کیا گیا کہ آپ اِن لوگوں کو کیونکر پکار رہے ہیں جو مر چکے ہیں۔ فرمایا۔ تم میری بات کو اُن کی نسبت کچھ زیادہ سُننے والے نہیں ہو۔ یہ بھی سُنتے ہیں۔ مگر جواب دینے کی قدرت نہیں رکھتے۔

باطنی مشاہدہ اربابِ بصائر کو بتلا رہا ہے۔ کہ اِنسان کو ہمیشہ کے لئے پیدا کیا گیا ہے عدم اس پر طاری نہیں ہو سکتا۔ ہاں ایکبار اس کا تصرّف جسم سے بند ہو جاتا ہے۔ تو دیکھنے والے کہتے ہیں کہ مر گیا۔ جب وُہی تصرّف پھر جاری ہوتا ہے۔ تو کہا جاتا ہے۔ کہ زندہ ہو گیا۔ جن کو خیال ہے کہ اِنسان مر جاتا ہے۔ وہ محض اِن کا غلط خیال ہے۔ اِن لوگوں کا یہ خیال بھی بالکل بے سروپا ہے کہ مُردے کو زندہ کرنا دوسری ایجاد ہے۔ جو پہلی ایجاد

جیسی ہے۔ بلکہ مُردے کا زندہ ہونا ایک دوسری پیدائش ہے۔ جو پہلی پیدائش سے بالکل مناسبت نہیں رکھتی۔ اِنسان کی صرف دو پیدائشیں نہیں ہیں۔ بلکہ بہت سی پیدائشیں ہیں۔ اِسی لئے خدا نے فرمایا ہے:۔

وَنُنْشِئَکُمْ فِیْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ؕ (یعنی ہم تم کو ایسی ایسی عالموں میں پیدا کرتے ہیں اور کریں گے کہ تمہیں بالکل علم نہیں ہوگا۔

اور اِسی طرح خدا نے اِنسانی پیدائش میں خونِ بستہ اور مُضغہ وغیرہ کے ذکر کے بعد فرمایا ہے

ثُمَّ اَنْشَاْنٰہُ خَلْقًا اٰخَرَ (یعنی پھر ہم نے اس کو دوسری پیدائش میں پیدا کیا۔

بلکہ نطفہ خاک کی ایک پیدائش ہے۔ اور جما ہوا خون نطفہ کی ایک پیدائش۔ اور رُوح کی پیدائش کے شرف و جلالت اور اُس کے ایک امرِ ربانی ہونے کی وجہ سے اس مقام پر خدا نے فرمایا:۔

ثُمَّ اَنْشَاْنٰہُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ ؕ

پھر آخر کار ہم نے گویا بالکل دوسری ہی مخلوق کی صورت میں بنا کھڑا کیا۔ تو پاکی ہے خدا کو جو سب بنانے والوں سے بہتر بنانے والا ہے۔

اور نیز خدا نے قرآن میں فرمایا ہے:۔

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ ؕ

(یعنی تم سے رُوح کے متعلق سوال کرتے ہیں کہہ دو۔ رُوح میرے پروردگار کا ایک امر ہے۔

پھر اصل رُوح پیدا کرنے کے بعد ادراکاتِ حسیہ کا پیدا کرنا ایک علیحدہ پیدائش ہے۔ پھر کا پیدا ہونا جو سات سال کی عمر میں ظاہر ہوتی ہے ایک پیدائش ہے۔ پھر پندرہ سال کی عمر یا اس سے کم و بیش کی عمر میں عقل کا پیدا ہونا ایک اور پیدائش ہے۔ یہ ہر پیدائش ایک طور ہے وَقَدْ خَلَقَکُمْ اَطْوَارًا ؕ یعنی خدا قرآن میں فرماتا ہے۔ کہ اے پیارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اِن تمام انسانوں سے فرما دیجئے کہ میرا خدا یوں فرماتا ہے۔ کہ اے لوگو! خدا نے تم کو کئی طرز و طور میں بنایا۔ پھر

کسی شخص میں ولایت کی خاصیت کا ظاہر ہونا بھی ایک جدا پیدائش ہے۔ اس کے بعد نبوت کی خاصیت کا ظاہر ہونا ایک اور ہی جداگانہ پیدائش ہے۔ اور وہ ایک طرح کا بعث ہے۔ اللہ تعالےٰ باعث الرسل ہے جیسے کہ باعث یوم النشور بھی ہے۔ اور جس طرح شیر خوار بچہ کو تمیز حاصل کرنے سے پیشتر اسکی حقیقت کا سمجھنا مشکل ہے اسی طرح تمیز والے کو عقل حاصل کرنے سے پیشتر اسکی حقیقت اور اس کے عجائبات کا جاننا دشوار ہے۔ اسی طرح عقل کی منزل میں ولایت اور نبوت کا سمجھنا مشکل ہے۔ کیونکہ ولایت پیدائش عقل کے اوپر ایک خاص طور کا کمال ہے جس طرح عقل پیدائش تمیز سے اوپر ایک جدا طور کا کمال ہے۔ اور تمیز پیدائش حواس کے اوپر ہے ایک علیحدہ طور کا کمال ہے۔ چونکہ لوگوں کا یہ طبعی خاصہ ہے کہ جو مرتبہ ان کو خود حاصل نہ ہو جاوے وہ اس کو تسلیم نہیں کرتے۔ حتیٰ کہ ہر شخص کسی امر کو ماننے یا سچ سمجھنے کیلئے تیار نہیں ہوتا تاوقتیکہ اسکو دیکھ نہ لے۔ اور خود حاصل نہ کر لے کبھی چھپی اور غائب بات پر یقین نہیں کرتا۔ اس لئے لوگ طبعاً ولایت اور نبوت اور ان کے عجائبات بلکہ ان کی اصلیت سے منکر ہوتے ہیں۔ اور دوسری پیدائش اور آخرت کی زندگی کو نہیں مانتے۔ کیونکہ ابتک انہوں نے ان امور کو دیکھا اور برتا نہیں ہے۔ اگر صرف تمیز کے درجہ تک پہنچنے والے کے سامنے عالم عقل اور اس کے عجائبات کا نقشہ پیش کریں۔ تو وہ اس کو ماننے کیلئے کبھی تیار نہ ہوگا۔ پس جو شخص غیر حاصل شئے پر ایمان لائے۔ اس نے گویا غیب پر ایمان لایا۔ اور یہی تمام سعادتوں کی کنجی ہے۔

جب طور عقل اور اس کے ادراکات اور اسکی پیدائش سابقہ ادراکات سے کچھ مناسبت نہیں رکھتے۔ تو آخرت کی پیدائش تو نہایت ہی بعید ہے۔ لہٰذا دوسری پیدائش کو پہلی پیدائش پر قیاس نہ کرنا چاہیئے۔ یہ تمام پیدائشیں ایک ہی ذات کے مختلف اطوار اور اس کیلئے مراتب کمال طے کرنے کے زینے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ اس بارگاہ احدیت کا قرب حاصل کرتا ہے۔ جہاں تمام کمالات کی انتہا ہو جاتی ہے۔ اور وہ خدا کے نزدیک اور قبول اور حجاب و وصول میں متردد رہتا ہے۔ آخر مقبول ہو جائے تو اعلیٰ علیین پر ترقی کر جاتا ہے۔ ورنہ اسفل السافلین میں گر جاتا ہے۔

بعث کی حقیقت کا مطلب یہ ہے۔ مُردوں کو دوسری پیدائش میں پیدا کر کے زندہ کرنا

اور جہل سب سے بڑی موت ہے۔ اور علم سب سے پاکیزہ زندگی ہے۔ اور وجہ یہ ہے کہ خدا نے قرآن میں اہل علم کو زندہ اور جاہلوں کو مُردہ فرمایا ہے۔ جو شخص کسی دوسرے انسان کو جہل سے علم تک ترقی دیتا ہے۔ گویا وہ اس کو موت سے نئی پیدائش میں لاتا ہے۔ اور ایک پاکیزہ زندگی بخشتا ہے۔ پس اگر بندہ لوگوں کو علم پڑھائے اور سیدھی راہ دکھلائے تو اُن کو گویا ایک طرح سے زندہ کرتا ہے۔ اور یہ انبیاء اور اُن کے وارث علماء کا کام ہے۔ اور اس کام کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا دنیا میں کر کے دکھایا ہے۔ ایسے کوئی نہیں دکھا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ خاتم النبیین ہیں۔ آپؐ نے دنیا کے گمراہوں کو ایسا زندہ کیا اور وہ علوم کے دروازے کھول دیئے کہ تمام جاہل اور نادان لوگوں کو ہدایت اور زندگی روحانی حاصل ہو گئی۔

(یہاں چند اسمائے الٰہیہ کی تشریح اختتام پذیر ہوئی)

خدا کی ابدیت اور انسان کے ظاہر اور باطن پر ایک فکر انگیز تشریح

یعنی خدا ازلی اور ابدی ہے۔ اور خدائے تعالیٰ اطراف اور جہات سے پاک اور برتر ہے۔ اور پھر یہ ہے کہ وہ آخرت میں نظر آئے گا۔ اور اسکا دیدار اسکے پیارے بندے کریں گے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ خدا نے انسان کے جسم میں جو جو صفتیں رکھی ہیں وہ نہایت ہی عجیب اور باریک ہیں اور وہ تمام اسکی ذات اور صفات کی زبردست دلیلیں ہیں۔ مثلاً انسان کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ یعنی ایک وہ طرف جو آنکھوں سے نظر آوے مثلاً انسان کے ہاتھ اور پاؤں اور سر اور دیگر اعضا ظاہری۔ اور دوسری وہ چیزیں انسان کے بدن میں ہیں کہ وہ آنکھوں سے نظر نہیں آتیں بلکہ عقل سے معلوم ہوتی ہیں۔ سو وہ بھی عقل کے مطابق جہاں تک عقل کی رسائی ہے۔ غرض جسم میں ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ اور جسم روح کے مقابلہ میں ایک وہ نسبت بھی نہیں رکھتا جو ذرے کو آفتاب سے یا قطرے کو سمندر سے ہو۔ غرض جسم روح کے مقابلہ میں نہایت چھوٹی چیز ہے۔ اور روح سے مراد وہ روح الٰہی ہے۔ جو انسان میں ایک خدا کا راز ہے۔

غرض بدن انسان ایک مجموعۂ عجائبات الٰہی ہے۔ اس کے تمام امور طبعی سے جو جو کام جس جس کے سپرد ہے سب اسی اسی کام میں مشغول ہیں۔ ایک دوسرے کی خبر نہیں رکھتے ہیں۔ دیکھو آنکھ دیکھتی ہے۔ کان سنتا ہے۔

زبان بولتی ہے۔ ناک سُونگھتی ہے۔ قوت لامسہ ٹٹولتی ہے۔ ایسے ہی پاؤں چلتے ہیں ہاتھ پکڑتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اگر آنکھوں سے آواز دریافت کریں تو اُن کو کیا خبر۔ اگر کانوں سے خوشبو دریافت کریں تو وہ کیا جانیں اور اگر زبان سے دیکھنا چاہیں تو کیا دیکھ سکتی ہے۔ ہرگز نہیں۔ جبکہ یہ باتیں سب کام کی ہیں۔ نگاہ میں بہت بڑے بڑے عجائبات ہیں۔ سمجھ یہ کہ وہ اگر بعض چیزوں کو نہیں دیکھتی اور اُن سے جاہل ہے۔ تو اگر کوشش کرے تو کیا جاہل رہ جائے۔ نہیں۔ دیکھو ہوا روز چلتی ہے۔ اسمیں جو جو فوائد ہیں مخفی نہیں۔ مگر جب زور سے چلے تو بڑے بڑے مکان اور درخت اور محل وغیرہ گرا دیتی ہے۔ ایسا ہی دیگر عناصر مثلاً پانی اور آگ اور مٹی۔ اِن عناصر میں سے جس سے اِنسان جتنا کام چاہے لے سکتا ہے۔ اور دیکھو بدنِ اِنسان۔ اگر اِنسان اپنے بدن سے کثرت کرے اور ورزش سے طاقت بڑھاوے تو بڑھا سکتا ہے۔ ایسا ہی اگر اپنی آنکھ سے کوشش کرے تو یہ اس موجودہ بصارت سے بدرجہا ترقی کر سکتی ہے۔ اور سُنا نہیں کہ بنگالے کی جوگنیں اور ہندوستان کے فقرا اپنی اپنی نظروں سے کیا کیا کام کرتے رہے ہیں۔ اور آج مسمریزم والے توجہ سے کیا کیا کام کرتے ہیں۔ میرا ذاتی تجربہ ہے۔ میں نے بڑی بڑی پُر تاثیر نگاہوں والے لوگوں کو دیکھا ہے۔ اور خود اِس نگاہ سے حصہ لیا ہے۔ اور یہ کوئی بعید از عقل نہیں۔ بلکہ بات یہ ہے کہ تمام حواس حقیقت میں کچھ نہیں۔ جو کچھ کرتی ہے رُوح کرتی ہے۔ کیا نہیں دیکھا؟ کہ خواب میں تمام حواس معطل ہوتے ہیں۔ مگر کہاں کہاں کی سیر کرتے ہیں۔ خواب میں کھانا۔ پینا۔ دیکھنا۔ سُونگھنا۔ دُکھ سُکھ رنج و راحت وغیرہ وغیرہ سب کچھ ہوتا ہے۔ کیا وہ اِن حواسوں سے ہوتا ہے؟ نہیں بلکہ وہ دِل میں ہیں۔ جن سے اِنسان زمین و آسمان کے دُور و نزدیک ہر کام کر سکتا ہے۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ جب بدنِ اِنسان غفلت سے کوئی کام کرے تو اس سے بیخبر رہتا ہے۔ اور اگر پُوری توجہ سے کوئی کام کرے تو اس سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ دیکھو سوتے وقت صرف حواس وغیرہ کی تکدر دُور ہو جاتی ہے۔ تو احوالِ ماضیہ اور مستقبلہ وغیرہ بذریعہ رویاء اِنسان کے سامنے آجاتے ہیں۔ اور اگر جاگتے جاگتے ہی ایسا حال ہو جائے تو محال نہیں۔ کہ جو جو کام اِنسان اسوقت نہیں کر سکتا وہ اُس وقت کر لے۔ مشکل یہ ہے کہ جو لوگ کسی بات سے جاہل ہوتے ہیں۔ وہ اس کے منکر ہی ہو جاتے ہیں۔ اِنسان کو ایسا نہیں چاہیئے +

رُوحِ جمادی رُوحِ نباتی۔ رُوحِ حیوانی اور رُوحِ الٰہی کی مجمل تحقیق

اور علاوہ ازیں ایک موٹی بات ہے کہ اِنسان جسم اور دیگر بہت چیزوں کا مجموعہ ہے۔ مثلاً اِنسان جو غذا کھاتا ہے اِس سے اخلاطِ اربعہ یعنی صفرا۔ سودا۔ خون۔ بلغم بنتے ہیں۔ اور پھر اِن اخلاطِ اربعہ کا خلاصہ ایک اور چیز تیار ہوتی ہے جس کو رُوح کہتے ہیں۔ اور پھر وہ دِل جگر اور دماغ میں منقسم ہوتی ہے۔ اور اس کے مختلف نام ہوتے ہیں۔ مثلاً حیوانی۔ نفسانی۔ طبعی۔ اور طبی احکام کا تعلق اِسی رُوح سے ہے۔ اور یہی رُوح بدن میں ہو تو جاندار زِندہ رہتا ہے۔ اور یہ رُوح بدن سے نِکل جاوے تو جاندار مرجاتا ہے۔ اور یہ [illegible] چھوٹی بڑی اور دُبلی ہوتی رہتی ہے۔ اور یہ رُوح مٹی۔ پتھر۔ سونے چاندی لوہے وغیرہ ہر جماد میں ہے۔ اور نیز یہ رُوح نباتات میں بھی ہے اور حیوانات میں بھی یہ رُوح موجود ہے۔ لہٰذا ہر ایک شے زِندہ ہے۔ اور ہر شئی سُنتی ہے اور دیکھتی ہے اور کلام کرتی ہے۔ اور علم اور اِرادہ اور قدرت غرض حیوان کی تمام باتیں ہی ایک ذرہ میں موجود ہیں۔ اور یہ رُوح ہوائی جو ہر اِنسان میں ہے اس کو بھلے بُرے کاموں سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ عمدہ اور خراب غذاؤں سے البتہ نفع نقصان اُٹھاتی ہے اور یہ ایک جسم لطیف سا ہے۔ اور بھوک۔ پیاس گرمی سردی بیماری صحت جو بدن سے تعلق رکھتے ہیں وہ اِسی رُوح کا خاصہ ہے۔ اور طبیب اور ڈاکٹر اِسی کو رُوح کہتے ہیں۔ اور کھانے پینے پہننے کی راحت اور آرام اِسی کو ہوتے ہیں اور جو غذا یا لباس یا دیگر بدن کی حالت اس رُوح کے مناسب اور موافق اور مطابق ہو۔ وہ اس رُوح کے حق میں آرام ہوتا ہے۔ اور جو حالت کھانے پینے یا دیگر بدن کے حالات سے اس رُوح کے مخالف اور غیر مناسب ہو وہ تکلیف کہلاتی ہے۔ اور بظاہر آرام اور تکلیف کے یہی معنی ہیں جو ظاہر بینوں کے نزدیک ہے۔ دیکھو! جس شخص کو لباس۔ خوراک۔ مکان۔ بیوی۔ حکومت منصب وغیرہ میسر ہوں عوام اُس کو کہتے ہیں۔ کہ فلاں بڑے آرام میں ہے۔ لیکن بھلے یا بُرے کاموں اور بھلے یا بُرے اِرادوں سے اس رُوح کو رنج و راحت نہیں پہنچتا۔ کیونکہ بھلے یا بُرے اعمال جسمانی نہیں۔ اور یہ رُوح رُوحِ جسمانی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ وہ رُوح اور ہے۔ وہ سوائے اِنسان کے نباتات جمادات حیوانات میں نہیں ہوتی۔

اور چونکہ یہ روح جسمانی اور فانی ہے اور اس روح کی نسبت کثیف ہے۔ اور اس روح کے سامنے ذرہ بے مقدار ہے۔ لہٰذا اسکا رنج اور راحت بھی بمقابلہ اس روحِ لطیف کے اور غیر فانی کے نہایت ہی قلیل اور بالکل تھوڑا ہے اور چونکہ وہ روح فانی نہیں۔ لہٰذا اس کا رنج اور راحت بھی ابدی ہے۔

اثباتِ نبوت و رسالت ایک اور طریق سے۔ اور اثباتِ مذہب ایک اور طریق سے

اور چونکہ عقل کی نسبت یہ روح نہایت لطیف ہے تو عقل کا یہ کام نہیں کہ اس کی صحت اور مرض اور رنج اور راحت کو معلوم کر سکے۔ جسطرح جسم کثیف ہے۔ اور اسکی صحت اور مرض کیلئے طبیب اور ڈاکٹر ہیں۔ ایسا ہی چونکہ یہ روح لطیف ہے تو اس کے طبیب بھی ہیں اور وہ نبی اور رسول ہیں۔ اور وہ علم یعنی طبِ باطنی مذہب ہے اور اسکا قانون ہے۔ اور اسکا مکمل اور جامع قانون قرآن ہے اور اس کا معالج آخری اور استادِ مسلّم محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اور وہ تمام کا تمام نظریات اور عملیات یعنی حکمتِ نظری اور حکمتِ عملی اسلام ہے۔ اور چونکہ انسان مجموعہ ہے کائنات کا اور ایک مجموعی مرکب ہے۔ یعنی جو جو کچھ جہان میں نظر آتا ہے۔ وہ سب انسان ہے۔ اور یہ مر جاتا ہے۔ یعنی انسان کی روحِ حیوانی بدن سے جدا ہو جاتی ہے۔ اور روحِ الٰہی پر موت نہیں۔ خواہ کافر ہو خواہ مومن روحِ لطیف اسکی باقی رہتی ہے۔ اور روح ہوائی بدن سے جدا ہو جاتی ہے۔ اس کا نام موت ہے۔ اسی طرح عالم تمام کا تمام ایک شخص معین ہے جس کے تمام سورج چاند زمین آسمان بارش گرمی سردی وغیرہ۔ یہ سب اس کے تمام اعضا اور صحت اور مرض کا حکم رکھتے ہیں۔ جس طرح کہ انسان کی حالت بدنی متغیر و متبدل ہوتی رہتی ہے اور آخر وہ دنیا سے چل بستا ہے۔ ایسا ہی یہ جہان ایک روز نیست و نابود ہو جائے گا۔ اسی کا نام قیامت ہے۔۔۔۔۔

لہٰذا یہ جہان بھی ایک مرکب ہے اور مختلف اشیاء سے مرکب ہے۔ لیکن اس کے جدا ہونے کا وقت آوے گا۔ پس وہی قیامت ہے اور ہر ایک شے کو اس کے اصل مقام میں پہنچایا جاوے گا۔ اچھوں کو اچھی جگہ اور بروں کو بری جگہ۔ سو اچھوں کی جگہ کا نام بہشت ہے۔ اور بروں کی جگہ کا نام دوزخ ہے۔ اگرچہ بہشت اور دوزخ کا مضمون اوّلاً ایک لطیف طریقہ سے بیان ہو چکا ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ قربِ الٰہی جنت اور بُعدِ ربانی دوزخ ہے۔ نیکی سے خدا کا قرب اور بدی سے خدا کی دوری اور بُعد حاصل ہوتا ہے۔ اور خدا کا قرب قربِ مکانی نہیں کیونکہ خدا مکان سے پاک ہے۔ اور اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے سورج گو کتنا ہی دور ہے۔ ہر ایک شے کو اس سورج سے حسبِ استعداد قرب اور بعد ہے۔ گو ہر ایک شے کو اس سورج فائدہ اور فیض پہنچ رہا ہے۔ مثلاً جمادات نباتات حیوانات ہر ایک کو سورج کا فیض پہنچ رہا ہے۔ کوئی اس کے فیض سے محروم نہیں۔ مگر صاف آئینہ اور آتشی شیشہ تمام سے نرالے ہیں۔ ان کا تعلق جو سورج سے ہے۔ وہ اینٹ پتھر مٹی سونا چاندی کا نہیں۔ غرض سورج کا تعلق ہر ایک سے علیحدہ علیحدہ ہے۔ مگر صاف شیشہ اور آتشی شیشے کا تعلق خاص ہے۔ اور چیزیں تو سورج سے خود ہی روشن ہوتی ہیں۔ پر صاف شیشہ خود بھی روشن ہوتا ہے اور اوروں کو بھی روشن کر دیتا ہے۔ اور آتشی روشنی کے علاوہ سورج سے حرارت کا فیض بھی حاصل کرتا ہے۔

مردِ ربانی آفتابِ ربانی سے فیض اور حرارت حاصل کرتا ہے

ایسے ہی تمام مخلوقات کو خدا کا فیضِ وجود اور دیگر فیوض بھی حاصل ہیں۔ مگر مقرب انسانوں کو علاوہ وجود اور دیگر فیوض کے ایک روشنی اور گرمی کا فیض بھی حاصل ہے۔ جیسے آئینہ جتنا صاف ہوگا اور جتنا بڑا ہوگا اتنا ہی فیض آفتاب سے حاصل کریگا۔ ایسے ہی جتنا ہی کوئی انسان صاف باطن ہوگا اور گناہ کے زنگ سے مصفا ہوگا اتنا ہی فیض اسکو خدا تعالیٰ سے حاصل ہوگا۔ اور اتنا ہی قرب اسکو حاصل ہوگا۔ اور جیسے آئینہ سورج سے فیض حاصل کر کے اپنے سامنے کے اندھیرے دور کر دیتا ہے۔ ایسے ہی مردِ ربانی جو اپنے باطن کی صفائی کی وجہ سے فیضِ ربانی سے منور ہوتا ہے اپنے سامنے آنیوالوں کے باطنوں کو روشن کر دیگا۔ اور جیسے آئینہ جتنا سورج کے سامنے ہو اتنا ہی روشن ہوتا ہے۔ ایسے ہی اس کامل اور مقربِ الٰہی کے سامنے جتنا کوئی ہوگا۔ اتنی ہی روشنی اس سے حاصل کرے گا۔ اور جیسے سورج کی روشنی آئینہ میں آتی ہوئی دکھائی نہیں دیتی ایسے ہی روحانی انسان کے باطن میں اترتی ہوئی روشنی الٰہی نظر نہیں آئے گی۔ لیکن جو اس کے سامنے ہو وہ ضرور منور اور روشن ہوگا۔ اور جیسے بڑے اور چھوٹے

ہوتے ہیں اور فیض بھی آفتاب کا ان میں کم و بیش ہوتا ہے - پر آفتاب میں فرق نہیں آتا - وہ جوں کا توں ہی رہتا ہے - ایسے ہی فیوضاتِ الٰہی جو صاف دلوں پر روشنی ڈالتے ہیں ان کی وجہ سے ذاتِ ربانی اور اس کے فیض میں فرق نہیں آتا - اور جیسے خواہ کتنا ہی صاف ہو جب تک آفتاب کے سامنے نہ آوے روشنی حاصل نہیں کرتا - اور نہ خود روشن ہوتا ہے اور نہ غیروں کو روشن کرتا ہے - ایسے ہی وہ لوگ جو بوجہ مجاہدات اور بوجہ سترائطِ نفس اور بوجہ محنتہائے شاقہ اپنے باطن کو تو صاف کر لیتے ہیں مگر صراطِ مستقیم پر نہیں آتے اور اپنا رُخ آفتابِ ربانی سے ہٹا رکھتے ہیں وہ فیضِ الٰہی سے محروم رہتے ہیں خواہ کتنی محنت اور مجاہدہ کریں مگر ان کو مرتبہ نہیں ملتا جو صراطِ مستقیم پر چلنے والوں کو ملتا ہے - اور جیسے ایک ذرہ اور آرسی اور ایک بالشت شیشے اور ایک گز شیشے اور ایک فٹ شیشے کے فیض اور روشنی میں فرق ہے ایسے ہی صاف باطن لوگوں اور روحانی انسانوں کے فیوض اور روشنی میں بھی فرق ہے ایک ذرہ اور ایک آرسی جو آفتاب سے خود تو روشن ہے لیکن اپنے مقابل کو روشن نہیں کر سکتے - ایسا ہی دس گز شیشہ جو سورج کے نور سے منور ہے جو اس کے سامنے آویگا منور ہو جاویگا - اور اگر کوئی چیز مصفا اور سورج کے مقابل منور شدہ آئینے کے پیچھے لگی رہے تو منور نہ ہوگی کیونکہ طریقہ استفادہ تو یہ تھا کہ وہ شے اس منور آئینہ کے سامنے آتی اور اس کا عکس اس پر پڑتا - لیکن اس نے وہ طریقہ اختیار نہ کیا - لہٰذا روشنی سے محروم رہ گئی - ایسے ہی جو لوگ روحانی اور صاف باطن لوگوں کے خواہ قریبی رشتہ دار ہوں یا اُن کے باپ یا بیٹے یا بیویاں ہی ہوں پر طریقہ استفادہ مذکور اختیار نہ کریں - وہ فیض سے محروم رہ جاتے ہیں - جیسا کہ منور آئینہ کے پیچھے یا دائیں بائیں یا نیچے اوپر والے اشیاء اس کے نور سے محروم رہ جاتے ہیں - نور وہی حاصل کرتے ہیں جو اس منور آئینے کے سامنے آئیں - اور جیسے آفتاب تو ہر روز اپنا نور اور روشنی ہر ایک شے کو پہنچا رہا ہے اس کے فیض کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے - پر فائدہ وہی اُٹھاتا ہے جو سامنے آتا ہے - اور گرمی اور روشنی اُسی کو ملتی ہے جو طلب کرتا ہے اور سامنے آتا ہے ایسے ہی فیض ربانی کا حال ہے اور جیسے ہر ایک شے پر آفتاب کی روشنی اور حرارت تو

پڑتی ہے مگر جو روشنی اور گرمی مصفا آئینے اور آتشی کے ذریعے سے پڑتی ہے - اُس کا فیض اور طرح کا ہوتا ہے - دیکھو - سیاہ رنگ کے بال ہر پر ہیں اور ننگے سر ہر روز ایک آدمی سورج کی دھوپ میں پھرتا ہے - پر اگر آتشی شیشہ سے ہو کر اور اس کے وسیلہ سے سورج کی روشنی سیاہ بالوں پر پڑے تو آگ لگ جاوے - اگرچہ سیاہ بالوں والا انسان ہر روز سورج کی دھوپ میں پھرتا تھا - اور سورج کی روشنی اور دھوپ اُس پر ہر روز پڑتی تھی - مگر آتشی شیشے کے وسیلے نے بالوں میں آگ لگا دی - ایسے ہی وہ لوگ جن کے باطن میں روشنی اور حرارت موجود ہے - اُن کا یہی حال ہے اگر وہ نظرِ کرم کریں - تو ایک نگاہ میں طالبِ صادق کا بیڑا پار کر دیں - اور تمام عمر کے گناہ جلا کر خاک کر دیں +

روحانی اور صاف باطن لوگوں سے فیض حاصل کرنا ایک خاص طریق پر مبنی ہے

اُن کا فیض حسبِ استعداد طالب کو پہنچتا ہے

میں یہ بیان کر رہا تھا کہ روحانی اور صاف باطن لوگوں سے فیض حاصل کرنا ایک خاص طریق پر مبنی ہے - اور اُن کا فیض حسبِ استعداد مستفیض کو پہنچتا ہے - مثلاً اگر کوئی شخص چولھے میں آگ جلاوے اور اس پر توا رکھ دے تو آگ کی گرمی سے توا گرم ہو جاوے اور پھر توے پر روٹی ڈال دے اور وہ پک جاوے اور بعد روٹی پر گھی رکھ کر گھی سے روٹی تر کر دی جائے - تو اول آگ کا فیض توے نے حاصل کیا اور بعد روٹی نے اور بعد گھی نے - اگر توے کی جگہ روٹی رکھ دی جاتی تو وہ جل کر خاک ہو جاتی - اور روٹی کی جگہ گھی رکھ دیا جاتا تو وہ جل کر دھواں ہو جاتا - تو ظاہر ہے کہ توے میں استعداد ہے - کہ وہ بغیر وسیلے کے گرمی آگ سے لے سکتا ہے اور گرم ہو جاتا ہے - مگر روٹی توے کے وسیلہ کی محتاج ہے اور گھی توے اور روٹی دو وسیلوں کا محتاج ہے - ایسا ہی ہر ایک شخص حسبِ طاقت اور حسبِ ظرفیت روحانیوں اور کاملوں سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے - جتنا کمال مقرب انسان میں ہو - اتنا استعداد طالب میں چاہیے - اور یہی وجہ ہے کہ جتنا انسان مقرب بارگاہ ہو اُتنا ہی عوام سے مخفی ہوتا ہے - غرض قرب سے قربِ مکانی مراد نہیں بلکہ قربِ روحانی مراد ہے - دیکھو - جس شخص سے کوئی تعلق نہ ہو وہ خواہ قریب ہی ہو - مگر حقیقت میں بعید ہے - اور جس شخص سے

کوئی تعلق ہو وہ خواہ کتنا ہی دُور ہو۔ وہ قریب ہے۔ اور قرب سے قربِ رُوحانی مُراد ہے نہ کہ قربِ جسمانی۔ کیونکہ جسم اور مکان سے تو خدا پاک ہے۔ اور خُدا کا مقرّب وُہی ہوگا جو خُدا کے احکام کا پابند ہوگا۔ اور پابندیٔ احکام میں یہ ضروری ہے کہ وہ خُدا کے اِخلاق کا ایک مظہر ہو۔

قُربِ خُداوندی کی مزید تشریح

اور نیز انسان میں عِلم ارادہ قدرت مشیئت وغیرہ اور مخلوقات سے چُونکہ زیادہ ہے لِہٰذا وہ نسبتاً خُدا سے قریب ہے۔ اور اگر عدل وانصاف۔ احسان۔ عفو وکرم۔ سخا وغیرہ اس میں زیادہ ہوتے جاویں تو زیادہ مقرّب ہو جاویگا۔ اور چُونکہ خُدا اپنے تابعداروں کے مراتب بلند کرتا ہے۔ اور نافرمانوں کو ذلیل وخوار کرتا ہے۔ یعنی جلال وجمال کے ہر دو صفات خدا تعالیٰ میں ہیں تو اب جو انسان خُدا کا مقرّب ہوگا۔ اُس میں یہ صفات جمال وجلال ہر دو ہونے چاہئیں اب یہ ضرور ہوا کہ مقرّب اِنسان میں دو صفتیں ہوں کہ وُہ تابعدار بندوں پر مہربان ہو۔ اور خُدا کے نافرمانوں اور باغیوں پر وہ سخت ہو۔ کیونکہ ہر کمال خُدا پر ختم ہوتا ہے۔ اور وہ ہر کمال کا نمونہ ہے۔

ہم یہ کہہ رہے تھے کہ مقرّبِ خُدا اور خُدا رسیدہ انسان کے کیا معنی ہیں۔ سو واضح کہ قُرب اور تعلق میں ایک مناسبت ہوتی ہے۔ دیکھو خُدا موجود ہے۔ اور دیگر تمام مخلوقات بھی موجُود ہیں۔ گو وہاں اپنا وجُود ہے اور مخلوق پر اُسی کا فیض ہے۔ اور پھر ہم نے دیکھا کہ خُدا زندہ ہے۔ تو معلوم ہُوا۔ کہ جاندار چیزیں بہ نسبت بے جان چیزوں کے خُدا کے قریب زیادہ ہیں۔ اور پھر ہم نے دیکھا کہ خُداوند عالِم ہے۔ اور حکیم ہے۔ تو معلوم ہُوا کہ انسان میں چُونکہ عِلم اور حِکمت بہ نسبت دیگر مخلوقات کے زیادہ پائے جاتے ہیں تو معلوم ہُوا کہ سب مخلوق کی نسبت اِنسان خُدا سے زیادہ قریب ہے۔ تو معلوم ہُوا کہ جن کمالات کی وجہ سے اِنسان مقرّب خُدا ہے۔ وہ اگر کسی میں اور زیادہ پائے جائیں تو اور مقرّب ہو جائے۔ کیونکہ ہر کمال کا مبدء خُداوند تعالیٰ ہے۔ اسلئے کہ اگر وہاں کمال نہ ہو۔ تو مخلوق میں کہاں سے آوے۔ تو جو جو کمال ہے وُہ سب اُسی کا فیض ہے اور وہ تمام کمالات کا جامع ہے۔ دیکھنا۔ سُننا۔ بولنا۔ جاننا۔ معاف کرنا بدلہ لینا۔ انعام کرنا۔ عدل اور انصاف کرنا وغیرہ وغیرہ یہ سب اُسی کے کمالات ہیں۔

ظاھری وباطنی اعمال

مذہبِ اِسلام میں علاوہ عقائد کے اعمال بھی ہیں۔ اور وُہ دو طرح کے اعمال ہیں۔ ایک اعمال ظاہری جو بدن سے کئے جاتے ہیں۔ اور دوسرے اعمال باطنی جو دل سے ہوتے ہیں۔ اور دل کے اعمال بھی دو قسم کے ہوتے ہیں۔ اوّل دِل کو تمام بُری خصلتوں اور عادتوں سے پاک صاف کرنا۔ دوم دل کو تمام اچھی اور عُمدہ صفتوں سے روشن اور منوّر کرنا۔ اور اعمال ظاہری بھی دو قسم کے ہیں۔ ایک اعمال بدنی دُوسرے اعمال مالی۔ یعنی ایک وہ اعمال جو بدن سے کئے جاویں۔ بدنی اعمال میں ایک خُدا کی عبادت ہے۔ وہ دن میں پانچ وقت کی جاتی ہے۔ اور اسکو نماز کہتے ہیں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہر ایک عاقل بالغ اس سے پہلے وضو کرتا ہے۔ جس کا طریقہ یہ ہے۔ لیکن اگر پانی نہ ملے یا تندرستی نہ ہو۔ بیماری بڑھ جانے کا خیال ہو۔ تو پھر تیمّم کرتا ہے۔ یعنی پاک صاف مٹی پر ہاتھ مار کر ایک دفعہ مُنہ پر مل لینا۔ اور ایکدفعہ دونوں ہاتھ کہنیوں تک ملنا۔ اور اگر تندرستی بھی ہو اور پانی بھی میسّر آئے۔ تو وہ اپنے اعضاً دھوتا ہے۔ اوّلاً اپنے ستر کو دھوتا ہے۔ جس سے نیت یہ ہوتی ہے کہ میں نے نادم ہو کر زلیست فعلِ شنیع اور ناکردنی سے توبہ کی۔ اور باز آیا۔ اور بعد ازاں دونوں ہاتھ دھوتا ہے۔ اور اس سے تمام وہ جرائم جو ہاتھوں سے ہوتے ہیں سب سے تائب ہُوا اور باز آیا مثلاً چوری۔ راہزنی۔ رشوت ستانی۔ سُود خوری یا جور و تعدّی یا جھُوٹی تحریر وغیرہ کرنی یا کسی مخلوقِ خدا کو بلاوجہ مارنا۔ یا ایسا کام ہاتھوں سے کرنا جو قانونِ الٰہی میں منع ہو وغیرہ وغیرہ۔ اور پھر مسلمان وضو میں تین دفعہ کُلّی کرتا ہے۔ اور اس سے غرض یہ ہوتی ہے۔ کہ ہر وہ کلمہ جو زبان سے منع کیا گیا ہے۔ میں اس سے باز آیا۔ یعنی خلاف واقعہ اور کِذب اور لغو اور بیہودہ الفاظ اور غیبت اور اِستہزا۔ اور دیگر سبّ وشتم اور بے وجہ دل آزاری کے کلمات اور تمام وُہ کلمات جو زبان سے قانونِ اِلٰہی سے منع ہوں۔ مُسلمان مُنہ میں کُلّی کر کے اِن سے دستبردار اور تائب ہوتا ہے۔ اور بعد مُسلمان تین دفعہ ناک میں پانی ڈالتا ہے۔ اور اس سے غرض یہ ہوتی ہے۔ کہ اے میرے خُدا اور اے میرے پروردگار۔ اور اے میرے پالنے والے اس ناک کو اس مقام کی خوشبو عنایت فرما جہاں تیرے مطیع اور تابعدار اور منظورِ درگاہ عیش وآرام سے تیرے فضل کا مزا چکھ رہے ہیں۔

یعنی بہشت کی خوشبو طلب کرتا ہے۔ اور پھر تین دفعہ منہ دھوتا ہے اور اس سے یہ غرض ہے۔ کہ اے مولا! میں سوائے تیرے اور تیری درگاہ معلیٰ کے سب ماسوا سے رُوگرداں ہوا۔ اور سب سے بیگانہ بنا۔ سوائے تیرے میرا کوئی نہیں۔ نہ میں ہی اپنا آپ ہوں۔ جو کچھ ہے بس تو ہے۔ یہ ما و من سب حجاب اور پردے ہیں۔ پس تو ہی تو ہے۔ اور اس منہ میں پیشانی ہے۔ اور اس پیشانی کو آستانۂ علیا اور درگاہِ معلیٰ کی جبین سائی کے لئے التجا کرتا ہے۔ اور آمادگیٔ سجدہ کا اظہار اور التجا کرتا ہے۔ اور غرض پرداز ہے کہ سوائے اس درگاہ کی جبین سائی کے کوئی ماویٰ و ملجا نہیں۔ اور یہی انتہا مرادِ عبدی ہے۔ کیونکہ بندہ عاجز اور خدا غنی۔ تو پھر انسانی طبیعت کا صحیح مقتضا یہی ہے۔ کہ بندہ اپنا آپ پہچانے۔ اور اُس کی ذات کے سامنے سربسجود ہو کر اپنی نیستی اور اُسکی ہستی اور اپنا عجز اور اُس کا غنا۔ اپنی بندگی اور اُس کی خدائی کا ثبوت پیش کرے۔

غرض مسلمان وضو میں تین دفعہ منہ دھوتا ہے۔ اور بعد ازاں اوّل دایاں اور بعد بایاں ہر دو ہاتھ کہنیوں تک تین تین دفعہ دھوتا ہے۔ اور اس سے یہ مراد ہے۔ کہ اے میرے پروردگار! میں تیرے سب غیر سے دستبردار ہوا۔ اور اپنے دعاوی سے دستبردار ہوا۔ اور تمام دعوے چھوڑ دیئے۔ اور ہمہ تن تیرا ہوں۔ اور اپنے تمام اختیار کو تیری ذات کے سامنے نیست و نابود کر دیا۔ اور اس ہستیٔ موہومہ سے جو تیرے دیدار کی مانع ہے دستبردار ہوا۔ اور سوائے تیرے سب ماسواء سے ہاتھ دھو بیٹھا ہوں۔ اور بعد ازاں مسلمان اپنے سر کو ننگا کر کے پانی سے تر کرتا ہے۔ اور یہ نیت کرتا ہے کہ مولا! میں نے تمام غفلت کے بوجھ اتار دیئے اور نام و ناموس ترک کر کے دربار میں حاضر ہوں۔ اور بعد ازاں دونوں کانوں کو پانی سے تر کر کے دونوں شہادت کی انگلیاں ڈالتا ہے جس سے یہ غرض ہوتی ہے۔ کہ میں تمام ان کلمات سے تائب ہوا اور ہر اس آواز کو ترک کیا جو تیرے اور تیرے حکم کے سوا ہوں۔ یعنی ہر آواز میں تو ہی تو ہے۔ اور بعد ازاں اپنی گردن پر ہر دو ہاتھوں کو پھیر کر اشارہ کرتا ہے کہ اے محبوبِ حقیقی اور معبودِ تحقیقی میں تیری ذات کے سامنے ذبح ایک قربان ہو گیا ہوں۔ میں کچھ نہیں۔ تو ہی تو ہے۔ اور بعد ازاں ہر دو پاؤں دھوتا ہے گویا وہ یہ ظاہر کر رہا ہے۔ کہ اے میرے مولا! میں کامل طور پر ذبح ہو چکا ہوں۔ ان پاؤں کی حرکت وغیرہ کو نہیں۔ مگر سوائے تیرے امر کے +

یہ ہے مسلمان کا وضو اور ابھی وہ صرف عبادتِ الٰہی کی تیاری کر رہا ہے۔ اور اس وضو سے ایک دوسرا فائدہ یہ ہے کہ تمام دنیا میں جو قوم آباد ہے۔ سب بالاتفاق ہے کہ چار خلق یعنی عدل و انصاف اور احسان اور متانت اور نفاست۔ یہ چاروں خلق اور عادتیں ہر ایک قوم میں محمود اور عمدہ گنی جاتی ہیں۔ مسلمان کے وضو کرنے میں اوّلاً عدل اور وہ اسطرح کہ خدا اور بندے میں عدم اور وجود یا غنا اور احتیاج ظاہر ہے۔ یعنی بندہ کچھ نہیں اور خدا سب کچھ ہے۔ اور بندہ ہمہ تن محتاج اور خدا مبدأ و معدن اور مصدرِ کمالات۔ جو کمال ہے سب اسی کا ہے۔ وہاں جا کر سب کمالات کا خاتمہ ہوتا ہے۔ تو مسلمان اس میں عدل کر رہا ہے۔ اور اپنے آپ کو ترک کر کے جنابِ خدا میں پیش ہو رہا ہے۔ اور نیز اپنے اوپر احسان کر رہا ہے۔ کہ تمام برائیوں سے تمام ظاہر و باطن کو کو بچا کر پاک و صاف کر رہا ہے۔ اور نیز نفاست سے تو ظاہر ہی ہے کہ تمام ناپاکیوں سے بدن کو صاف کر رہا ہے۔ اور متانت اسطرح کہ ہر طرح کی سُبک حرکتی اور غیر موزونی سے دستبردار ہو رہا ہے۔ اور نیز اس وضو سے یہ فائدہ ہے کہ ہر ایک مرض اور بیماری کا علاج پانی سے کرتا ہے۔ اور صحیح طریق سے کوئی شخص باقاعدہ وضو کرتا ہے۔ تو وہ بیمار نہیں ہوگا۔ انسان ان ہی مقامات کو وضو میں دھوتا ہے جو اچھے یا بُرے کام کریں۔ اور جو بیماریوں کے سبب ہوتے ہیں۔ یہ بحث بہت طویل ہے۔

یہاں صرف یہ جاننا ضروری ہے کہ علاج بالماء جو فلاسفۂ یونان کا ایجاد کردہ ہے۔ اور آجکل امریکہ میں بھی اس کے کالج ہیں۔ یہ بھی محمدی صدقہ ہے۔ محمدؐ نے اپنی اُمت کو عبادت میں فرما دیا ہے اور نیز وضو میں ایک یہ فائدہ ہے کہ اس پر کچھ خرچ نہیں ہوتا۔ دیگر تمام دنیا کے مذہب والے بوقتِ عبادت طرح طرح کے باجے اور طرح طرح کی دیگر اشیاء جبتک جمع نہ کرلیں ان کی عبادت نہیں ہوتی۔ مگر اسلام سب مذاہب سے آسان ہے۔ اور کیوں نہ ہو۔ دو نقاط کے مابین ایک خط ہی راست ہوگا۔ مثلاً ایک جگہ سے دوسری جگہ جائیں تو فقط صرف ایک ہی خط یعنی راستہ سیدھا ہے۔ یعنی صراطِ مستقیم۔

وضو سے ایک اور فائدہ ہے۔ وہ یہ کہ جسم اور روح کا ایک عجیب تعلق ہے جسم کا ہر قول و فعل۔ حرکت و سکون روح کے لئے مؤثر ہے۔ وہ اس طرح کہ جسم کو صاف کریں اور دھولیں۔

اور غسل کریں۔ تو روح مسرور ہوتا ہے۔ اور اگر جسم میں میل کچیل لگ جاوے اور بال بڑھ جاویں اور کپڑے میلے ہو جاویں اور بدن صاف نہ ہو تو روح بیقرار ہو جاتا ہے اور جسم کو گرمی لگ جاوے تو روح کو اضطرار لازم ہے۔ اور جسم کو سردی پہنچے تو روح کو تشنج لازم ہے۔ ملائم کلمات اور نرم کلامی سے روح کو فرحت لازم ہے۔ اور متکبرانہ گفتگو سے روح بیقرار ہو جاتا ہے۔ مخلوقِ خدا پر رحم کرنے سے روح خوش ہوتا ہے اور ظلم و جور کرنے سے روح کو بیقراری اور رنج اور دُکھ پہنچتا ہے۔ حرام یا حرامکاری اور بدی یا گناہ کے کام کریں تو روح کو انتہا بیقراری اور رنج پہنچتا ہے۔ جو درحقیقت بہت بڑی سزا ہے۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ اہلِ دُنیا بڑے بڑے عالم اور عہدیدار اور غنی اور صاحبِ جاہ وغیرہ نہایت تنگ اور بیقرار اور ہائے ہائے کرتے ہیں۔ ان کا لباس اور خوراک۔ اور دیگر جاہ و مال اور اسباب وغیرہ دیکھ کر بعض سادہ لوح حیران ہوتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ دل اور روح کی تنگی اور تکلیف انکو شب و روز بیقرار اور بے چین بنائے رکھتی ہے۔ اور اگر ان تخت و تاج اور جاہ و مال والوں کی مزاج پرسی کیجئے یا انکو تخلیہ میں بیٹھے ہوئے دیکھئے تو اتنے بیحد تنگ اور بیقرار ہیں جو بیان سے باہر ہے۔ غرض گناہ اور بدی سے روح کو سخت سزا ہوتی ہے۔ اور نیکی اور عمدہ فعل و قول اور حُسن اور دان سے روح کی زندگی اور مزا اور لذت اور راحت ہوتی ہے۔ اور فی الحقیقت لذت اور راحت اور آرام اور سکھ حقیقی یہ ہے کہ انسان خدا سے تعلق پیدا کرے۔ اور اس کے غیر سے مُنہ موڑے۔ ورنہ رنج اور غم اور دکھ اور مصیبتیں اس کا پیچھا نہ چھوڑے۔ غرض روح اور بدن میں ایک عجیب تعلق ہے۔ انسان بدن کو صاف کرے تو روح خوش اور بدن خراب ہو تو روح بیقرار اور عمدہ قول اور فعل سے روح کو مزا اور سرور ملتا ہے۔ ایسا ہی روح میں غصہ ہو تو جسم سے اور حرکات سرزد ہوتے ہیں اور روح میں محبت ہو تو جسم سے اور ہی انداز نمایاں ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ غرض جسم اور روح میں ایک عجیب تعلق ہے جو ایک دوسرے کیلئے متاثر اور مؤثر اور فاعل اور مفعول کا حکم رکھتے ہیں۔ تو محمدؐ نے ہر وقت جسم و روح زبان یعنی ظاہر اور باطن پاک رکھنے کا حکم دیا ہے اور چونکہ خدا پاک ہے وہ پاکوں کو ہی پسند کرتا ہے۔ ناپاک نجس اور گندے اس کی ذات سے دُور ہو جاتے ہیں......

ایسا ہی ہر ایک انسان جیسے کام کرتا ہے خدا کا ویسے ہی اس سے تعلق ہوتا ہے اور نیک کام کرے تو روح صاف ہو جاتا ہے اور مثل آئینے کے انوارِ ربانی کا مورد بن جاتا ہے اور اگر گناہ اور نافرمانیاں کرے تو مثل توے سیاہ کے آفتابِ ربانی سے دور ہو جاتا ہے۔ دیکھو آئینہ اور سیاہ توا ہر دو سورج کے سامنے ہیں۔ لیکن آئینہ روشن ہے اور توا سیاہ۔ ایسا ہی ہر نیک اور بد سب کو خدا کا فیض پہنچ رہا ہے۔ لیکن نیک بوجہ صفائی باطن

اس کے مقرب ہیں اور بد بوجہ سیاہی باطن اس سے دور۔ جس طرح کہ جو آئینہ آفتاب کے سامنے ہو روشن رہتا ہے۔ ایسا ہی وہ شخص جو باطن کو مجاہدے اور ریاضت سے صاف اور پاک کرے۔ جبتک وہ صراطِ مستقیم پر نہ آوے اس میں روشنی محال ہے۔ اور صراط المستقیم صرف ایک ہی ہو سکتا ہے اور جو چھوٹے اور بڑے آئینوں کو دیکھنے والے ہیں۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ انسانوں کے باطن بھی ایسے ہی ہوتے ہیں۔ کوئی چھوٹے اور کوئی بڑے۔ اور کوئی زیادہ صاف اور کوئی کم۔ اور پھر ہر ایک آئینہ جیسا کہ سورج کے سامنے ہو کر روشن ہوتا ہے اور جو اس کے سامنے آئے اُس کو بھی روشن کر دیتا ہے۔ ایسا ہی وہ صاحب باطن جو بوجہ صفائی باطن آفتابِ ربانی سے اپنے باطن کو روشن کر چکے ہیں۔ اگر اُن کے سامنے کوئی آجاوے تو اسکو روشن کر دیتے ہیں۔ اور جس طرح وہ آئینہ جو سورج کے نور سے روشن ہے مگر بعض چیزیں اس کی پس پشت ہیں وہ روشنی سے محروم ہیں۔ روشن وہی ہوتے ہیں جو اس کے سامنے آئیں۔ ایسا ہی وہ صاف باطن انسان جو انوارِ ربانی سے منور ہو گیا ہوا ہے جو شخص اُس کے سامنے یعنی زیرِ توجہ ہو۔ وہی روشن ہوگا۔ اور اگر سامنے ہو مگر آنکھیں بند کرلے۔ تو وہ بھی روشنی سے محروم رہے گا۔ دیکھو سورج کو تمام لوگ دیکھتے ہیں۔ لیکن اُلو اور چمگادڑ نہیں دیکھتے۔ فرق یہی ہے کہ ان میں یعنی اُلو اور چمگادڑ میں نگاہ نہیں کہ آفتاب کا جلوہ برداشت کرسکیں۔ ہاں میں یہ کہہ رہا تھا کہ ہر شخص بقدرِ صفائی باطن فیض حاصل کر لیتا ہے۔ اور ہر شخص گناہ اور بدی کی وجہ سے تنگ اور بیقرار ہوتا ہے۔ جس شخص کے باطن میں نور اور روشنی نہ ہو۔ وہ سخت عذاب میں گرفتار ہے۔ اور اس کو اگرچہ خوراک لباس اور دیگر سامانِ آرائش وغیرہ بھی حاصل ہیں مگر وہ بہت بڑا مفلس ہے۔ اور نہایت نادار ہے کیونکہ بدنی آرام و راحتیں بالکل ہیچ ہیں۔ مگر روح کے سامنے روحانی سیری اور روحانی نشہ اور سرور اور مستی ایک چیز ہے کہ جسمانی نعماء اور آلاء اس کے مقابلہ میں محض ہیچ ہیں اور وہ یعنی مستی اور نشہ اور سرور روحانی سوائے صفائی باطن کے غیر ممکن اور محال ہے۔ اور صفائی باطن سوائے نیکیاں کرنے اور بدیاں ترک کرنے اور ہمہ تن نیک ہونے کے بغیر ممکن نہیں۔ اور بغیر روحانی طبیب کے زیرِ علاج ہونے اور سر تا پا اس کے تابعدار ہونے کے محال ہے۔ اور وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں٭

ہاں میں کہتا تھا کہ وضو میں یہ فائدہ ہے کہ وہ ظاہر اور باطن کی صفائی کا موجب ہے

اور پھر مسلمان نماز کے اوّل اذان کہتا ہے ۔ وہ اسطرح ہے کہ ایک مسلمان کھڑا ہو کر یہ صدا اور آواز اسطرح بلند کرتا ہے ۔ اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اشہد ان لا الٰہ الا اللہ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ اشہد ان محمداً الرسول اللہ اشہد ان محمداً الرسول اللہ حیّ علی الصلوٰۃ حیّ علی الصلوٰۃ حیّ علی الفلاح حیّ علی الفلاح اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ (ترجمہ) یعنی خدا بڑا ہے خدا بڑا ہے خدا بڑا ہے خدا بڑا ہے۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں۔ میں شہادت دیتا ہوں محمد خدا کے رسول ہیں ۔ میں شہادت دیتا ہوں محمد خدا کے رسول ہیں ۔ نماز کیطرف چلے آؤ۔ نماز کی طرف چلے آؤ ۔ فلاح کی طرف چلے آؤ۔ خلاصی کی طرف چلے آؤ۔ اور فجر کیوقت یہ دو لفظ اور زیادہ کرتا ہے ۔ الصلوٰۃ خیر من النوم ۔ الصلوٰۃ خیر من النوم ۔ نماز نیند سے افضل ہے ۔ نماز نیند سے افضل ہے ۔ خدا بڑا ہے خدا بڑا ہے۔ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ۔ اوّل چار دفعہ اس نے کہا خدا بڑا ہے ۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ ہر ایک شے میں چار باتیں ہوتی ہیں۔ اوّل اس چیز کا نام ۔ دوم نام والا ہے۔ سوم اس کے صفات ۔ چہارم اس کے افعال ۔ تو گویا مؤذن یوں کہتا ہے کہ تمام ناموں سے خدا کے نام بڑے ہیں اور تمام ذاتوں سے خدا کی ذات بڑی ہے ۔ اور تمام صفات سے خدا کے صفات بڑے ہیں۔ اور تمام افعال سے خدا کے افعال بڑے ہیں۔ جب یہ آواز تمام کانوں تک پہنچ گئی اور ہر ایک کو اپنی عاجزی اور خدا کی بڑائی کا علم ہو گیا ۔ اور معلوم ہو گیا کہ خدا کے نام ۔ اس کی ذات ۔ اسکی صفات ۔ اسکے افعال بڑے ہیں۔ تو ہر ایک مخلوق کو معلوم ہو گیا کہ جب وہی ہر لحاظ سے بڑا اور برتر ہے تو ہر ایک کی طبیعت نے تقاضا کیا کہ جب اختیار نفع اور نقصان سب اسکے قبضہ میں ہے تو سب مرادیں اور تمام حاجتیں اسی سے طلب کرنی چاہئیں اور اسی کے دروازے پر جھکنا اور سجدہ کرنا چاہئیے۔ کیونکہ جب سوائے اس کے دوسرے کسی میں کوئی کمال ہی نہیں تو پھر سوائے اس کے کسی غیر سے کیا حاجت پوری ہو سکتی ہے۔ لہٰذا وہی کارساز اور قاضی الحاجات ہے ۔ اس سے مؤذن کے تمام دعوے سوائے خدا کے ہیچ ہو گئے سب کچھ خدا ہی خدا ہوا۔ تو پھر مؤذن نے آواز دی کہ سوائے اس کے کوئی لائق عبادت اور قابل پرستش نہیں۔ یہ دو دفعہ اسلئے کہا کہ ایک دفعہ اپنا عقیدہ اور اعتقاد ظاہر کیا ۔ اور دوسری دفعہ تمام لوگوں کو تبلیغ کر گیا ۔ اور ہر مخلوق اور شجر اور حجر اور سورج چاند زمین آسمان کی

تمام ہستیوں کو عاجز اور بیکس کر گیا ۔ اور بتلا گیا کہ سوائے اس وحدہٗ لاشریک کے کوئی دوسرا قابل پرستش نہیں اور جو لوگ سوائے اس وحدہٗ لاشریک لہٗ کے کسی عاجز انسان یا کسی دوسرے مخلوق حیوان یا درخت یا پتھر یا جانور کی پوجا اور عبادت کرتے ہیں وہ راہِ حق اور صراطِ مستقیم سے دور ہیں اور وہ گمراہ ہیں۔ مقصد سے دور رہ گئے اور مراد تک نہ پہنچ سکے ۔ اور نیز وہ تبلا گیا کہ واجب الوجود صرف ایک ہی ہو سکتا ہے اس کا نہ باپ بیٹا نہ جورو غرض وہ تمام مخلوق کی ہر ایک بات سے نرالا ہے اور اپنی ذات اور صفات اور اسماء اور افعال میں واحد ہے ۔ جب یہ ہے۔ تو پھر مؤذن نے آواز دی کہ نماز کی طرف آجاؤ۔ یہ لفظ دو دفعہ اسلئے کہا کہ اوّل اپنا عقیدہ بیان کیا اور اپنی حاضری بیان کی اور دوسری دفعہ تمام لوگوں کو تبلیغ کر گیا اور بتلا گیا کہ ہر انسان کی بہتری اسی میں ہے کہ وہ اپنے پالنے والے کے دربار عالیہ میں حاضر ہو کر سر نیاز خم کرے ۔ اور اپنی عاجزی اور نیستی کا اظہار کرے ۔ جو حقیقت نماز ہے۔ جب یہ معلوم ہو گیا تو پھر اس نے آواز دی کہ خلاصی اور نجات کیطرف چلے آؤ۔ اور یہ اسطرح کہ سوائے دربار الٰہی کے عجز و نیاز کرنے کے اور عبادت بجا لانے کے نجات ممکن نہیں ۔ اور چونکہ تمام انسان دنیا میں نجات کے طالب ہیں اور اسی لئے شب روز ہر طرح کی محنتیں اور مشقتیں برداشت کرتے ہیں۔ اور طرح طرح کے مجاہدے کرتے ہیں اور کئی مشکل راہیں اختیار کئے ہوئے ہیں۔ لہٰذا وہ آواز دیتا ہے کہ خدا کی عبادت اس خوابِ غفلت سے اچھی ہے ۔ اٹھو اور خدا پاک کی عبادت کرو۔ دو دفعہ اس لئے کہا کہ ایک اپنا عقیدہ اور حاضری کی اور دوسرے تمام لوگوں کو تبلیغ کی ۔ اور بعد کہا خدا بڑا ہے۔ خدا بڑا ہے ۔ یہ دو دفعہ اسلئے کہا ۔ کہ ہر ایک مخلوق کی ایک ابتدا ہے اور ایک دفعہ فنا ہے ۔ یعنی ہر مخلوق ایکوقت پیدا ہوئی اور پھر فنا ہو جاوے گی۔ اس سے یہ تبلانا منظور ہے کہ وہی مالک حقیقی سب کو ہستی اور وجود عنایت فرماتا ہے اور وہی سب سے وجود چھین لیتا ہے۔ اس کے سوا نہ کوئی قدیم ہے اور نہ کوئی رہے گا ۔ وہی اوّل ہے وہی آخر ہے۔ وہی ظاہر ہے وہی باطن ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔ اس میں تمام طرح کے باطل پرستوں کی تردید کر گیا ۔ اور حق اور باطل کا فرق تبلا گیا۔ اور بعد اس نے کہا کہ خدا بڑا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ۔ تو اب اس آوازِ اسلامی یعنی اذان کے کیا کیا حقائق اور معارف بیان کئے ہیں۔ اور کتنے کتنے باطل خیالوں کی تردید کی ۔ صرف یہ ایک آوازِ اسلامی ہی تمام مسائل حل کر دیتی ہے کہ اس آواز نے کتنے کتنے بڑے مراحل

اب نماز شروع کرتے وقت وہ کہتے ہیں۔ خدا بڑا ہے خدا بڑا ہے۔ خدا بڑا ہے خدا بڑا ہے
خدا کے سوائے کوئی معبود نہیں۔ میں شہادت دیتا ہوں محمدؐ خدا کا رسول ہے۔ میں شہادت
دیتا ہوں محمدؐ خدا کا رسول ہے۔ نماز کی طرف چلے آؤ۔ نماز کی طرف چلے آؤ۔ خلاصی اور نجات
کی طرف چلے آؤ۔ نجات کیطرف چلے آؤ۔ اس میں حرف بہ لفظ زیادہ ہوتے ہیں۔ قدقامت
الصلوٰۃ۔ قدقامت الصلوٰۃ۔ یعنی نماز تیار ہے نماز تیار ہے۔ خدا بڑا ہے۔ خدا بڑا ہے۔
خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اذان اور تکبیر اولیٰ میں اول آخر خدا کے نام سے شروع
اور خدا کے نام سے ختم ہوا۔ اور نماز میں داخل ہوتے وقت بھی ہر ایک مسلمان کہتا ہے۔ اللہ اکبر
یعنی خدا بڑا ہے۔ یعنی اپنے آپکو پیش کرکے خدا کے نام کی تکبیر پڑھتے ہیں اور اپنے آپکو اس
کے نام کی تکبیر سے ذبح کرتے ہیں اور اس دنیا سے نکل جاتے ہیں اور ہر دو ہاتھ ناف کے نیچے
باندھ لیتے ہیں اور یوں گویا ہوتے ہیں۔ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ
اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ ط اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ
الرَّجِيْمِ ط بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط (ترجمہ) اے خدا تو اپنی ذات سے آپ ہی پاک ہے
اور اپنی تعریف کے ساتھ۔ اور تیرا نام برکت والا ہے۔ اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں شیطان
راندے ہوئے سے پناہ مانگتا ہوں۔ اور شیطان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص کسی شہنشاہ کے
دروازے پر حاضر ہو کر دستک دیوے اور حاضری کی اجازت طلب کرے۔ مگر اسکو اس صاحب خانہ
اور صاحب دربار کا ایک کتا بھونکنے لگجاوے۔ اور اسکو داخل دربار سے مانع ہو اور وہ طالب اس
گھر والے سے استغاثہ کرے اور استعانت سے اندر جانا چاہے اور وہ صاحب خانہ اس اپنے کتے کو روک
لیوے۔ اور وہ شخص اس گھر یا اس دربار میں داخل ہو جاوے۔ اور اگر گھر والے سے تعلق نہ ہو۔ تو کتا
اندر جانیوالوں کو پھاڑ ڈالے۔ بس یہی مثال ہے شیطان کی خدا کے دروازے پر۔ اگر دربار میں داخل ہونے
والوں کا تعلق ذات حق سے ہو تو شیطان کچھ نہیں کر سکتا۔ اور اگر نافرمان اور منکران الٰہی ہوں تو وہ
شیطان کے شکار ہو جاتے ہیں۔ اور ہاں بعض عقل کے پورے شیطان کے وجود سے انکار کیا کرتے ہیں۔
ان کو یہ معلوم نہیں کہ اوصاف کے پھیلاؤ کی یہ صورت ہے۔ کہ ایک وصف ذاتی ہوتا ہے اور ایک
مستعار اور کسی کا عطا کردہ۔ دیکھو نور آفتاب ذاتی ہے۔ عالم اسباب میں بظاہر آفتاب کو

روشن کرنیوالا کوئی نظر نہیں آتا۔ مگر زمین اور در و دیوار وغیرہ سورج سے روشن ہوتے ہیں۔
تو کہا جاتا ہے کہ سورج نے تمام چیزوں کو روشن کر دیا ہوا ہے۔ اور ایسا ہی آگ گرم ہے۔ روٹی
سالن وغیرہ جو باورچی خانہ میں موجود ہوتے ہیں۔ تو کہا جاتا ہے کہ یہ کھانا پانی وغیرہ آگ سے
گرم ہیں۔ ایسا ہی وجود ایک وصف ہے۔ ہر موجود مخلوق کو دیکھ کر کہا جاتا ہے کہ اس کا
وجود ایک وجود مطلق کا فیض ہے۔ جیسے روشنی سورج پر اور گرمی آگ پر ختم ہو جاتی ہے
اور وجود ذات حق پر ختم ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی گمراہی ایک وصف ہے۔ دنیا میں جہاں جہاں
گمراہی اور ضلالت نظر آتی ہے وہ ایک گمراہ مطلق کا پرتو اور فیض ہے۔ پس وہ
شیطان ہے اور ہر ایک چیز جو خدا نے پیدا کی ہے بے فائدہ اور عبث نہیں۔ اگرچہ بعض نادان
بوجہ جہالت کسی بات کو یا کسی چیز کو نہ سمجھ سکیں۔ مثلاً سیاہ رنگ بعض جگہ برا معلوم ہوتا ہے۔
لیکن سیاہ بال اور سیاہ خال محبوب کے حسن کو دوبالا کر دیتے ہیں۔ اگرچہ بول اور پاخانہ نجس
اور ناپاک ہیں اور جہاں لگ جاویں وہ جگہ بھی ناپاک ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر کسی انسان میں بول و براز
کی جگہ نہ ہو یا بول و براز تھوڑی دیر کیلئے بند ہو جاویں تو پھر تمام حسن و جمال خاک میں ملجاوے۔
اس بول و براز ہی کیوجہ سے یہ چہرے کی روشنی اور یہ رخساروں کی لالی ہے۔ اور کانٹے بظاہر
برے معلوم ہوتے ہیں۔ مگر باغ و بستان کی باڑ اور رکاوٹ کیلئے نہایت ضروری ہیں ورنہ باغ اور
کھیت کی حفاظت محال ہے۔ اور گندگی اور ناپاکی اگرچہ نہایت بری ہے۔ مگر خواہ کتنا بڑا ہو
اگر اس میں ایک پاخانہ اور بیت الخلاء نہ ہو تو مکان کی کوئی وقعت نہیں۔ تو بھلا یہ دنیا جو
اتنا بڑا کارخانہ ہے اس میں ایک شیطان کی ضرورت کیوں نہ ہو۔ اور اگر شیطان پر کوئی نادان کسی وجہ
سے اعتراض کرے اور یہ کہے کہ خدا کی خدائی میں اسکی کیا ضرورت ہے تو ہم کہتے ہیں وہ تمام مخلوق پر ہی
اعتراض کرے۔ مثلاً سب کے سب موذی جانور سانپ۔ بچھو بھڑ وغیرہ یا سمیات زہر افیون
وغیرہ اور چیرنے پھاڑنے والے جانور یا مارنے اور تباہ کرنے والے اشیاء۔
غرض نمازی نماز کے شروع میں خدا سے مدد مانگتا ہے کہ اے خدا میں شیطان مردود سے تیری
پناہ مانگتا ہوں اور پھر کہتا ہے۔ میں شروع کرتا ہوں خدا کے نام سے جو اللہ رحمٰن اور رحیم ہے۔
یعنی وہی ہر ایک کو پیدا کرتا ہے اور وہی ہر ایک کو پالتا ہے اور وہی ہر ایک کی ضرورتیں پوری کرتا ہے۔

اور پھر نمازی یہ سورت پڑھتا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۝ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ۝ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۝ (ترجمہ) یعنی سب تعریف خدا کے لئے ہے جو سب کو پیدا کر کے سب کی پرورش کرتا ہے۔ بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔ قیامت کے دن کا مالک۔ اے خدا ہم خاص طور پر تیری عبادت کرتے ہیں اور خاص کر تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ ہمیں سیدھے راستہ پر چلا جو تیری طرف آتا ہے۔ جس پر تیرے انعام شدہ بندے چل کر تجھ تک پہنچے ہیں۔ جو تیری راہ چھوڑ کر دوسرے راستے ہو گئے ہیں یا تیرے مغضوب ہیں اُن کے راستے سے ہمیں بچا۔ اور میرے خدا ایسا ہی کر۔ اور بعد پڑھتا ہے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰہُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ ۝ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ۝ (ترجمہ) میں خدا کے نام سے شروع کرتا ہوں۔ جو نہایت رحم والا بڑا مہربان ہے۔ وہ خدا ایک ہے۔ وہ خدا ہر طرح بے نیاز و بے پرواہ ہے۔ اُس نے کسی کو نہیں جنا اور وہ خود کسی سے نہیں جنا گیا۔ اور اُس کا کوئی مثل اور شریک نہیں۔ یعنی نہ وہ خود کسی کا بیٹا ہے اور نہ ہی اُس کی کوئی بیوی ہے۔ وہ کسی کا بیٹا اور باپ وغیرہ ہونے سے پاک ہے۔ بلکہ وہ تمام مخلوق کی دوسری صفتوں سے پاک ہے۔ اور بعد نماز پڑھنے والا کہتا ہے اللہ اکبر۔ یعنی خدا بڑا ہے۔ اور سر جھکا کر دونوں ہاتھ زانوؤں پر دھر کر جھک جاتا ہے۔ اور نیچے جھک کر زبان سے کہتا ہے سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ یعنی پاک ہے تو اے میرے پالنے والے تیری بڑی عظمت ہے۔ چند بار یعنی تین یا پانچ یا سات بار یہ لفظ کہہ کر وہ سر اُٹھاتا کہتا ہے۔ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ ط یعنی خدا اپنے تعریف کرنے والے کی تعریف سنتا ہے اور بعد وہ زمین پر سر رکھ دیتا ہے اور کہتا ہے سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی یعنی اے میرے پروردگار تیری ذات پاک ہے اور بلند ہے۔ تین یا پانچ یا سات دفعہ یہ کہتا ہے اور بعد اللہ اکبر کہہ کر یعنی خدا بڑا ہے سجدے میں گر جاتا ہے۔ اور بدستور سابق سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی چند بار کہہ کر پھر کھڑا ہو کر بدستور سابق وہی کلمات پڑھ کر پھر سجدے دونوں کر کے دو زانوں بیٹھ کر پڑھتا ہے۔ اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّیِّبٰتُ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ

اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ یعنی بدن کی تمام عبادتیں اور تعظیمیں اور زبان کی تمام تعریفیں اور مال کے تمام ہدایا صرف خدا کی نظر و نیاز ہے۔ اے نبی قربانت شوم تجھ پر سلام ہو اور خدا کی رحمت ہو اور برکت ہو اور ہم پر اور خدا کے تمام نیک بندوں پر سلام ہو۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ خدا معبود برحق ہے۔ وہ شریک سے پاک ہے اور میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد خدا کے بندے اور رسول ہیں۔ اور پھر پڑھتا ہے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ط یعنی اے خدا تو درود بھیج محمدؐ پر اور ان کے تابعداروں پر جیسا کہ تو نے درود بھیجا ابراہیمؑ پر اور اُن کے تابعداروں پر۔ تحقیق تو حمد کیا گیا اور بڑی شان والا ہے۔ اور پھر مسلمان نماز پڑھنے والا پڑھتا ہے۔ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ یعنی اے خدا تو برکت بھیج محمدؐ پر اور اُن کے ماننے والوں پر جیسے کہ تو نے برکت بھیجی ابراہیمؑ پر اور اُن کے متبعین پر۔ تحقیق تو تعریف کیا گیا ہے سراہا گیا ہے۔ اور پھر نمازی پڑھتا ہے۔ رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ ۝ یعنی اے خدا مجھے ہمیشہ کیلئے اپنے دربار پر جھکنے والا بنائے رکھ کیونکہ یہی حقیقت نماز ہے اور یہی منتہائے سعادت ہے۔ اور میری اولاد کو بھی اپنا تابعدار بندہ یعنی نمازی بندہ بنائے رکھ۔ اے میرے پالنے والے میرے گناہ معاف کر دے اور مجھے بخش دے۔ اور نیز میرے والدین کو بخش دے اور نیز تمام وہ لوگ جو مسلمان ہیں یعنی تیرے پورے تابعدار ہیں۔ ان سب کو بخش دے جس دن قیامت برپا ہو۔ اور اگر نماز کو بڑھانا منظور ہوتا ہے۔ تو بدستور سابق کھڑا ہو جاتا ہے۔ ورنہ دائیں طرف منہ کرتا ہے اور کہتا ہے۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ پھر بائیں طرف منہ کرتا ہے اور پڑھتا ہے۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ۔ یعنی تم پر خدا کا سلام اور رحمت ہو۔ اور بعد نماز ہاتھ اُٹھا کر دعا کرتا ہے۔ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ وَعَلَیْکَ یَرْجِعُ السَّلَامُ حَیِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ وَاَدْخِلْنَا دَارَ السَّلَامِ تَبَارَکْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَیْتَ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ ط یعنی اے خدا تو سلامتی اور امن

دینے والا ہے۔ اور تجھ سے سلامتی ہے۔ اور تیری طرف سلامتی ہے۔ اے پروردگار ہمیں سلامتی سے زندہ رکھ۔ اے پروردگار ہمیں سلامتی کے گھر میں داخل فرما۔ اے پروردگار تو برکت والا ہے۔ اور تو بلندی والا ہے۔ تو بڑی بزرگی والا اور بڑی عزت والا ہے۔ اور بعد نماز ختم کرتا ہے۔

اب جائے غور ہے۔ کہ مسلمان وضو اور اذان اور نماز میں سوائے خدا کے کسی دوسری چیز کا نام نہیں لیتے اور ہر حالت میں خدا ہی خدا کرتے ہیں۔ اذان تو اوپر بیان بھی ہو گیا۔ مگر نماز کا ذرہ ذرہ ذکر کیا جاتا ہے۔ نماز میں ہر وقت نیچے اوپر ہونے خدا کی بڑھائی بیان ہو رہی ہے نماز میں داخل ہوتے وقت اللہ کے نام سے داخل ہوا۔ اور اللہ ہی کا نام لیکر نماز سے فارغ ہوا۔ اور وضو اللہ کے نام سے شروع کیا اور اللہ کے نام پر ختم کیا۔ اذان اللہ کے نام پر ختم کی۔ یہ ہے مذہب اسلام کی خصوصیت۔ سوائے نام خدا کے کوئی دوسری بات اسمیں نہیں۔ اس مذہب میں صرف خدا کا ہو جانا ہوتا ہے۔ مگر کس طرح؟ حیاتِ دنیاوی میں ہر طرح سے جہانتک چاہے ترقی کرے بلکہ اس حیاتی اور آئندہ حیاتی کے تمام محاسن اور خوبیاں اور ہر دو جہان کے کمالات اور ہر دو جہان کے آرام اور ہر دو جہان کے عیش و عشرت اور ہر دو جہان کی ترقیاں اور ہر دو جہان کی عزت اور آبرو اور ہر دو جہان کی لذت اور دو جہان کی راحت۔ غرض ہر دو جہان کی ترقی کا نام اسلام ہے۔ آہ ہا اس لذت کا طالب اگر کوئی ہو تو وہ میرے پاس آوے۔ ذرا مزا دیکھے۔ غرض مسلمان نماز کے وقت خدا کے نام کی تکبیر پڑھ کر ذبح ہو گیا۔ اور اسی لئے اس تکبیر اول کو تکبیر تحریمہ کہتے ہیں جو سب کچھ حرام کر دیتی ہے۔ جسم کی حرکت اور زبان کا لفظ جو سوائے نماز کے ہے وہ نماز توڑ دیتا اور باطل کر دیتا ہے۔ آنکھ سے کچھ دیکھنا کان سے کچھ سننا۔ پاؤں غرض تمام جسم سے کوئی حرکت بغیر نماز کے کرنا یا کوئی لفظ بغیر نماز کو توڑ دیتا ہے اور یہ اس امر کی دلیل ہے کہ نمازی اپنے آپ کو ذبح کر کے اس جہان اور اس کی تمام چیزوں کو چھوڑ کر دربار الٰہی میں حاضر ہوا۔ یعنی اپنے آپ پر تکبیر پڑھ کر ذبح ہو گیا۔ اور جب جلال کو دیکھا تو جھک گیا۔ جب جمال پر نظر پڑی اور بخشش اور کرم کا آوازہ آیا۔ تو کھڑا ہوا۔ اور جب پھر کبریائی پر نگاہ پڑی تو سجدے میں گر گیا۔ جب حکم ہوا پھر کھڑا ہوا۔ جب مستانہ حرکات سے فراغت ہوئی اور اجازت ہوئی تو بیٹھ گیا۔ جب تحریف شروع کی تو خدا سے مخلوط ہو کر ہادی اور راہنما محمدؐ کا شکریہ ادا کیا۔ اور آپ درود خوانی کی اور دیگر نیک بندگانِ خدا کی تعریف کی۔ اور

اپنا سب کچھ قربان اور صدقے خدا پر کر کے اپنی محبت و عشق کا اظہار کیا اور کھڑے ہو کر جھک کر سجدے میں گر کر بیٹھ کر ہر طرح محبوب حقیقی کے سامنے اپنی مستانگی اور دیوانگی کے حرکات ظاہر کئے اور نماز کو ایک خوبصورت شے بنا کر اپنے مالک کے سامنے پیش کیا۔ وہ اسطرح کہ روح نماز نیت اور اخلاص اور حضورِ قلب ہے۔ اور بدن نماز کے ظاہری اعمال ہیں اور نماز کے اصلی اعضا اس کے رکن اور کمالِ اعضا اس کے بعض ارکان ہیں وہ اسطرح کہ اخلاص تو روح ہے اور قیام اور قعود یعنی بیٹھنا اور کھڑے ہونا اس کے بدن کے قائم مقام اور رکوع اور سجود اس کے اعضا کمالیت مثل ہاتھ اور پاؤں اور سر۔ اور رکوع و سجود کو پورے طور پر ادا کرنا۔ اور رکوع کے بعد اور دونوں سجدوں کے درمیان ٹھہرنا یہ اس کے اعضا کا حسن اور رنگ ہے۔ اور اذکار اور تسبیحیں اس کے سر کے حسی آلات یعنی آنکھ کان وغیرہ ہیں۔ اور اذکار کے معانی کا سمجھنا اور ان کے معنے کے تصور کے وقت دل کو حاضر رکھنا اس قوت کے قائم مقام ہے جو حسی کے آلات میں رکھی گئی ہے۔ یعنی سامعہ اور باصرہ اور لامسہ اور شامہ اور ذائقہ ہیں۔ اور نماز کے ساتھ انسان کا خدا سے تقرب کرنا اسطرح ہے جس طرح کہ کسی خوبصورت لونڈی کو پیش کر کے تقرب حاصل کرے۔ اب اگر نماز میں نیت اور اخلاص نہ ہو جو بمنزلہ روح ہے تو گویا وہ بادشاہ کے سامنے ایک مردار بے جان پیش کر رہا ہے۔ اب ایسے شخص کا یہ فعل ایک مذاق اور تمسخر خیال کیا جاویگا اور اس کی گردن ماری جاویگی اور رکوع اور سجود کا نہ ہونا ایسا ہے جیسے کسی لونڈی کے اعضا نہ ہوں اور اذکار کا نہ ہونا ایسا ہے جیسے کہ اس لونڈی کے ناک کان وغیرہ نہ ہوں اور آنکھ سے اندھی ہو۔ اور اسی طرح اگر دل کا حضور اور اذکار اور معانی قرآن کا فہم نہ ہو تو یوں ہے کہ وہ بہری اور گونگی اور اندھی ہے۔ تو ظاہر ہے ایسی لونڈی بادشاہ کے حضور میں پیش کرنیوالا مستحق سزا ہوگا۔ بجائے تقرب کے الٹا مغضوب اور مقہور ہوگا۔ غرض عبادتِ اسلام یہ ہے۔

اور اس نماز میں اخوت اور مساوات اور ہمدردی کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ اور نیز اس میں ایک اعلیٰ درجہ کی ورزش اور اعلیٰ درجے کی تعلیم یہ ہے۔ کہ حاکم اور محکوم ہر دو کے مقتضیات کا لحاظ سکھایا جاتا ہے۔ کہ یوں حکومت کرو۔ اور کراؤ۔ اور قواعدِ جنگ اور جہاد کی اعلیٰ تعلیم ہے۔ اور جسم اور روح کے اعلیٰ نسخے اور دوائیاں پلائی جا رہی ہیں۔

۲۔ روزہ کا بیان اور اس کا فلسفہ

اور اسلام کے ظاہری اعمال میں سے دوسرا عمل روزہ ہے۔ اور وہ اسطرح کہ سال بھر میں ایک مہینہ پورا جسکو رمضان شریف کا مہینہ کہتے ہیں اس میں روزہ رکھنا ہے اور وہ یہ ہے کہ صبح سے شام تک بھر کھانا۔ پینا۔ اور جماع وغیرہ سے برطرف ہو جانا۔ اور اس سے یہ غرض ہے کہ ظاہر میں کھانا پینا ترک کرے اور دیگر برے ارادے اور برے خیال اور بری باتیں اور برے کام اور برے اعتقاد اور دیگر تمام بری چیزیں ترک کرے۔ سوائے خدا اور اسکے احکام کے دوسری کسی چیز کا خیال ترک کرے۔ دل۔ زبان۔ جسم اور اعضا غرض اپنا ظاہر اور باطن بالکل پاک کرے۔ اور نیز اس روزے سے ہمدردیِ خلق کا سبق سکھانا منظور ہے۔ کیونکہ جب مسلمان صبح سے شام تک بھوکا پیاسا رہیگا۔ اسکو مسکینوں۔ غریبوں اور ناداروں کی بھوک پیاس بھوکا رہ کر معلوم ہو جاویگی۔ نیز خدا کا شکر کرنا سیکھ جاویگا۔ کیونکہ اشد ضرورت کے بعد کھانا پینا جب نصیب ہوگا۔ خدا کی نعمتوں کی قدر معلوم ہوگی۔ نیز اکثر بیماریوں کا علاج ہو جاویگا۔ نیز کبر اور غرور اور تکبر اور خود بینی اور عجب اور ریا اور بخل اور غصہ اور حسد اور سستی اور کاہلی اور بے پرواہی وغیرہ کا علاج ہو جاویگا۔ اور نیز یادِ خدا کی قدر معلوم ہوگی۔ اور نیز بندگی اور خدائی کا حق معلوم ہوگا۔ یعنی اپنے عجز اور خدا کے غنا کا پتہ معلوم ہوگا۔

۳۔ زکوٰۃ اور اس کا فلسفہ

اور تیسرا عمل اسلام کے ظاہر اعمال سے زکوٰۃ ہے۔ اور وہ چالیسواں حصہ اپنے مال کا خدا کی راہ میں خرچ کرنا اور غریب و مسکین لوگوں کو دینا ہے۔ اور اس میں بھی ہمدردیِ خلق اور اطاعتِ خالق ہے۔ اور غربا پروری اور مسکین نوازی کا عمدہ طریق ہے اور پھر اسمیں خالص للّٰہ حقیقت ہو۔ احسان اور فخر اور ریا سے وہ خیرات بالکل خالی ہو۔ اور سخاوت اور خیرات کو قرآن میں بہت بڑا عمل قرار دیا گیا ہے۔

۴۔ حج کے بیان میں

اور چوتھا عمل اسلام کے ظاہر اعمال سے حج ہے۔ وہ یہ کہ ہر ایک مسلمان تندرست اور صاحبِ دولت کو ایکدفعہ مکہ معظمہ جانا ضروری ہے۔ وہاں تمام دنیا کے سب مسلمان جمع ہو کر خدا کی عبادت کریں جیسا کہ تمام دنیا میں پانچوقت محمدؐ کے جلسے ہوتے ہیں اور ہر ایک شہر اور قصبے اور ولایت اور پہاڑ اور جنگل

غرض تمام دنیا میں محمدؐ کے نام کی دہائی مل رہی ہے۔ اور آپ کے حسنِ بیمثال کا چرچا دن میں پانچ اذانوں میں ہو رہا ہے۔ اور یہ کثرتِ ذکر گویا یوں بتلا رہی ہے کہ یہ ہے خدا کے محبوب کی شان کہ ایسا ذکر دنیا میں نہ کسی بادشاہ کا۔ نہ کسی رسول اور پیغمبر کا اور نہ کسی ہادی اور نہ کسی مخدوم اور مطاع کا بلکہ محمدؐ محمدؐ کی آواز کا کانوں میں پانچوقت آنا بتلا رہا ہے کہ یہ شان محبوبِ خداؐ کی ہے۔ اور ایسا ہی حج میں یہ ہوتا ہے کہ مسلمان حلال مال اور نیک رفیق لیکر راہِ خدا میں سفر کرے۔ کیونکہ حلال مال دل کو روشن کرتا ہے اور نیک رفیق نیک راہ کی تعلیم و تلقین کرتا ہے اور نیز راستے میں اپنے اسباب ضروری اور کھانے پینے کی اشیائے ضروریہ کو ضرور ہمراہ لیوے۔ اور راستے میں اپنے ہمراہیوں سے عمدہ برتاؤ کرے اور راستے میں دنیا کے کام نہ کرے مثلاً تجارت وغیرہ اور نیز حاجی لڑائی اور جھگڑے اور دیگر وہ باتیں جو خلاف رضائے خدا ہوں وہ نہ کرے بلکہ تلاوتِ قرآن اور نوافل اور اذکار وغیرہ کرتا رہے۔ اور نیز اپنے جانور کو سواری کے ہمراہ ہو آرام سے لیجاوے اور نہایت متکسرانہ طریق سے چلے۔ متکبرانہ حالت نہ رکھے۔ اور گاہ گاہ راستے میں اپنے جانور گھوڑے وغیرہ سے اتر کر پیادہ چلے اور اپنے جانور پر احسان کرے اور نیز رکہ تکالیف پر صبر کرے اور شکوہ شکایت زبان پر نہ لاوے

حج میں ایک نہایت ہی عمدہ بات یہ ہے۔ کہ دوسرے مذاہب میں نہیں وہ یہ کہ اور مذاہب میں رہبانیت ہے اور حج اسکے قائمقام کیا ہے۔ اول یہ کہ جب حج کرنیوالا گھر سے نکلے عجائباتِ الٰہی دیکھ کر خدا کی خدائی معلوم ہوگی۔ اور نئے نئے نشانات قدرت نظر آدیں گے اور نیز کہ وہاں پہنچکر اخوت و مساوات سیکھے اور نیز یہ کہ وہاں خدا کے محبوب کی شان نظر آوے کہ محمدؐ کی ذات والا صفات ایسی ہے کہ تمام دنیا آپکے نام پر قربان ہو رہی ہے اور شاہ و گدا صدقے اور قربان ہو رہا ہے۔ اور نیز سفرِ حج قائمقام سفرِ آخرت ہے۔ وہ اس طرح کہ جب گھر سے تیاری کرے۔ تو یہ خیال کرے کہ موت کے سکرات کا یہی نمونہ ہوگا اور جب گھر سے نکل کر چلے تو یہ خیال کرے۔ کہ ایکدن اس دنیا سے بھی اسی طرح سب کچھ چھوڑ کر خدا کی طرف جاؤں گا۔ اور جب خرچ تیار کرے تو توشۂ آخرت کو یاد کرے کہ اسی طرح وہاں بھی خرچ کی ضرورت ہے اور جب سواری پر چڑھے تو معلوم کرے کہ اسیطرح ایکدن میری میت اٹھا کر لے جائیں گے۔ اور جب احرام باندھے تو خیال کرے کہ میں نے ایکدن کفن پہنکر اسی طرح گھر بار چھوڑ کر قبر میں جانا ہے۔ اور جب راستے میں چور اور ڈاکوؤں کا ڈر لگے تو منکر و نکیر فرشتوں کا خیال کر لیوے اور جب جنگل کے

درندے نظر آدیں تو قبر کے سانپ اور بچھو یاد کر لیوے۔ اور جب اپنے بال بچوں کی جدائی اور اپنی تنہائی ستاوے تو قبر کی تنہائی یاد کرے۔ اور تلبیہ کہتے وقت حشر اجساد کا خیال کرے۔ اور جب وہاں جاوے اور دیگر تمام مخلوق کو دیکھے تو حشر اور نشر کا خیال کرے۔ اور نیز خدا کے محبوب کی شان کا جلوہ ملاحظہ کرے۔ کہ ایک یتیم اور بیکس اور عاجز اور غریب اور اُمی نبی محمدؐ نے یہ مرتبہ خدا سے حاصل کیا کہ جس کی یاد گھر گھر اور شہر شہر اور ہر ایک جگہ ہو رہی ہے۔ واقعہ ہی وہ نبی اور رسول اور خدا کے محبوب ہیں وغیرہ وغیرہ۔

دیگر ظاہری اعمال

ظاہر اعمال میں سے ایک قرآن کا پڑھنا بھی ہے۔ اور اس پر عمل کرنا ہے اور نیز اعمال ظاہر میں سے ایک خدا کا ذکر کرنا اور اُس کی یاد سے غافل نہ ہونا ہے۔ ظاہری اعمال میں سے ایک یہ ہے کہ رزقِ حلال طلب کرنا۔ اپنے کام کسب تجارت حرفت زراعت نوکری وغیرہ میں کسی سے دغا فریب نہ کرنا۔ رشوت نہ لینا۔ سود نہ کھانا۔ چوری کا مال نہ کھانا۔ راہزنی کا مال نہ کھانا۔ غرض دوسرے لوگوں کی کسی چیز پر ہاتھ دراز نہ کرنا اور نہ ہی آنکھ اور کان۔ دل غرض اپنے ظاہر و باطن سے دُنیا کی حرام چیزوں سے پرہیز کرنا۔ اور نیز اعمالِ ظاہری سے یہ ہے کہ ہر ایک کے حقوق کی نگہداشت کرنا اور ہر ایک سے اچھا برتاؤ کرنا۔ دُنیا ایک مسافر خانہ ہے۔ ہر ایک مسافر کو چاہیئے کہ اپنے ہمراہیوں سے عمدہ برتاؤ کرے اور اپنا سفر طے کرے ورنہ منزل کھوٹی ہو جاویگی۔ اور اگر کہیں اکیلا رہنے کا اتفاق ہو تو انسان اپنے آپکو ایک جہان کی طرح خیال کرے۔ جس میں طرح طرح کے لوگ آباد ہیں۔ اور ہر ایک طبیعت اور عادت کے انسان کی نگہداشت نکریگا تو ہلاک ہو جاویگا +

اور انسان میں بڑے بڑے لشکر خدائی موجود ہیں۔ ایک اسمیں شہوت ہے جس سے اپنے نفع کی کی چیزیں طلب کرتا ہے اور ایک غضب ہے جس سے اپنی دُشمن چیزوں کو دُور کرتا ہے۔ اور ایک انسان میں عقل ہے جس سے اپنا انتظام درست کرتا ہے اور اپنے کاروبار کی تدبیریں کرتا ہے۔ اور انسان اپنے غضب کے لحاظ سے تو کتا ہے۔ اور اپنی شہوت کے لحاظ سے گھوڑا اور اپنی عقل کے اعتبار سے بادشاہ ہے۔ اور بادشاہ کو اپنی رعیت کا انتظام کرنا ضروری ہوتا ہے۔ تو انسان کو بھی چاہیئے کہ اپنے ظاہر و باطن کا انتظام عقل سے کرے۔ اگر اپنی شہوت کے گھوڑے کو مطیع کر لیا اور غضب کے کتے کو ادب سکھایا اور

عقل کے تابع کر لیا تب تو وہ برخوردار بنا اور کامیاب ہوا۔ ورنہ خرابی ہے + غضب اور شہوت کی ایک ترازو ہے یعنی تعلیم قرآن۔ اگر اس پر تُل کر یہ استعمال ہوں گے تو انسان سعادت حاصل کرے گا۔ ورنہ برباد ہو جاوے گا +

انسان کا اعمال ظاہری میں سے ایک یہ عمل بھی ہے کہ وہ جو اپنے لئے پسند کرتا ہے بعد اُس کے خدا کیلئے بھی وہی پسند کرے۔ مثلاً وہ چاہتا ہے کہ میرا کوئی مال نہ چرائے تو وہ دوسروں کا مال بھی نہ چرا دے۔ وہ چاہتا ہے کہ کوئی میری توہین نہ کرے تو وہ خود دوسروں کی توہین نہ کرے۔ وہ چاہتا ہے میری بیوی بہو بیٹی وغیرہ مستورات کی کوئی عصمت دری نہ کرے۔ وہ دوسروں کی عصمت دری نہ کرے۔ وہ چاہتا ہے مجھے کوئی گالی نہ دیوے۔ وہ کسی کو گالی نہ دے۔ وہ چاہتا ہے میری کوئی غیبت نہ کرے۔ وہ خود غیبت نہ کرے۔ وہ چاہتا ہے مجھے کوئی مسخری نہ کرے۔ وہ خود کسی کو مسخری نہ کرے۔ وہ چاہتا ہے مجھے کوئی حقیر نہ جانے وہ خود کسی خدا کے بندہ کو حقیر نہ جانے۔ وہ چاہتا میری کسی قسم کی کوئی برائی نہ کرے۔ تو وہ خود کسی کی برائی نہ کرے۔ وہ چاہتا ہے مجھ سے کوئی حسد نکرے وہ خود کسی سے حسد نکرے۔ وہ چاہتا ہے مجھ سے کوئی بخل نکرے وہ خود بخل نکرے۔ وہ چاہتا ہے مجھ سے کوئی غصہ نکرے۔ وہ دوسرے سے غصہ نکرے۔ وہ چاہتا ہے میرے کوئی عیب ظاہر نہ کرے۔ وہ دوسروں کے عیب چھپا دے۔ تو چاہتا مجھ سے کوئی بد ظنی نکرے وہ دوسروں سے بد ظنی نہ کرے۔ وہ چاہتا ہے کہ ہر کوئی میری عزت کرے وہ سب کی عزت کرے۔ وہ چاہتا ہی مجھے ہر کوئی عزیز جانے اور مجھ سے پیار کرے۔ وہ سب کو عزیز جانے اور پیار کرے۔ وہ چاہتا ہے مجھ سے کوئی تکبر نہ کرے وہ دوسروں سے تکبر نہ کرے۔ وہ چاہتا ہے ہر کوئی میری تواضع کرے وہ ہر ایک سے تواضع سے پیش آوے۔ اگر کوئی چاہتا ہے کہ اگر میں خطا کروں تو مجھے معاف کیا جاوے۔ اُس کو چاہیئے کہ معاف کرنے کے مقام پر بدلا [illegible] نہ کرے۔ وہ چاہتا کہ اگر کوئی کچھ طلب کرے تو مجھے وہ جواب دیوے بلکہ میری حاجت پوری کرے۔ اس کو چاہیئے کہ جائز سوال کا ضرور جواب دیوے اور مستحق کو ضرور اپنی طاقت کے مطابق محروم نکرے۔ وہ چاہتا ہے کہ میں اگر کسی کے مکان پر جاؤں تو میری عمدہ خدمت کرے۔ اسے چاہیئے کہ اپنے پاس چلکر آنیوالوں کی حتی الوسعت ضرور خدمت میں کوتاہی نہ کرے۔ وہ چاہتا ہے کہ مجھ سے بڑے زبردست اور حکام بالا میرے ساتھ ظلم نکریں وہ خود کسی پر ظلم نہ کرے۔ وہ چاہتا ہے مجھ سے کوئی [illegible] نکرے

وہ دوسروں سے سخت کلامی نہ کرے۔ وہ چاہتا ہے مجھ سے ہر کوئی خندہ پیشانی سے پیش آوے اُسے چاہیئے کہ وہ ہر ایک سے خندہ پیشانی سے پیش آوے۔ وہ چاہتا ہے مجھے ہر کوئی اچھے نام اور عمدہ لقب سے پکارے اُسے چاہیئے کہ ہر ایک کا عمدہ اور اچھا نام بُلاوے۔ اور نہایت پیار اور شفقت سے دوسروں کو یاد کرے۔ وہ چاہتا ہے کہ اگر میں کسی کا نوکر یا مزدور بنوں تو وہ مجھ سے اچھا برتاؤ کرے۔ اُسے چاہیئے کہ اپنے ماتحت اور دست نگر لوگوں سے اُن کی طبیعت کے مطابق سلوک کرے۔ وہ چاہتا ہے کہ میری کوئی شکایت نہ کرے وہ خود کسی کی شکایت نہ کرے۔ وہ چاہتا ہے سفر و حضر میں میری تمام ضروریات پوری ہوں۔ حتی الوسعۃ اُس کو چاہیئے۔ کہ مخلوقِ الٰہی کی ضرورتیں پوری کرنے کیلئے ہر وقت کمربستہ رہے۔ اور اگر کسی کی ضرورت پوری کرے تو خدا کا شکر بجالاوے۔ اور اگر نہ کرسکے تو اپنی کم ہمتی پر رو دے۔ اور اپنی ہستی پر ملامت کرے۔ اگر بڑے کو دیکھے تو عزت کرے کیونکہ وہ اس سے بڑا ہے۔ اگر چھوٹے کو دیکھے تو نہایت شفقت کرے۔ اور اگر برابر والے کو دیکھے تو اپنی جان سے زیادہ عزیز خیال کرے۔ اگر نیک کو دیکھے تو اُسکی غلامی اور خدمت کرے۔ شاید اسکی نیکی کا صدقہ اس کا بھلا ہو۔ اور اگر بد کو دیکھے تو اس کی زیادہ عزت اور حرمت کرے اور اسکو جان سے عزیز جانے۔ شاید اُس کو بُرا خیال کرکے درگاہِ الٰہی سے مردود نہ ہو جاوے۔ اور شاید مرنے سے پہلے یہ بُرا ہو کر مرے۔ اور وہ اس سے اچھا ہو کر مرے۔ اگر گداگر کو دیکھے فوراً کچھ دیوے اور شکریہ ادا کرے کہ الحمد للہ میں اس لائق ہوا۔ اگر اپنی غربت اور عاجزی کو دیکھے تو اپنے سے اور عاجز اور نادار لوگوں کو دیکھ کر خدا کا شکر ادا کرے۔ اور ہر ایک انسان سے تواضع سے پیش آوے اور تکبر اور غرور نہ کرے۔ اور اگر کوئی اس سے تکبر کرے تو اسکو برداشت کرے۔ اور حتی الوسعۃ درگذر اور معافی کا عادی بنے۔ اور خود نیکی کرے اور دوسروں کو نیکی کا حکم دیوے۔ اور عام طور پر کبھی کسی کی خطا نہ پکڑے۔ بلکہ پردہ پوشی اور معافی اور درگذر کو عادت بناوے۔ مگر جہاں جہاں خدا کا حکم ہے وہاں بدلہ لے۔ اور جہاں خدا کا حکم ہے وہاں معاف کرے۔ کیونکہ اعمال کی خوبی یا بُرائی کو خدا ہی خوب جانتا ہے۔ بندوں کو کیا معلوم۔ اور نیز یہ کہ اپنے سے بڑوں کی عزت کرے اور اپنے سے چھوٹوں پر رحم کرے۔ اور نیز یہ کہ ہر ایک شخص خواہ کسی قوم کسی مذہب کسی خیال کا ہو سب سے خندہ پیشانی اور خوش طبعی سے ملے۔ اور ہر وقت خوش رہے۔ اور اپنے ملنے والوں کو حتی الوسعۃ خوش کرے اور چہرہ بگاڑ کر کسی سے بات نہ کرے۔ اور نرمی سے بات کرے۔ اور نیز یہ کہ اگر بندگانِ خدا میں کوئی جھگڑا یا فساد پڑ گیا ہو

تو اُن میں صُلح کرادے۔ اور فساد اور جھگڑا کوشش سے مٹادے۔ اور نیز نہ تو کسی کی غیبت کرے۔ اور نہ ہی کسی کی غیبت سُنے۔ اور نیز اگر بوجہ بشریت کسی سے جھگڑا ہو جاوے تو فوراً صُلح کرلیوے۔ تین دن سے زیادہ غصّہ نہ رکھے۔ اور نیز یہ ہے کہ ہر ایک بندۂ خدا پر احسان کرے۔ خواہ وہ احسان کے لائق ہو یا نہ ہو۔ اور ہر ایک شخص کیسا ہو اُسکی عادت اور طبیعت کے موافق کلام کرے۔ مثلاً جو آدمی جو بے علم ہو اسکی فہم کے مطابق گفتگو کرے۔ اور جو بد اخلاق اور بد اطوار ہے۔ اُسکے حال کے موافق۔ جو دُنیادار ہے اُس سے اسی طرح اور جو عالم یا اُستاد یا باپ یا دادا یا مُرشد یا اور بڑا یا بیٹا غرض ہر ایک کا حال معلوم کرکے اسکے حال کے مطابق گفتگو کرے۔ اور نیز ہر ایک کا ادب اور احترام اسکے منصب کے موافق کرے۔ اور نیز بندگانِ خدا کے عیب چھپائے اور ثواب ظاہر کرے اور نیز بد تہمتوں اور اتہاموں سے اپنے آپکو بچاوے۔ اور نیز تمام حاجتمندوں کی حاجات حسب طاقت پوری کرے۔ اور ایک خدمت کا نشان بنے اور خادمِ خلق ہو کر دُنیا میں اپنا ہونا مفید ثابت کرے۔ اگر مال ہو تو مال سے اگر زور ہو تو زور سے اور اگر وجاہت ہو تو سفارش سے اور اگر علم ہو تو علم سے اور اگر حکومت ہو۔ تو عدل و انصاف سے فیصلہ کرنے سے اور رعیت کو خوش و خرّم رکھنے سے اور ماتحتوں پر شفقت اور پیار اور نرم کلام سے اور محبت سے۔ مثلاً اہلکار ہے تو اُسکو چاہیئے کہ ہر ایک ماتحت کا نام عزت سے بُلاوے۔ اور ہر ایک ماتحت کو غصے کیوقت غُصّہ ضبط کرے اور خاموش ہو جاوے۔ ماتحت سے علیحدہ ہو جاوے۔ اور ہر حالت میں اِن ماتحتوں سے عمدہ برتاؤ کرے۔ ورنہ غریب اور ناتوان اور عاجز لوگوں کے دلوں کا گرم دھواں اس کی بیخ و بنیاد اُکھیڑ دے گا۔ اور وہ دُنیا میں کمینہ اور کم ظرف مشہور ہوگا۔ اور حقیقت میں شریف اور نجیب لوگوں کے یہی حالات ہوتے ہیں۔ اور زبان سے بدزبانی کرنی یا کسی اور طریق سے اپنے ماتحت لوگوں کا دل جلانا نہایت بُرا فعل ہے اور خلاف از عقل اور دُور از دانش ہے۔ اور نیز یہ ہے کہ ہر ایک شخص خواہ وہ کسی درجے اور مرتبہ کا ہو سب کو اوّل سلام کرے۔ اور اس کا دل خوش کرے۔ اور نیز یہ ہے کہ ہر ایک کی پس پُشت امداد کرے۔ اور ہر کام اور ہر امر میں اسباب کا خیال رکھے کہ جس طرح کسی کے سامنے بات کرکے اس کو خوش کرتا ہے۔ اسی طرح اسکی پس پُشت بات کرے۔ سامنے اور پیچھے ہر طرح ہر ایک کی امداد کرے اور نیز یہ ہے کہ بُرے اور بد معاش لوگوں سے نرمی اور لینت سے کلام کرے اور عاقلانہ طریق سے

معاملہ کرے ۔ اور نیز یہ کہ عمدہ اور اعلیٰ اخلاق کے لوگوں کی مجلس میں بیٹھے۔ بُری محفلوں سے پرہیز کرے۔ خصوصاً اہلِ غفلت کی مجلسوں میں نہ بیٹھے اور نیک اور صالح بندوں کی صحبت زیادہ اختیار کرے۔ اور اگر نیک بندے سامنے نہ ہوں تو اُن کے کلمات اور کتابوں کو دیکھا کرے ۔ اور ان سے فائدہ اُٹھاوے ۔ اور ہم نشین وہ بناوے جس سے یا تو خود نیکی سیکھے یا اُس کو نیکی سکھاوے ۔ اور نیز یہ ہے کہ بیمار دوست کی بیمار پُرسی کیا کرے ۔ اور نیز یہ ہے ۔ کہ اگر صاحبِ علم۔ صاحبِ تقویٰ اور صاحبِ تورع ہے تو ہر ایک کو نصیحت کرے اور نیز یہ ہے کہ اپنے اہل و عیال اور خویش و اقارب اور رشتے اور ناطے اور دوست احباب اور دُشمن و مخالف۔ اور ہمسائے اور پڑوسی اور قریب اور دُوسرے لوگ غرض سب سے عمدہ برتاؤ کرے جیسا کہ اپنے آپ اور اپنی اولاد سے کرتا ہے۔ غرض ہر ایک سے محبت سلوک کا برتاؤ کرے نرمی اور لینت سے ۔ اور ہمسایوں کیساتھ بھی عمدہ برتاؤ کرے جیسا کہ اپنے آپ اور اپنی اولاد سے نرمی اور لینت سے کام لیتا ہے۔ اور اپنے متعلقین سے ہمیشہ تعلق بناوے۔ ہرگز ہرگز قطع تعلق نہ کرے اور اپنے والدین سے نہایت درجے کے آداب بجالاوے یہاں تک کہ اُن کو اُف تک نہ کہے ۔ اور ہر حال میں ان کی تابعداری کرے۔ اور نیز اپنی بیوی سے نہایت اعلیٰ تعلق رکھے ۔ اور اس کو ہر وقت خوش رکھے ۔

پیر و مُرشد کی ضرورت اور آدابِ پیر کے بارہ میں!

اور نیز خُدا کی محبتِ خاص کیلئے ایک پیر و مُرشد کی ضرورت ہے ۔ جو خُدا کا راستہ بتلاوے ۔ کیونکہ سوائے مُرشد کے معاملہ مشکل ہے ۔ اور مُرشد کی بہُت ضرورت ہے ۔ حضرت عیسیٰؑ کو حکم ہوا تھا کہ تو نے میرے لئے بھی کسی سے دوستی کی ۔ سایۂ عرش میں جو سات آدمی قیامت کو ہوں گے اِن میں ایک وہ شخص بھی ہوگا ۔ جس نے خاص خُدا کی محبت کیلئے کسی سے دُنیا میں تعلق بنایا ہُوا تھا ۔ قیامت کو خُدا جناب سے یہ ارشاد ہوگا ۔ کہ میرے لئے محبت کرنیوالے کہاں ہیں ۔ مجھے اپنے جلال کی قسم آج میں اِن کو اپنے سائے میں رکھوں گا ۔

یہ ایسا مسئلہ ہے جس کیلئے بہُت تفصیل کی ضرورت ہے ۔ مگر یہاں صرف اتنا بتلانا منظُور ہے ۔ کہ پیر و مُرشد انسان کیلئے ضروری ہے ۔ اور انسان کو چاہئے کہ تن من دھن اپنے مُرشد پر قربان

کر چھوڑے ۔ اور پیر و مُرشد کے کسی فعل پر اعتراض نہ کرے ۔ بلکہ جو بات سمجھ سے بالا ہو اُس کو حُسنِ ظن سے قبول کرے ۔ اور دل میں بھی ہرگز ہرگز چُون و چرا نہ کرے ۔ اور اپنا سب کچھ پیر و مُرشد پر قُربان کر دیوے اور ہمہ تن اس پر قربان رہے ۔ اور اس کے خلاف کوئی کلام نہ کرے اور نہ ہی اپنی رائے اس کے سامنے پیش کرے ۔ قیامت میں ان لوگوں کے مدارج بہُت بڑے ہوں گے جنہوں نے محض خُدا کے لئے محبت کی ہے ۔ اور قیامت میں سب تعلق ٹُوٹ جائیں گے مگر ان لوگوں کے جنہوں نے خُدا کے لئے تعلقات دُنیا میں بنائے تھے ۔ اور نیز پیر و مُرشد کی برکت سے دُنیاوی اور اُخروی بلائیں ٹلتی ہیں اور نحوستیں دُور ہوتی ہیں ۔ اور جو جو گُناہ اور بدیاں وہ کرتا ہے ۔ بعض دُعا سے اور بعض اسکی خدمت سے اور بعض اس کے کلماتِ طیبات کی وجہ سے ۔ یا وہ جو دُوسرے نیک کام کرتا ہے ان سے دُور ہوتی ہیں اور وہ مُرید کے لئے ایک قلعہ اور حصار ہوتا ہے ۔ اسکی وجہ سے مُرید کے ہر دو جہان سنورتے ہیں اور درُست ہوتے ہیں ۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہر قوم اور مذہب اور خصوصاً اِسلام میں پیر و مُرشد کی اشد ضرورت بیان کی گئی ہے ۔ اور قرآن میں اسپر بڑا زور دیا گیا ہے ۔ اور خصوصاً سورۂ فاتحہ میں پانچوقت نمازوں میں اہلِ اِسلام کو تعلیم دی گئی ہے کہ یُوں دُعا کیا کرو ۔ کہ اے خُدا ہمیں سیدھے راستہ پر چلا ۔ اُن لوگوں کا راستہ جن پر تیرا انعام ہُوا ۔" وہ انبیأ اور صدیقین اور شہدا اور صالحین ہیں ۔ تو گویا پانچوقت نمازوں میں اس امر پر زور دیا جا رہا ہے ۔ کہ نیک بندوں کی معیت اور اِن کی خدمت اور ان کی زیارت اور اِن کا ذکر طلب کرو ۔ غرض خُدا کے نیک بندوں کی غلامی ہر دو جہان کی بہتری کا اعظم سبب ہے ۔ اور اس سے محرُومی حرمان و خسران دو جہان ہے الحاصل ہر ایک اِنسان کو پیر و مُرشد کی ضرورت ہے ۔ اور پھر اس کی تمام زندگی پیر و مُرشد کی غلامی میں گُزرنی چاہئے ۔ کوئی اِرادہ دِلی اور کوئی بات زبانی اور کوئی کام وغیرہ پیر و مُرشد کی رضا کے خلاف نہ کرے ۔ ورنہ برباد و خراب ہو جاوے گا ۔

اِنسان کو چاہئے کہ لوگوں کو عمدہ باتوں کا امر کرے اور بُری باتوں سے روکے ۔ اور نہایت نرمی اور لینت سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرے اور عمدہ پاکیزہ کلمات سے لوگوں کو ھدایت کرے ۔ اور نیز یہ ہے کہ محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قول

اور فعل کو جو کہ اُنھوں نے فرمایا ہے اسکے ہرگز ہرگز خلاف نہ کرے۔ بلکہ ہمہ تن اُن کے ارشادات کا عامل بنے۔ اور نیز اپنا ظاہر اور باطن قرآنی تعلیم کے مطابق بناوے۔ یادِ خُدا کو حرزِ جان بناوے اور خُدا کی یاد سے کوئی دم خالی نہ گنوائے اور نیز یہ کہ ظاہر و باطن میں مطیع فرمانِ خُدا بنے وغیرہ وغیرہ۔ یہ ہیں مختصر سے اعمالِ ظاہری جو قرآن نے بندوں کو تعلیم کئے ہیں۔ اور جن کا اُردو ترجمہ کر دیا گیا ہے تاکہ ناظرین کو سہولیت ہو۔

اعمالِ باطنی کے بیان میں!

اب ہم مختصر طور پر وہ باتیں بیان کرتے ہیں جو قرآن کی تعلیم نے باطنی یعنی رُوح اور دِل کی صفائی کے لئے تعلیم فرمائی ہیں۔ اور وہ دو قسم کی باتیں ہیں۔ ایک وہ باتیں جو رُوح کو خراب کرتی ہیں۔ یعنی بُری باتیں۔ اور عمدہ باتیں ہیں۔ یعنی بُری باتوں سے رُوح کو پاک کرنا اور عمدہ باتوں سے رُوح کو روشن کرنا۔ اوّل اخلاقِ مذمومہ اور دوم اخلاقِ محمودہ کہلاتے ہیں۔ اور یہ وُہی بات ہے جو اُوپر ہم تحریر کر آئے ہیں۔

واضح ہو کہ وُہ باتیں یعنی۔ وہ اخلاقِ مذمومہ جو رُوح کو سیاہ کرتے ہیں۔ اِن میں اوّل کھانا ہے اور یہی تمام بُرائیوں کی اصل ہے۔ جب پیٹ بھر کر کھایا تو حرص، شہوت کبر و غرور، عجب و جاہ وغیرہ تمام بُرائیاں اِسی سے پیدا ہوتی ہیں۔ اور صرف یہی سیریٔ شکم ہی اِنسان کو خُدا سے دُور کرتی ہے۔ اور جو صاحبِ کمال ہُوا یا مقرّب بارگاہِ ربّانی ہُوا۔ وہ صرف بھُوک سے اور پیٹ کے خالی رکھنے سے۔ کیونکہ دِل کی صفائی سوائے بھُوک کے حاصل نہیں ہوتی۔ جو شخص دِل کو صاف کرنا چاہتا ہے وہ روزے رکھنے شروع کر دیوے۔ دُوسرے بھُوک سے نرم دِل ہو جاتا ہے۔ اور نفس ذلیل ہو جاتا ہے۔ اور تکبّر اور خودی دُور ہو جاتی ہے۔ اور اِنسانیت آتی ہے اور بدن ہلکا ہو جاتا ہے۔ اور عبادت میں مزا آتا ہے اور یادِ خُدا میں لذّت آتی ہے۔ اور سُستی اور کاہلی دُور ہوتی ہے۔ اور عقل تیز ہوتی ہے اور ابتلاء اور اِمتحان میں ثابت قدمی نصیب ہوتی ہے۔ اکثر امراض سے تندرستی اور صحت نصیب ہوتی ہے۔ اور بھُوک میں قربِ خُدا ہوتا ہے اور سیری میں سُستی پیدا ہوتی ہے۔ اور بھُوک نہایت درجے کی راحت اور لذّت ہے۔ میرا یہ تجربہ ہے کہ بھُوک کے وقت بہُت بڑی لذّت اِنسان کو حاصل ہوتی ہے۔ میں نے بہُت فاقے کر کے تجربہ کیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ خُدا اپنے دوستوں کو بھُوک اور پیاس زیادہ دیتا ہے۔ غرض نہایت کم کھانے کی عادت کرنی چاہئے۔ ایسا کم نہ کھائے کہ عبادت اور احکامِ الٰہی سے ہی محرُوم رہ جاوے۔ اور نیز خوراک حلال اور طیّب ہونی چاہئے۔ اور دوم بُری چیز زبان ہے۔ اِس سے دل کا بہُت نقصان ہوتا ہے۔ تمام اعمالِ ظاہر کا دل پر اثر ہے۔ جن کی وجہ سے دل سیاہ یا صاف ہوتا ہے۔ اور وجہ یہی کہ عالمِ ظاہر کو عالمِ باطن سے ایک بہت بڑا تعلق ہے۔ ظاہری تمام چیزیں باطن کے نقشے ہیں۔ اور تمام اعمالِ ظاہری کا ایک بہُت بڑا اثر دِل پر پڑتا ہے۔ اور اعمال ہی کی وجہ سے دِل سیاہ یا روشن ہوتا ہے۔ اور زبان میں بہُت بڑی بڑی آفتیں ہیں۔ اور زبان کا اثر دیگر جوارح کی نسبت دل پر زیادہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کو بند رکھنا نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ زبان کے کلمات سے دِل میں ایک صُورت پیدا ہوتی ہے۔ جس طرح کا لفظ زبان سے نکلے اِسی قسم کا دِل میں ایک نقشہ پیدا ہوتا ہے۔ جب زبان جھُوٹ بولے تو دِل میں ایک جھُوٹی صُورت پیدا ہوتی ہے۔ اور جب وہ سچ بولے تو دِل میں ایک سچّی صُورت پیدا ہوتی ہے۔ اور اگر وہ بے فائدہ بات کرے۔ یا گُناہ کی بات کرے۔ تو اس وجہ سے دِل کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے۔ اور اگر زبان سے عُمدہ اور راست اور مطابق قانونِ الٰہی کلمات صادر ہوں اور نیکی اور تقویٰ کے کلمات جو زبان سے صادر ہوں تو دِل روشن ہوتا ہے۔ اور رفتہ رفتہ اس میں صفائی پیدا ہو جاتی ہے۔ اسلئے قرآن شریف نے زبان کے علاج فرمائے ہیں۔ اور اس کے لئے ایک قانون فرمایا ہے۔ کہ یہ کلمات زبان سے چاہئیں اور یہ نہ چاہئیں۔

زبان کی آفتیں اور بلائیں بہُت ہیں جن میں اوّل جھُوٹ ہے۔ قرآن نے جھُوٹ سے بہت منع فرمایا ہے۔ کہ فرمایا ہے کہ جھُوٹ کبھی نہ بولا جائے۔ نیز زبان کی آفت غیبت ہے قرآن نے اس سے بہت منع کیا ہے۔ اور جھگڑا زبان کی آفت ہے۔ قرآن نے اس سے بہُت منع کیا ہے۔ اور نیز ناجائز مدح ہے۔ اس سے بھی ممانعت ہے۔ اور مزاح ہے۔ اس سے بھی ممانعت ہے۔ اور نیز ایک اِنسان کو غصّہ تباہ کرتا ہے۔ اس سے قرآن نے منع فرمایا ہے۔

اور اسکی آفتوں سے روکتا ہے۔ نیز بُرے صفات سے ایک حسد ہے جو انسان کو تباہ کرتا ہے۔ اس سے قرآن نے منع کیا ہے۔ اور نیز ایک بُخل اور محبتِ مال ہے۔ قرآن نے سخاوت اور خیرات بتلا کر اس کا علاج کیا ہے۔ اور بُخل کی بہت مذمت کی ہے۔ اور نیز رعونت اور جاہ ہے۔ جو اپنے آپ کو بڑا خیال کرتا ہے۔ اور بزرگ جانتا ہے۔ نیز دُنیا کی محبت ہے۔ جو انسان کو تباہ و برباد کرتی ہے۔ نیز تکبر اور غرور ہے جو انسان کا بیڑا غرق کرتا ہے۔ اور عجب اور اپنے آپ کو نیک گمان کرنا اور اپنے آپ کو بڑا خیال کرنا یہ بھی انسان کو تباہ کر دیتا ہے۔ اور نیز ریاکاری یعنی دُنیا کے دکھاوے کے لئے کام کرنے اور غرض یہ ہو کہ لوگ مجھے بڑا آدمی کہیں۔ یہ بھی انسان کو تباہ کر دیتا ہے۔ اور بہت بڑے امراض ہیں وغیرہ وغیرہ۔ غرض ان امراض سے دل کو پاک اور صاف کرنے کی قرآن نے بہت تاکید کی ہے۔ اور ان سب امراض بہت علاج فرمائے ہیں۔

غرض انسان کا ایک ظاہری جسم ہے۔ اور ایک روح ہے۔ جس طرح جسم کا حُسن وہ ہے جس کو تناسب اعضاء باقتضائے طبع کہتے ہیں۔ یعنی ناک۔ کان۔ آنکھ۔ لب رُخسار ہاتھ پاؤں وغیرہ تمام درست اور عمدہ ہوں تو حُسن کہلاتا ہے۔ ورنہ نہیں۔ مثلاً کسی حسین کی آنکھ یا ناک یا دیگر اعضاء میں سے ایک عضو بھی نہ ہو تو اس کے حُسن میں فرق آجاتا ہے۔ ایسا ہی انسان کے روح کا حال ہے۔ یعنی انسان کے حُسنِ باطن کا بھی یہ حال ہے۔ اس میں بھی بہت بہت ضروری ہیں۔

حُسنِ باطن کے چار ارکان ہیں۔ اوّل قوتِ علم۔ دوم قوتِ غضب۔ سوم قوتِ شہوت چہارم قوتِ عدل۔ جب یہ چاروں قوتیں صحیح و درست کام کریں تو حُسنِ باطن کامل ہوتا ہے۔ اور علمی قوت کا حُسن اعتدال یہ ہے کہ وہ تمام قول و فعل حرکت سکون ارادے خیالات۔ ظاہر و باطن میں صحت اور سقم معلوم کرے۔ اور قوت غضب اور شہوت کا حُسن اعتدال یہ ہے کہ وہ ہر دو قرآن کے مطابق ہو جاویں۔ اور قوتِ عدل یہ ہے کہ تمام قوتیں یعنی شہوت اور غضب کو قرآن اور عقل کے تابع کیا جائے۔ اور چند امور اور ہیں جو یہاں مُجمل اشارات کے

اوّل پوری توبہ کرنا اور ہر قسم بدی سے مُنہ موڑ لینا۔ اور ہر وقت خدا کا خوف دل میں رکھنا۔ اور تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرنا۔ اور زہد اختیار کرنا اور ہر حال میں صبر کرنا اور چون و چرا نہ کرنا۔ اور شکر کرتے رہنا۔ اور ہر کام صدق اور اخلاص سے کرنا اور ہر کام میں نیت نیک رکھنا۔ اور ہر وقت اور حال میں خدا پر بھروسہ کرنا۔ اور تمام ماسوائے سے مُنہ موڑ کر عشق و محبت الٰہی میں مست و بے خود ہو جانا۔ اور خدا کی قضا پر راضی رہنا۔ اور موت کو بھی یاد رکھنا۔ یہ ہیں مُجمل طور پر وہ علوم اور اعمال جن کی طرف قرآن دُنیا والے تمام انسانوں کو دعوت دے رہا ہے۔

انبیاءؑ کے معجزات اور اولیاء کی کرامات پر مُجمل اور سحر انگیز بیان

اور جب حکمتِ الٰہی اور رحمت نامتناہی خلق کی اصلاح چاہتی ہے تو ان سب میں سے اعلیٰ شخص کو کہ جس کی نافرمانی پر خدا کی ناراضگی اور اطاعت پر خوشنودی مرتب ہو اور جس کے موافق کو ملاءِ اعلیٰ میں محبوب اور مخالف کو ملعون سمجھتے ہوں۔ پیدا کرتا ہے کہ وہ خلق کو تاریکی سے روشنی میں لاتا ہے اور اس کا نفس قدسی اس قدر صاف ہوتا ہے کہ جو اوروں کو بڑی ریاضت سے مکاشفہ یا تجلی عالم جبروت و ملکوت ہوتی ہے۔ تو اس کو ادنیٰ توجہ سے بے ریاضت حاصل ہو جاتی ہے۔ اور اس کا نفس قدسی آفتاب جہاں تاب کی مانند روشن ہوتا ہے۔ کہ اس کی روشنی سے لوگ منور ہوتے ہیں اور یہ شخص خلق کو غلطیوں کی سخت دلدل سے نجات دیتا ہے۔ اور یہ شخص حظیرۃ القدس کی طرف متوجہ ہو کر ہمت کرتا ہے تو عالم اجسام بلکہ عالم ملکوت میں ا[illegible]ف ہو جاتا ہے۔ جو باتیں عادت کے خلاف ہیں اس سے سرزد ہو جاتی ہیں ہزاروں چیزیں جو حسِ بشر سے خارج ہیں اسکو دکھائی دیتی ہیں اور اس سے کلام کرتی ہیں۔ روحانی لوگ اس کی اطاعت کرتے ہیں اور ایسے شخص کو نبی کہتے ہیں۔ اگر اسکو شریعت جدید اور کتاب آسمانی بھی ملتی ہے تو اس کو رسول کہتے ہیں۔ اور اس کے تابعداروں میں جس کو وہ نفسِ قدسی عطا ہوتا ہے کہ اسمیں اس کے انوار اسطرح منعکس ہوتے ہیں کہ جس طرح آفتاب کے انوار آئینہ میں۔ اور پھر کبھی اس سے بھی خوارق سرزد ہونے لگتے ہیں۔ کہ جن کو کرامت کہتے ہیں تو اس شخص کو ولی کہتے ہیں۔ اور پھر اولیاء کے بہت سے اقسام ہیں جن کو ہم آگے چلکر بیان کریں گے۔ اور یہ تمام مراتب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود تھے۔ بلکہ جو کچھ آپ میں موجود تھا۔

وہ انسان تو کیا فرشتوں اور دوسرے نبیوں اور رسولوں کو معلوم نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضورؐ کے سب نام ہیں اور یہی وجہ ہے کہ حضور صلعم پر نبوت ختم ہو گئی - اور یہی وجہ ہے کہ جو جو کام آپؐ نے کر کے دکھائے وہ کسی نبی سے نہیں ہوئے - اور جتنی مخلوق آپؐ کے فیض سے فیضیاب ہوئی کسی دوسرے نبی سے نہیں ہوئی - اور یہی وجہ ہے کہ جو معجزات آپؐ کی ذات والا صفات میں ہیں وہ تمام اوّلین و آخرین میں نہیں۔ بلکہ آپؐ کے معجزات ابد الآباد تک رہیں گے اور باقی رسولوں اور نبیوں کے معجزات ختم ہو گئے - اب چونکہ معجزات کا ذکر آ گیا ہے - لہٰذا یہ بتلایا جاوے کہ معجزات کیا چیز ہیں؟ سو واضح ہو کہ جو چیز خلافِ عادتِ جاریہ ہو۔ یا بالغیر اس بات کے کہ وہ اپنے اسبابِ عادیہ پر مبنی ہو۔ کسی شخص سے سرزد ہو تو اس کو خارقِ عادت کہتے ہیں۔ مثلاً عادت یوں ہے کہ ریل یا گھوڑا یا اونٹ ہاتھی یا کوئی دوسری سواری کے ذریعہ سے انسان سفر کر کے کسی دوسری جگہ جلدی پہنچ جاتا ہے۔ لیکن اگر بغیر ان سواریوں کے کوئی کئی سو میل چند منٹ میں چلا جاوے۔ جیسے بجلی دیکھتے دیکھتے کہاں سے کہاں چلی جاتی ہے۔ تو یہ خرقِ عادت فعل ہوگا۔ یا انسان دریا یا سمندر سے بغیر کشتی یا جہاز کے مثلاً زمین کی طرح پانی پر چلتا جاوے تو یہ فعل خارقِ عادت ہوگا۔ یا انسان زمین سے کوئی اشارہ کرے اور آسمان پر اس اشارے سے سورج یا چاند اسکے اشارے کے مطابق کام کریں۔ تو یہ فعل خرقِ عادت ہوگا۔ یا کسی انسان کا حکم زمین درخت پہاڑ آگ مٹی ہوا جانور پتھر غرض ہر ایک شے اس کے اشارے پر کام کرے۔ تو یہ فعل خرقِ عادت ہوگا۔ یا کسی بیمار اندھے مادر زاد کوڑھی یا لنگڑے لولے کو کوئی شخص بغیر کسی علاج کے اچھا کر دے تو یہ فعل خرقِ عادت ہوگا۔ یا دیگر کسی ایسے کام کو کوئی انسان اسطرح کر دے کہ دنیا کے سب انسانوں سے وہ کام نہ ہو سکے۔ مثلاً دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے میں جو کچھ ہوتا ہو۔ وہ ایک انسان بغیر کسی ظاہر سامان کے اس کی خبر بتلاوے یا جو جو کچھ ماضی مستقبل میں ہو وہ اس کی خبریں بتلا دے تو یہ فعل خرقِ عادت ہوگا۔ غرض زمین آسمان پہاڑ۔ دریا۔ حیوان سمندر وغیرہ کسی انسان کے کہنے سے کام کریں اور تمام دنیا کے عقلمند اور فلاسفر اور سائنسدان اس کے کام میں حیران ہو جاویں اور اسکا مقابلہ نہ کر سکیں۔ تو اس کا یہ فعل خارقِ عادت ہوگا۔ لیکن اس کے فعل میں کسی قسم کے اسباب ظاہری باطنی نہ ہوں صرف

(خرقِ عادات)

اس کی دعا سے یہ کام ہوں اور تمام جادوگر اور شعبدے باز اور ساحر اور نیرنجات والے اور فلاسفر اور حکیم اور ڈاکٹر اور سائنسدان سب عاجز آ جاویں اور اسکا مقابلہ نہ کر سکیں۔ یعنی جو کام وہ کرے دوسرے آدمی نہ کر سکیں۔ بلکہ اس کے کام پر تمام دنیا کے انسانوں کی عقلیں دنگ رہ جاویں اور اس کا مقابلہ نہ عقل سے نہ قوت سے نہ علم سے نہ کسی اور طرح کر سکیں۔ یعنی وہ ان ہونی باتیں کر کے دکھاوے

اگر خرقِ عادت کسی ولی سے سرزد ہو تو اسکو کرامت کہتے ہیں۔ اگر کسی نبی سے سرزد ہو تو اسے معجزہ کہتے ہیں۔ اور کسی غیر مسلم سے ہو تو اسکو استدراج کہتے ہیں۔ اور اگر کسی مومن غیر ولی سے سرزد ہو تو اسکو معاونت کہتے ہیں اور اگر کسی نبی سے قبل از نبوت خرقِ عادت سرزد ہو تو اسکو ارہاص کہتے ہیں۔ اور جو کام بذریعہ جنات یا بذریعہ سحر جادو اور فسوں اور نیرنجات اور فلسفہ اور سائنس وغیرہ کئے جاویں وہ خرقِ عادت نہیں ہوتے۔ خرقِ عادت میں یہ شرط ہے کہ کسی قسم کے اسباب سے وہ فعل نہ ہو۔ مثلاً کوئی بادشاہ اپنی سلطنت میں جو جو کام کرتا ہے اور رعایا کے لوگ اس سے واقف ہیں۔ اور بادشاہ ایسا کام کرے کہ رعایا حیران ہو جاوے۔ جیسے یہ آدمی یہ کہتا ہے کہ میں بادشاہ کا منظورِ نظر ہوں اور اس کا خاص محبوب ہوں اور لوگ نہیں مانتے اور اسکی تکذیب کرتے ہیں۔ اور اگر ایسا شخص بادشاہ کی خدمت میں عرض کرے کہ حضور یہ کام کر دیں اور بادشاہ اس کا کہا مان کر اسکے کہنے کے مطابق کام کر دے اور وہ کام ایسا ہو جو تمام رعایا کی حیرانی کا سبب ہو اور رعایا جانتی ہو کہ بادشاہ نے یہ کام صرف اس شخص کے کہنے سے کر دیا ہے - ورنہ بادشاہ ایسا نہیں کرتا۔ ایسا فعل اس کہنے والے کی تصدیق کرے گا اور اس کا دعویٰ ثابت ہو جاویگا کہ یہ شخص واقعہ ہی بادشاہ کا منظورِ نظر ہے۔ پس معجزہ بعینہٖ ایسا ہے کہ ایک شخص دنیا میں دعویٰ کرتا ہے کہ میں خدا کی طرف سے پیغام لایا ہوں اور لوگ اسکو نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ تو کاذب ہے۔ اور وہ ایسا فعل کر کے دکھاتا ہے کہ جو لوگوں سے نہ ہو سکے تو گویا وہ اسکے دعوے کی دلیل ہو جاتی ہے۔ اور چاند کو توڑ دینا۔ اور سورج کو واپس کر دینا۔ اور مردوں کو زندہ کر دینا۔ اور آگ کو باغ بنا دینا۔ اور دریا سے بغیر کسی ذریعہ کے پار ہو جانا ہے

(معجزہ - کرامت - معاونت - ارہاص اور استدراج کی تعریف)

اور لاعلاج بیماروں کو اچھا کردیتا ہے - اور لکڑیوں سے کلام سُننا - اور جانوروں سے باتیں کرنا اور سُننا - اور دیکھتے دیکھتے نگاہ سے غائب ہوجانا - اور جادُو اور سحر اور فسوں والوں کو اپنے مقابلہ میں عاجز کردینا اور ہر طرح کے اہلِ کمال کو اپنے مقابلہ میں عاجز کردینا اور ایک مٹھی خاک سے لشکر کو اندھا کردینا - اور بے سروسامان ہوکر فوجوں اور لشکر اور سپاھیوں پر غالب آجانا - اور دوچار روٹیوں سے سیکڑوں لوگوں کو سیر کردینا - اور ایک پیالے پانی سے لشکروں کو سیراب کردینا اور دُنیا کے بگڑے ہوؤں کو سنوار دینا وغیرہ وغیرہ اِسی قبیل سے ہیں - یعنی انبیاء کے معجزے اور ولیوں کی کرامتیں اور یہ ہر ایک قوم یعنی جو جو دُنیا میں آباد ہیں سب میں مانی ہوئی بات ہے - مثلاً -

توراۃ میں جو حضرت موسٰی علیہ السّلام پر نازل ہوئی اور دُنیا میں اس کے ماننے والے بہت لوگ ہیں اور اسکو خدا کی کتاب مانتے ہیں - اِسمیں یہ معجزات موسوی ؑ موجُود ہیں - کہ حضرت موسٰی ؑ کی ایک لاٹھی تھی - آپ جسوقت اسے چھوڑ دیتے - وہ آپؑ کے دُشمنوں کو مغلوب کردیتی - اور ہر میدان میں وہ آپؑ کی چھڑی فوجوں کا کام دیتی - اور ہر قسم کے مخالف لوگوں کو موسٰی ؑ کے سامنے عاجز کردیتی - اور آپ اپنا دستِ مُبارک نکالتے اور سامنے کرتے تو آپؑ کے مخالف اندھے ہوجاتے - آپؑ کی دُعا سے دریا کا پانی سُوکھ گیا - اور آپؑ کی دُعا سے پانی فرعونیوں پر خون ہوگیا - اور آپؑ نے پتھر پر اپنی لاٹھی ماری تو پانی جاری ہوگیا - آپؑ فرعون کے لشکر پر دونوں بھائی یعنی موسٰی ؑ اور ہارون ؑ غالب آگئے وغیرہ وغیرہ -

ایسا ہی حضرت داؤد علیہ السّلام کے معجزات مشہور ہیں - مثلاً آپؑ کے دستِ مبارک میں لوہا موم ہوجاتا تھا - آپؑ کی آواز سے ہر ایک جانور اور آدمی مست ہوجاتے تھے ایسے ہی آپؑ کے معجزات سے جانور اور دیگر اشیاء آپؑ کا کہا مانتے تھے - وغیرہ وغیرہ -

ایسا ھی حضرت عیسٰی ؑ کے معجزات انجیلوں میں موجود ہیں اور اُن کی اُمت کے لوگ مانتے ہیں - یعنی حضرت عیسٰی ؑ نے جن نکالے اور بیماروں کو دم کرکے اچھا کیا - اور اندھوں اور جزامیوں اور بہروں اور برص والوں کو اچھا کیا - اور مُردوں کو زندہ کیا وغیرہ وغیرہ -

اور ایسا ھی وسنسکرت میں بڑے واقعات موجود ہیں اور ایسا ہی ویدوں کو ماننے والے اپنے رِشیوں کے بڑے بڑے کرشمے مانتے ہیں - غرض دُنیا میں ہر ایک قوم جو مذہب اور کتاب کی پابند ہے - وہ اپنے اپنے بزرگوں کے کرشمے مانتی ہے - اور ایسا ہی حکمائے یونان کے اشراقیین رُوح کے کمالات کے بڑے بڑے عامل تھے - اور ایسا ہی حکمائے ھند علم یوگ یعنی رُوح کے کمالات کے بڑے عامل تھے - غرض دُنیا میں ہر ایک قوم رُوحانی کمالات کی قائل ہے -

لیکن حق یہ ہے - کہ تمام کمالاتِ روحانی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ والا صفات پر ختم ہوگئے - یہاں یہ ذکر ہو رہا تھا کہ روحانی کمالات ہر ایک گروہ مانتا ہے - وجہ یہ ہے کہ تمام کاروبار جو کرتا ہے وہ جسم نہیں کرتا بلکہ رُوح ہی کرتا ہے - جو کام جسم کرتا ہے - یہ صرف رُوح کی برکت ہے - ورنہ جسم بغیر رُوح کے مُردہ ہے - مثلاً دیکھنا سُننا - کلام کرنا وغیرہ وغیرہ تمام کاروبار جسمانی یہ سب رُوح کی برکت ہے - ورنہ جسم ایک آلہ ہے - پھر رُوح کے کمالات کئی قسم کے ہیں - ایک درجہ ادنٰی ہے - وہ یہ کہ بوجہ مجاہدہ جسم کمزور کردیا جاوے - اور روحانی کمالات رُوح سے بقدر استعداد کیئے جاویں - یہ درجہ ادنٰی ہے - جو تمام قوموں یعنی سوائے اسلام کے دُوسری قوموں میں بھی پایا جاتا ہے +

اور دُوسرا درجہ یہ ہے کہ رُوح کو تمام کدُورتوں سے پاک کیا جاوے اور پُورا پُورا صاف اور پاک بنالیا جاوے اور تمام کائنات میں اس کا پُورا اختیار ہوجاوے - یہ درجہ محمدی ؐ ہے - اور محمد ؐ کے ماننے والوں کا ہے - اور اس درجہ پر پہنچکر اِنسان کامل کہلاتا ہے - اسوقت زمین و آسمان اور دیگر سب چیزیں اِنسان کی غلام اور تابعدار ہوجاتی ہیں - ایسے روحانی کے اِشاروں سے تمام دُنیا کی چیزیں کام کرتی ہیں اس کے اشارے سے سُورج واپس ہوجاتا ہے - دریا آگ پہاڑ - درخت - زمین و آسمان - حیوان - روحانی اِنسان کے تابعدار ہوجاتے ہیں - اور وہ عالم کا سردار بنایا جاتا ہے اور عالم غیب کے اسرار اُس پر کھل جاتے ہیں - وہ بوجہ اپنی بلندیٔ شان کے اور کچھ ہوجاتا ہے

ایسے اشارہ سے چاند پھٹ جاتا ہے

اس کی شان کا واقف صرف اس کا خدا ہوتا ہے۔ عوام انسان اس کو نہیں دیکھ سکتے۔ فرشتے اور جن وغیرہ اس کو نظر آتے ہیں۔ روحِ انسانی سب اشیاء سے زیادہ لطیف ہے۔ قوتِ روح کے سامنے یہ سب چیزیں ہیچ ہیں۔ جب روح پورے طور پر صفا ہو جاوے تو وہ زمین و آسمان میں طرح طرح کے عجائب کام کرتی ہے۔ اور ان جنوں۔ فرشتوں اور شیطانوں کو بے تکلف دیکھتی ہے۔ اور ان سے زیادہ کام کر کے دکھلاتی ہے۔ قوتِ روح اتنی بڑی قوت ہے۔ جو تمام قوتوں سے بالاتر ہے۔ اور اس پہ تمام دنیا کے عقلاء متفق ہیں۔

مجمل تحقیق وحی اور الہام

اب ذرا وحی اور الہام کے بارہ میں کچھ عرض کیا جاوے۔ کہ وحی و الہام کیا چیز ہے؟ وحی و الہام چونکہ اول قدرے مذکور ہوئے ہیں۔ یعنی میں نے یہ پہلے بیان کیا ہے۔ کہ عقل مبدأ و معاد کے امور میں از بس عاجز ہے۔ لہٰذا ایسے وحی و الہام کی ضرورت ہوئی۔ ورنہ وہ مبدأ و معاد کے امور میں ناکام ہے۔ اور وحی اور الہام کے معنی ہیں دل میں بات ڈالنا۔ اور وہ بہت قسم کی ہوتی ہے۔ مثلاً اجسام میں ادنےٰ درجہ جمادات کا ہے۔ ان کو الہام ہوتا ہے کہ وہ اپنی زندگی اور ضروریاتِ زندگی میں منافع حاصل کریں اور جمادات سے مکمل اور اعلیٰ روح چونکہ نباتات میں ہے۔ لہٰذا نباتات کو جمادات سے اعلیٰ الہام ہوتا ہے۔ وہ اپنی تمام ضروری چیزیں حاصل کرتی ہیں۔ اور غیر ضروری اشیاء سے اپنے آپ کو بچاتی ہیں۔ اور نباتات سے کامل روح چونکہ حیوانات میں ہے۔ لہٰذا ان کو الہام بھی اعلیٰ ہوتا ہے۔ وہ تمام ضرورتوں میں کوشش کرتے ہیں۔ اور اپنے ضرر دینے والے اشیاء سے بچتے ہیں۔ اور چونکہ حیوانات سے زیادہ کمال انسان کو ملا ہے۔ اسلئے ہر ایک انسان کو تمام حیوانات سے کامل الہام ہوتا ہے۔ اور چونکہ انسانیت کا کمال ہے ولایت۔ لہٰذا ولی کو تمام انسانوں سے کامل الہام ہوتا ہے۔

چونکہ نبی ولی سے کامل ہوتا ہے لہٰذا نبی کا الہام بھی زیادہ کامل ہوتا ہے۔ مگر اس کو وحی کہتے ہیں۔ اور جہاں کہیں بغیر نبی کے کسی اور کے لئے وحی کا اطلاق ہوا ہے وہ بطور مجاز ہے۔ اور تمام انبیاء سے چونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کامل و مکمل اور اکمل ہیں۔ لہٰذا آپؐ کا وحی سب انبیاءؑ سے کامل۔ مکمل اور اکمل ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ آپؐ کی ذاتِ والا صفات پر مدارجِ وحی ختم ہو گئے۔ اور اسی لئے آپ خاتم الانبیاء ہیں۔ آپؐ کے بعد جو شخص وحی ہونے کا مدعی ہے۔ وہ اسلام سے خارج ہے۔ اس لئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ذاتی ہے۔ اور دیگر انبیاءؑ کی نبوت آپؐ کی نبوت کا فیض ہے +

(مضامین کا سلسلہ بہت طویل ہے اور موضوعات بلند ہیں۔ اختصار کی غرض سے صرف چند مقامات سے اقتباسات مختصراً اخذ کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔

آخرِ کتاب میں حضرت اقدس علیہ الرحمۃ نے اس کتاب کو نہایت خلوص اور والہانہ عقیدت سے اپنے شیخِ طریقت حضرت مولانا سید سراج الحق شاہ صاحب کرنالوی قدس اللہ سرہٗ العزیز کی بارگاہ علیہ میں پیش کیا ہے۔ اور کس شانِ عجز و نیازمندی سے۔ ملاحظہ فرمادیں (مؤلف)

پیشکش

"اور یہ کتاب نہایت اخلاص و عقیدت سے میں قبلہ و کعبہ سیدی و مولائی مرشدی و مطاعی ادام اللہ فیوضہم و برکاتہم یعنی مطلعِ انوارِ سبحانی منبعِ انوارِ صمدانی۔ موردِ افضالِ ذی الجلال والاکرام مخدومِ مطاعِ خاص و عام۔ سرحلقۂ مخلصانِ سراپا اخلاص۔ سرِ لشکرِ صدیقانِ بالاختصاص رونقِ شریعت زیبِ طریقت۔ ذریعۂ نجات و وسیلۂ سعادات

دستاویزِ مغفرتِ نیاز منداں۔ بہانۂ واگذاشت مستمنداں۔ ہادیٔ گمراہان مقتدائے دین پناہان۔ زُبدۂ زمان۔ عُمدۂ دوران۔ سیدنا و مرشدنا الحاج حضرت قبلۂ عالم و عالمیان۔ سراج الحق والدین۔ حنفی۔ چشتی صابری قادری رزاقی قریشی فاروقی کرنالوی (قدس اللہ سرہٗ العزیز) کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ ع

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

کیونکہ تمام فیض حضرت کی توجّہ باطنی کا اثر ہے۔ ورنہ ؎

کہاں میں اور کہاں یہ نکہتِ گل

نسیم صبح تیری مہربانی

کارِ زلفِ تست مُشک افشانی

"امّاں عاشقاں مصلحت را تہمتے بر آہوئے چین بستہ اند۔"

الٰہی! اِن بزرگانِ فیض رسان خواجگانِ چشتیہ صابریہ رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ کے صدقہ میں ہم گنہگاروں عاجزوں اور نیازمندوں کو بھی اپنی رحمت و بخشش کی بھیک عطا فرما۔ آمین!

مُفلسانیم آمدہ در کوئے تو ؎

شیئاً لِلّٰہ از جمالِ روئے تو

(خاکپائے خواجگان۔ طفیل ناصری)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شجرہ قدوسیہ چشتیہ صابریہ

اَصلُہا ثابتٌ و فرعُہا فی السماء

حمد بے حد ہے جنابِ کبریا کے واسطے	ہو درود و نعت احمد مصطفیٰ کیواسطے
حضرت صدیقِ اکبر اور عمر ابن خطاب	حضرت عثمان و علی مرتضیٰ کیواسطے
بھیج یا رب اِن پر رحمت اور سب اصحاب پر	اور سب ازواج و آلِ اصفیا کیواسطے
کر خطائیں معاف میری اور مجھے اپنا بنا	شاہ ربّانی حبیب باحیا کیواسطے
رحم کر دے مجھ گدا پر اے خدا ذوالجلال	شاہ نواب الدین عشقی بے ریا کیواسطے
دُور کر ظلمت گناہوں کی الٰہی قلب سے	شاہ سراج الحق چشتی پیشوا کیواسطے
اور کر دے صاف روشن یا الٰہی دل میرا	شاہ محمد با حسین اصفیا کیواسطے
حفظ میں رکھیا الٰہی تو گناہوں سے مجھے	شاہ علی با حسین پارسا کیواسطے
حضرت شاہ محمد جو کہ ہیں محمودِ حق	شاہ غلام با حسین پر ضیا کیواسطے
عبد رحمٰن اور حضرت خواجہ عبد الکریم	شاہ عنایت اللہ صاحب مقتدا کیواسطے
میں سوالی مانگتا ہوں بھیک تیرے عشق کی	سید شاہ بھیکہ میراں رہنما کیواسطے
حضرت شاہ بو المعالی اور داؤد عزیز	شاہ محمد صادق صدق و صفا کیواسطے
مجھ سے بدبخت شقی کو یا الٰہی کر سعید	بو سعید صاحبِ اہلِ وریٰ کیواسطے
شاہ نظام الدین بلخی و جلال الدین ولی	عبد قدوس شہِ ہر دو سرا کیواسطے
یا الٰہی کر عنایت مجھکو اپنا ذوق شوق	ہادیٔ مرشد محمد رہنما کیواسطے
عارفِ راہِ شریعت اور حقیقت کر مجھے	شیخ احمد عارف راہِ ہدیٰ کیواسطے
چشم کر مجھ کو عطا وہ جس سے دیکھوں راہِ حق	شیخ احمد عبد حق حق نما کیواسطے
شاہ جلال الدین و شمس الدین کے یا رب طفیل	شاہ علاؤ الدین صابر با رضا کیواسطے

ہادی و مولا ہمارے شاہ فرید الدین ولی
یا الٰہی میرے ہر اک کام میں تو ہو معین
شاہ عثمانؒ و شہ لقب زندنی کے نام سے
کر میری نصرت الٰہی چاہِ ظلمت سے نکال
زہد و تقویٰ کر عنایت اور مجھے زاہد بنا
یا الٰہی بخشدے محمدؐ روسیاہ کے سب گناہ
شیخ ابو اسحٰق شاہی کے لئے اب رحم کر
دے مجھے دلبر حبیبؐ سے تو ہی تو آئے نظر
بیخودی کا جام یا رب عشق سے اپنے پلا
شاہ ابراہیم ادھمؒ اور فضیل ابن عیاضؒ
محمد گدا و بینوا کی دستگیری کیجئے
دین و دنیا کی میری سب مشکلیں آسان کر
جام اپنے وصل کا یا رب عنایت کر مجھے
یا الٰہی ہو دعا محمد بینوا کی سب قبول
جلد کر دے تو رہا اس قیدِ غم سے دل میرا
خاندانِ چشت کی ہر دم غلامی کر عطا

شاہ قطب الدین کاکی اولیا کیواسطے
شاہ معین الدین چشتی پیشوا کیواسطے
خواجہ مودود چشتی دلربا کیواسطے
شاہ ناصر دین ابو یوسف مہ لقا کیواسطے
شاہ محمد زاہد اہلِ لقا کیواسطے
احمد ابدال چشتی مقتدا کیواسطے
حضرت ممشاد علوی باخدا کیواسطے
ابو ہبیرہ بصری صاحب ہدیٰ کیواسطے
شاہ حذیفہ مرعشی اہلِ دعا کیواسطے
خواجہ عبد الواحد بن زید شاہ کیواسطے
حضرت شاہ حسن بصری اولیا کیواسطے
شاہِ مرداں شیرِ یزداں مرتضیٰ کیواسطے
سرورِ عالم محمدؐ مصطفیٰ کیواسطے
رحم کر اپنی تو ذاتِ کبریا کیواسطے
انبیا و غوث قطب و اولیا کیواسطے
فخر ہے عالم میں محمد روسیاہ کیواسطے

حال ابتر قال ابتر حامد ناشاد کا
لطف و رحمت کی نظر ہو محمدؐ گدا کیواسطے

بگردابِ بلا افتادہ کشتی | ضعیفانِ شکستہ را تو پشتی
بحقِ خواجۂ عثمان ہارونؒ | مدد کن یا معین الدین چشتی

حق حق حق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شجرۂ عالیہ قادریہ رزاقیہ برکاتیہ

اَصْلُھَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُھَا فِی السَّمَآءِ

حمد سب لائق ہے ذاتِ کبریا کیواسطے
اے الٰہی تو نبی کے در پہ ہوں خستہ و ملول
ہر بُنِ مو سے محمدؐ ہی محمدؐ ہو عیاں
حل کر دے مشکلیں سب دین و دنیا کی میری
تیغِ عشقِ احمدی سے کر مجھے مولا شہید
ہادی و مولا ہمارے شاہ زین العابدینؒ
حضرت سید علی موسےٰ کاظمؒ کے لئے
حبِ دنیا دل سے میرے دور کر دے اے خدا
سری سقطیؒ اور خواجہ شاہ جنید ولی
جام وحدت کا پلا کے نقشِ کثرت کو مٹا
بو الفرح طرطوسیؒ شیخ جناب بو الحسنؒ
کر عنایت یا الٰہی مجھکو اپنا ذوق شوق
یا الٰہی کر عطا تو رزق اپنے پاس سے
صالح کر دے مجھے اور صالحیں سے محمد کو گن
قلبِ مردہ کو میرے کر زندگی دائم عطا
حضرت سید علیؒ اور موسیٰؒ و حسنؒ
نارِ کفر و شرک عصیاں کی میری گلزار کر

صد درود و نعت احمد مجتبیٰ کیواسطے
رحم کر اپنی تو ذاتِ کبریا کیواسطے
عشق ایسا دے محمدؐ مصطفیٰ کیواسطے
حضرت شاہ علی مرتضیٰ کیواسطے
سید الشہدا شہید کربلا کیواسطے
باقر و جعفر امام پیشوا کیواسطے
حضرت سید علی موسیٰ رضا کیواسطے
حضرت معروف کرخی مقتدا کیواسطے
حضرت بوبکر شبلی رہنما کیواسطے
شیخ عبد الواحد بن زید شاہ کیواسطے
حضرت شاہ بو سعید پیشوا کیواسطے
غوث اعظم پیر پیراں رہنما کیواسطے
سید عبد الرزاق پر ضیا کیواسطے
بو محمد صالح نور الہدیٰ کیواسطے
شاہ محی الدین صاحب اقتدا کیواسطے
سید احمد شاہ بہاء الدین عطا کیواسطے
شیخ ابراہیم صاحب با رضا کیواسطے

حضرت شیخ محمد حسن کا ککاری لقب
یاالٰہی بہر مخدوم جہاں اولیاء
سید احمد طفیل شاہ فضل اللہ ولی
سید آل محمد شاہ حمزہ کے لئے
فضل سے اپنے بچا مجھ کو ریا و عجب سے
حضرت شاہ محمد جو کہ ہیں محمود حق
یاالٰہی ہو تیری برکات کا مجھ پر نزول
کر منور نور عرفان سے میرا قلب حزین
کشتۂ تیغ رضا ہوں درد کی مرہم لگا
کر خطائیں معاف میری اور مجھے اپنا بنا
کر عطا مجھ کو تو الفت اولیا اقطاب کی
ان بزرگوں کو شفیع لایا ہوں میں دربار میں
ہے عبادت کا کسی کو اور تقویٰ کا خیال

شاہ ضیاء الدین صاحب ضیا کے واسطے
حضرت سید محمد با صفا کے واسطے
سید برکت اللہ بے ریا کے واسطے
سید شاہ آل محمد ذی العطا کے واسطے
شاہ غلام بالحسین پر ضیا کے واسطے
شاہ علی باحسین اتقیا کے واسطے
سید و مولوی محمد حسین شاہ کے واسطے
شاہ سراج الحق صاحب پیشوا کے واسطے
مرشد پاکاں نواب الدین شاہ کے واسطے
شاہ ربانی حبیب باحیا کے واسطے
کر عطا نعمت جو کام آئے سدا کے واسطے
کر قبول انکی شفاعت مجھ گدا کے واسطے
ہاتھ خالی ہیں میرے بس التجا کے واسطے

رو سیاہ ہوں پر خطا ہوں۔ ہوں مگر تیرا ہی میں
ہے سہارا نام تیرا مجھ گدا کے واسطے

اوراد روزمرہ:- درمیان سنت و فرض صبح اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَ اَتُوْبُ اِلَیْہِ ستر بار اور بعد فرض صبح کے یَا رَحْمٰنُ۔ یَا رَحِیْمُ یَا حَلِیْمُ دو سو مرتبہ پڑھے۔

پنج گنج: بعد نماز فجر یَا عَزِیْزُ ۱۱۱ بار۔ یا اللہ ۱۱۱ بار + بعد نماز ظہر یا کریم ۱۱۱ بار اور یا اللہ ۱۱۱ بار + بعد نماز عصر یا جبار ۱۱۱ بار۔ یا اللہ ۱۱۱ بار + بعد نماز مغرب یا ستار ۱۱۱ بار۔ یا اللہ ۱۱۱ بار + بعد نماز عشاء یا غفار ۱۱۱ بار اور یا اللہ ۱۱۱ بار + اور بوقت خفتن درود شریف قادریہ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ مَعْدَنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَآلِہٖ وَسَلِّمْ کم از کم ۱۱۱ بار پڑھ کر خواب کرے۔ زیادہ جسقدر ہو سکے +

اذکار و اشغال در سلوک سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ

از سراج الطالبین فی اذکار رب العالمین

(تصنیف شریف جناب مخدوم بے بدل حضرت مولانا شاہ سراج الحق صاحب قدس سرہ)

حق — بسم اللہ الرحمن الرحیم — حق

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ۔

اما بعد خادم الفقراء محمد سراج الحق قریشی فاروقی بخدمت احباب طریقت مدعا پرداز ہے۔ کہ مرشدی حضور اقدس حضرت مولانا و مرشدنا مولوی سید محمد حسین شاہ صاحب مراد آبادی مرحوم و مغفور رحمۃ اللہ علیہ بہ تقریب عرس پاکپتن شریف ایکدفعہ تشریف لائے۔ تو از راہ نوازش گورداسپور میں قدم رنجہ فرمایا۔ بوقت واپسی درمیان گاڑی زبان فیض ترجمان سے چند اصطلاحات بابت دستور العمل و آگاہی طلباء راہ حق ارشاد فرمائے۔ اس نیازمند کی عقل ناقص سے مناسب معلوم ہوا۔ کہ اس کی تشریح برائے احباب بطور ایک رسالہ کے کی جائے۔ لہذا امید قبولیت پر مندرجہ ذیل رسالہ "سراج الطالبین" لکھا جاتا ہے۔

طالب راہ آخرت کو چاہیئے۔ کہ بعد استقامت احکامات شریعت کے ذکر کی طرف توجہ کرے۔ اور مرشد کامل سے واسطہ پیدا کرے۔ اور اقسام ذکر سے آگاہی حاصل کرے۔ چنانچہ ذکر کی سات قسمیں ہیں:-

۱۔ ذکر لسان
۲۔ ذکر نفس
۳۔ ذکر قلب
۴۔ ذکر روح
۵۔ ذکر سر
۶۔ ذکر خفی
۷۔ ذکر اخفیٰ

۱۔ **ذکر لسان:** یعنی ذکر زبان جس کو ذکر جہری یا ناسوتی بھی کہتے ہیں۔ مثلاً (لا الٰہ الا اللہ) اس ذکر کے غلبے سے فنا صفات ذمیمہ کی جو صفات

نفسِ امّارہ ہیں صفاتِ حمیدہ میں جو اوامرِ شرع شریف ہیں۔ میں ہو جاتی ہے۔ حرص
امل۔ غضب۔ دروغ۔ غیبت۔ بخل حسد۔ ریا اور کبر صفاتِ ذمیمہ ہیں۔ اور
اوصافِ حمیدہ یہ ہیں۔ صبر و شکر۔ قناعت۔ علم۔ یقین۔ تفویض۔
توکّل اور رضا و تسلیم۔

دوم۔ ذکرِ نفس

اس کو فکر بھی کہتے ہیں۔ یعنی تصوّرِ عقلی سے مقصودِ اصلی تک پہنچنا۔ اور پھر اس کو طلب کرنا۔ اور اس کے ذکر کے غلبے سے فنا خواہشاتِ نفسانی کی جو نفسِ لوّامہ کی صفات ہیں۔ خواہشِ ربّانی میں ہو جاتی ہیں۔ اور طریقہ مکاشفہ اور الہام کا جو مقام نفسِ ملہمہ کا ہے ظاہر ہو جاتا ہے۔

سوم۔ ذکرِ قلب

اس کو ملکوتی بھی کہتے ہیں۔ مثلاً (الّا اللہ) اور اس کو مراقبہ بھی کہتے ہیں۔ یعنی اس چیز کا نگاہ رکھنا جو کہ مقصود ہے۔ اس ذکر کے غلبے سے فنائے افعال و اوصاف موجودات کی موجودِ مطلق کے افعال و اوصاف میں ہو جاتی ہے۔ تاکہ ہر شے کی حقیقت میں اثر افعالِ حق کا ملاحظہ کرے۔ اور اطمینانِ قلبی کہ مقام نفسِ مطمئنہ کا ہے۔ حاصل ہو جائے۔

چہارم۔ ذکرِ روح

جس کو جبروتی اور مشاہدہ بھی کہتے ہیں۔ یعنی حق تعالیٰ کو بجہت اسماء و صفات مشاہدہ کرے۔ مثلاً ذکر (اللہ) اس کے غلبے سے فناء کثرت کی وحدتِ حق میں ہو جاتی ہے۔ جہاں تک کہ اس کے مشاہدے میں سوائے بجہت کے اور کچھ نہیں رہتا۔ اور یہ مرتبہ مشاہدے کا ہے۔

پنجم۔ ذکرِ سِرّ

اس کو لاہوتی بھی کہتے ہیں۔ اور معاینہ بھی کہتے ہیں۔ یعنی نورِ تجلیاتِ ذات کا مرید کے دل پر بے جہت اور بے مثل وارد ہو جائے۔ مثلاً ذکر ہو ہو

اس کو لذّتِ اذکار اور نفور از خلق بھی کہتے ہیں۔ اس کے غلبے سے سالک کی ذات کی فناء ذاتِ مطلق میں ہو جاتی ہے۔ اور اس کو سالک کی فناء کہتے ہیں۔ یعنی اپنے تئیں کسی وجہ اپنے آپ میں نہ دیکھے۔ بعد اس کے جب اپنے آپ کو یاد رہے تو فناء ہی نہیں رہتی۔ اور بعدہٗ فناءُ الفناء ہو جاتا ہے۔ اور اس مرتبہ میں سالک کا علم ذات اور حقیقت باقی نہیں رہتی۔ اس مرتبہ میں سیر الی اللہ جو سالک کا مقصود ہے۔ اور سیر فی اللہ۔ جو سالک کا تصوّر ہے تمام ہو جاتا ہے۔ اور سالک مطلبِ اصلی کر کے عام موجودات کو اپنا ظہور سمجھتا ہے۔ یعنی ہستی سالک کی بالکل نہیں رہتی۔

اگر اس مرتبہ کی تجلّی ایک بار بھی تمام عمر میں سالک کے دل پر وارد ہو وے تو اس کو ولی کہتے ہیں۔ مگر یہ مرتبہ کبھی کبھی وارد ہوتا ہے۔ بعض کو ہفتہ میں ایک ساعت یا دو ساعت یا تین ساعت۔ یہ فنا باقی رہتی ہے۔ یا دو تین روز۔ اور یہ مطابق احوال عارفوں کے ہوتا ہے۔ اور بعض کا قول مندرجہ بالا اذکار کی نسبت یہ ہے۔ کہ:۔

"ذِکْرُ اللِّسَانِ لَقْلَقَۃٌ۔ ذِکْرُ الْقَلْبِ وَسْوَسَۃٌ۔
ذِکْرُ الرُّوحِ مُرَاحَۃٌ۔ وَذِکْرُ السِّرِّ حَالٌ دَائِمَۃٌ"

ششم ذکرِ خفی و ہفتم ذکرِ اخفیٰ کی تشریح محال ہے۔

سیر کی چار قسمیں ہیں۔

۱۔ سیر من اللہ
۲۔ سیر الی اللہ
۳۔ سیر فی اللہ
۴۔ و سیر مع اللہ

(مندرجہ بالا مقامات کی تشریح اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں)

ا۔ سیر مِن اللہ

اِس کے یہ معنی ہیں ۔ نقل اللہ سے بسوئے خلق ۔ یا مِن کے معنی عن کے لیے جاویں تو سَیر عن اللہ ہوں گے ۔ یعنی سیر حق سے حق کے ساتھ بطرف خلق اور دوسرے معنی یہ ہوئے کہ نقل کی فناء فی اللہ سے بقا باللہ کے اور ذاتِ بحت سے طرف صفات کے ۔

دوم ۔ سیر اِلی اللہ

اس کے کئی معنی ہیں ۔ ایک تو یہ ۔ کہ نقل کرنا بطرف اللہ ۔ یعنی سالک کی فِکر کا نقل کرنا اپنی جانب سے اور تمام عالم کی طرف سے بجانب حق ۔ یعنی سالک کے قلب کی توجہ بسُوئے حق ۔

(۲) دُوسرے معنی نفی اثبات ہے ۔ یعنی نفی ماسواء اللہ اور اثباتِ حق ۔

(۳) تیسرے معنی ہیں ذکرِ قلب

(۴) چوتھے معنی ذکرِ خفی ۔

(۵) پانچویں معنی ذکرِ سِتر

(۶) چھٹے معنی معراج ۔ یعنی اسفل سے اعلیٰ کی طرف چلنا ۔ اور انتہا سَیر اِلی اللہ کا سَیر فی اللہ ہے ۔ اور اس کی انتہا اِسی طرح معلوم ہوتی ہے ۔ کہ سالک کی نظر میں سوائے حق کے اور کچھ نہیں ہوتا ۔ تب سالک سمجھتا ہے ۔ کہ سَیر اِلی اللہ انتہا کو پہنچی +

سوم ۔ سَیر فی اللہ

اِس کی ابتدا سَیر اِلیٰ اللہ کی انتہا ہے ۔ اور اس کی انتہا لاھُوت ہے ۔ اِس کے معنی یہ ہیں کہ سالک کی ذِکر کا اللہ میں ہونا ۔ یعنی توجہ سالک حق کیطرف ہو ۔

نہ کہ خلق کی طرف ۔ اِس مقام میں سالک ہمیشہ حق کی طرف متوجہ رہتا ہے ، اور مخلوق کو معدُوم سمجھتا ہے ۔ اور سَیر فی اللہ کو فنا فی اللہ بھی کہتے ہیں ۔ اور فنا فی اللہ کے معنی یہ ہیں ۔ کہ سالک کا حق میں فنا ہونا ۔ جیسا کہ فنا ہونا اینٹ کا آگ میں ۔ اور فنا فی اللہ کی تین قسمیں ہیں ۔

(i) فنا افعالی ۔ اس کو کہتے ہیں کہ سالک اپنے افعال اور تمام عالم کے افعال کو حق تعالیٰ کے افعال میں فانی ہے ۔

(ii) فنا صِفاتی ۔ اس کو کہتے ہیں کہ سالک اپنی صفتوں اور شر و غیر شر کو حق تعالیٰ کی صفات میں فنا کر دے ۔

(iii) فنا ذاتی ؛ اس کو کہتے ہیں کہ سالک اپنی ذات اور تمام عالم کی ذات حق تعالیٰ کی ذات میں فنا کر دے ۔

فنا فِی اللہ کے تین مقام ہیں

(۱) ایک مقام واحدیت کا ہے ۔ یعنی سالک اپنی ذات کو ذاتِ حق میں اور اپنی صفات کو حق تعالیٰ کی صفات میں ۔ اور اپنے افعال کو حق تعالےٰ کے افعال میں فنا کر دے ۔

(۲) دُوسرا مقام وحدت ہے کہ سالک اپنے افعال ۔ صفات اور ذات کو ذات (حق) میں فنا کر دے ۔

(۳) تیسرا مقام احدیت کا ہے ۔ کہ سالک اپنے آپ کو ذاتِ بحت حق سبحانہٗ میں فنا کر دے ۔

سَیر فی اللہ کو اثبات فی اللہ بھی کہتے ہیں ۔ کیونکہ اس مرتبے میں حق کا اثبات ہے ۔

چہارم ۔ سَیر مع اللہ

یعنی سَیر کرنا سالک کا ھمراہ حق کے ۔ یعنی جو کام کرتا ہے ھمراہ حق کرتا ہے تاکہ جب حق کی طرف توجہ کرتا ہے تو ساتھ حق کے کرتا ہے ۔ اور جب خلق کی طرف توجہ کرتا ہے

تو ہمراہ حق کے کرتا ہے - اور سیر مع اللہ کو بقا باللہ بھی کہتے ہیں - کیونکہ سالک اس سیر میں باقی باللہ ہوا - اور نیز اس سیر کو سکون مع اللہ بھی کہتے ہیں - کیونکہ اس سیر میں سالک حق کے ساتھ ساکن ہوا - اور اس کی حرکت اِنتہا کو پہنچی -

جاننا چاہیئے - کہ اِن چاروں سیروں میں سے دو سیر تو تعلق فنا فی اللہ سے رکھتے ہیں - یعنی سیر اِلی اللہ اور سیر من اللہ - اور دو سیر یعنی سیر فی اللہ اور سیر مع اللہ کو تعلق بقا باللہ سے رکھتے ہیں - جبکہ سالک مع اللہ کو پہنچا تو سلوک ختم ہوا - اور اس کی معرفت اِنتہا کو پہنچی - اس سے بیشتر سلوک نہیں +

اور معرفت کی تین قسمیں ہیں -

۱- ایک معرفت تقلیدی - یعنی حق کی معرفت کتابیں پڑھنے اور علمائے سے سُننے سے حاصل کرے -

۲- دُوسری معرفت استدلالی - یعنی حق کی معرفت دلائل سے حاصل کرے -

۳- تیسری معرفت کشفی وشہودی - یعنی حق تعالیٰ کو ان حجابوں کو جو بندہ اور حق سبحانہٗ درمیان ہیں - دُور کرنے سے پہچانے - یا حق تعالیٰ کو دل کی آنکھوں سے پردوں یا غیر پردوں میں دیکھے - پس سالک بعد سیر مع اللہ کے قابلِ ارشاد ہوتا ہے - اور ولی اور اس کی ولایت ختم ہوتی ہے - اور انتہا ولایت ابتدا نبوّت کی ہوتی ہے -

سالک کو چاہئے کہ بہ ترتیب مندرجہ ذیل اذکار کی مشق کرے -

۱- اوّل ذکرِ جہر - لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ دو سو مرتبہ - بہ طریق عروج و نزول بلحاظ نفی معبُود - مطلوب مقصُود - موجود غیر اللہ اس طرح کے لا ناف کے نیچے سے کھینچکر دائیں مونڈھے تک لے جاوے اور اِلٰہ کو سر سے باہر کر دیوے - اور اِلَّا اللّٰہ کی ضرب دِل پر مارے -

۲- دوم - حروف اِلَّا اللّٰہ چار سو مرتبہ اِس طرح کہ نفی خیال میں کرے اور سر کو دائیں طرف لے جا کر پھر دِل پر ضرب ماریں -

۳- سوم - اللّٰہ اللّٰہ چھ سو مرتبہ اِسطرح کہ بخیال سمیع و بصیر و علیم یا ناصر و ناظر دو معنی ایک ضرب رُوح اور دُوسری ضرب قلب پر مارے - بطریق عرُوج و نزُول -

۴- چہارم - اللّٰہ ھُو دو سو مرتبہ اِسطرح کہ الف کو زبان سے شروع کرے اور ہ کو سینے کے وسط میں ختم کرے اور وہاں سے ھُو کو شروع کرے اور زبان کے کنارے تک لے جاوے - یا برعکس کرے - اور ملاحظہ برزخ یا نقش اِسم ذات کا کرے - خواہ وُہ سیاہ یا سُرخ یا شنگرفی یا زرد یا سفید لکھا ہُوا ہووے -

۵- پنجم - حق حق دو سو مرتبہ -

۶- ششم - اللّٰہ اللّٰہ دو سو مرتبہ بطریق بالا کہے -

طریقہ ہائے ذکر

ذکرِ آرہ ؛ اِس کا طریق یہ ہے کہ دم کو بشدّت تمام کھینچے اور لَآ اِلٰہَ کو دائیں مونڈھے تک لے جاوے اور پھر اپنے سر کو پُشت کی طرف جھکا کر اِلَّا اللّٰہ کی ضرب دِل پر مارے - یا دونوں آنکھوں کو بند کرے اور زبان تالُو سے لگائے - اور دم کو اُلٹا کر کے لفظ اللّٰہ ناف سے بشدّت تمام کھینچے - اور دائیں مونڈھے کی طرف لے جائے - اور پھر ھُو کی ضرب قوّت سے دل پر لگائے - جیسا کہ آرہ کش لکڑی میں آرہ کھینچتا ہے - اِسی طرح زور اور سخت آواز سے دِل پر ضرب جاری رکھے - اور ملاحظہ صفات امہات یعنی سمیع - بصیر - علیم کا نگاہ رکھے - اور تصوّر کرے کہ اُوپر قلب کے آرہ کھینچتا ہے - اور بجائے بُرادہ کے

جو لکڑی میں سے بوقت آرہ کھینچنے کے نکلتا ہے۔ ایسے ہی ذراتِ نورِ صاف کے ہمراہ ھُو کے دل سے نکلتے ہیں۔ اور بدن میں منتشر ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ تمام عالم میں محیط ہو جاتے ہیں۔ اور ذاکر کے وجود اور تمامِ عالم کو ڈھانپ لیتے ہیں۔

ذکرِ جاروب

اِس کا طریقہ یہ ہے۔ کہ لَا اِلٰہَ کو بائیں زانو سے شروع کرے۔ اور سر کو طرف دائیں زانو لا کر جانب پُشت تھوڑا کج کرے۔ ضرب اِلَّا اللّٰہ کی قلب پر مارے۔ اور دو زانو بیٹھے۔ اور دفا دم ورزش کرے۔

ذکرِ پاسِ انفاس

یعنی آتے اور جاتے سانس کو معلوم کرے۔ اور ذکر خواہ جہر کرے خواہ خفی اس طرح کہ جب سانس باہر جاوے۔ تو لَا اِلٰہَ۔ اور جب اندر آوے۔ تو اِلَّا اللّٰہ۔ اور نظر ہر وقت ناف پر رکھے۔ اور پھر منہ بند کر کے بغیر حرکت زبان کے دم سے ذکر کرے۔ اور اسقدر مشغول ہووے۔ کہ دم ذاکر ہو جاوے۔ یا اللّٰہ کو باہر نکالے۔ اور ھُو کو اندر لے جاوے۔ اور ملاحظہ کرے۔ کہ وُہی اندر ہے۔ اور وُہی باہر ہے۔ طریقہ اُوپر گذرا۔

ذکرِ قلب

مع حبسِ نفس اَللّٰہ بطریق عروج و نزول سانس بند کر کے اور زبان تالو سے لگا کر ۲۱ دفعہ ایک سانس میں کہے۔ یہانتک کہ ایک سانس

میں چالیس بار کہے۔ اِس کو محاربہ صغیر کہتے ہیں۔ اور اگر زیادہ کرے۔ تو اس کو محاربہ کبیر کہتے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک سانس میں ایکسو تیس دفعہ کہہ سکے۔ تو سلطان الاذکار وارد ہو جائے گا۔ اور طاق طاق بڑھاوے۔ اور ہر خیالی کرے کہ قلب سے اور تمام عالم اور ہر بال اور ہر رگ سے اللّٰہ اللّٰہ ہو رہا ہے۔ اور اس قدر غلبہ ہووے کہ تمام عالم اور ہر بال اور ہر رگ سے اللّٰہ اللّٰہ ہو رہا ہے۔ اور اس قدر ذکر کا غلبہ ہووے۔ کہ تمام عالم غیب اور ناسوت و ملکوت و جبروت کی سیر کرے۔ اور لاہوت میں جاوے۔ اور سیر مع اللّٰہ تک پہنچ جاوے۔ اور چوبیس ہزار بار روزانہ کرے۔ اور جب سانس چھوڑے تو آہستہ آہستہ چھوڑے

ذکرِ سُلطان

اِس کو اَحد اور ذکرِ سرمدی کہتے ہیں۔ اس کا طریقہ یہ ہے۔ کہ آنکھیں بند کر کے اور اُنگلیوں سے بند کر کے تصور کرے۔ کہ دماغ میں آواز مثل گرنے پانی کے آتی ہے۔ اور اسقدر مشغولی کرے۔ کہ بغیر کان بند کئے بھی وُہ آواز سنائی دے۔ اور ادنیٰ درجہ اِس ذکر کا یہ ہے۔ کہ تمام موئے بدن سے اللّٰہ اللّٰہ سنائی دینے لگے۔

مراقبہ فکرِ اطلاق و ذاتِ بحت

سیرِ آفاقی و سیرِ انفسی

دورائے آفاق و انفس

مُراد سیرِ آفاقی سے یہ ہے کہ جسقدر افعال و صفات مخلوقات کے ہیں۔ وُہ من جانب اللّٰہ سمجھے۔ اور آفاق و انفس سے اعلیٰ درجہ بھی ہے۔ جو متعلق ذاتِ بحت کے ہے۔ جو قابلِ بیان نہیں۔ (تمت بالخیر)

دیگر اورادِ چشتیہ!
ترکیب فاتحہ پڑھنے کی

چاہئیے کہ بعد پڑھنے اسماءِ پیرانِ عظام کے اوّل مرتبہ درود شریف چشتیہ اور ایک بار سورۂ فاتحہ۔ اور ایکمرتبہ آیت الکرسی۔ اور تین مرتبہ سورہ اخلاص پڑھ کر ثواب اس کا بارواحِ پاک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وآلِ پاک و صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم و بزرگانِ عظام سلسلہ چشتیہ کو پہنچاوے۔ اور دعا واسطے ترقی مراتب مرشد اگر بقید حیات ہو کرنا چاہئیے۔ اور وہ فیضان جو قلب و روح بزرگانِ سلسلہ پر ہوتا ہے۔ بواسطے اُن کے اپنے قلب و روح پر استدعا کرے اور ایکمرتبہ یہ دعا پڑھے:۔
"اَللّٰھُمَّ اَلْحِقْنِیْ بِحَبِیْبِکَ بِبَرَکَۃِ ھٰذِہِ الشَّجَرَۃِ" اور تمام مرادات اپنی عرض کرے۔ اور درود شریف چشتیہ یہ ہے:۔
"اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ ذَرَّۃٍ مِّاَۃَ اَلْفَ اَلْفَ مَرَّۃٍ +

دوازدہ تسبیح چشتیہ

اوّل استغفار و کلمہ شریف و درود شریف تین تین بار خوش الحانی سے کہے پھر نفی اثبات لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دو سو مرتبہ اور اِلَّا اللّٰہ۔ اِلَّا اللّٰہ چار سو مرتبہ پھر اسم ذات اَللّٰہ۔ اَللّٰہ چھ سو مرتبہ پھر اَللّٰہ ھُوْ دو سو مرتبہ۔ اور حق حق دو سو مرتبہ اور اَللّٰہ اَللّٰہ دو سو مرتبہ یا جس قدر ہو سکے +

ترتیب شریف

قبل از وتر قبلہ رُو بیٹھ کر بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ۸۶ ، ۷ بار پڑھے۔ پھر ننگے سر ہو کر یَا رَبُّ ہزار بار کہہ کر سجدہ میں جاکر دعا مانگے۔

اِلٰہی تا بود خورشید و ماہی   چراغِ چشتیاں را روشنائی